

MLN
771

انسانی زندگی میں جمود و ارتقا

ترجمہ

DATA ENTERED

التطور والثبات

فی حیات البشر

○

مصنف

محمد قطب

مترجم

ساجد الرحمن صدیقی

○

البدیع پبلی کیشنز ۲۳۔ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور ۲

اساتذہ کا ردِ لکھنؤ اور ردِ عقلا و شعور / ۱۵۰

297-04

ق 164 ن

۱۲۵۱۲

طبع سوم ————— ۱۰۰۰ اگست ۱۹۸۲ء
مطبع —————
ناشر ————— عبدالحفیظ احمد
قیمت ————— ۲۵ روپے

البدیعہ کی پیشکش اردو بازار، لاہور

فہرست موضوعات

ج	پیش لفظ
۵	عرض ناشر
۹	مقدمہ
۱۵	دور ارتقاء
۳۰	تین یہودی: مارکس، فرائڈ، ڈرکایم
۶۷	تاریخ کی گواہی
۸۰	انسانی وجود میں جمود و ارتقاء
۱۰۳	ارتقاء کی اقسام
۱۰۵	ذرائع پیداوار کا ارتقاء
۱۱۹	معاشی، اجتماعی اور سیاسی ارتقاء
۱۲۱	نفسیاتی ارتقاء
۱۵۸	اخلاقی تغیر
۱۶۳	مقیاس ترقی
۱۶۸	بیسویں صدی کی گواہی
۱۸۶	انجمنوں کے حلے
۱۸۷	نچلے طبقے کے جراثیم
۱۸۷	پانچ نوجوان عدالت کے سامنے

۱۸۸ میں کالج چھوڑ کر آوارہ گردی کیوں کرنے لگا؟

۱۸۸

زندگی کی تحقیر

۱۸۹

بھنگ کا استعمال

۱۸۹

جرائم کا مقابلہ

۱۹۰

تدارک

۱۹۱

مال میں

۱۹۲

دوسری کہانی

۱۹۳

شب بیدار محفلیں اور ہزاروں ڈالر

۱۹۳

سنس شپ

۱۹۵

امریکی کانگریس کا منظور کردہ قانون

۱۹۵

ایک بین الاقوامی مسئلہ

۱۹۹

انسانی زندگی کے بارے میں اسلام کا موقف

۲۰۴

ربوبیت

۲۱۶

وحدت انسانی

۲۲۹

صنفی وحدت

۲۵۶

انسانی معاشرہ

۳۰۱

اسلام اور رجحیت

۳۱۶

ہم اور مغرب

۳۳۴

آپ کا انخلاف اور ہمارا انخلاف

۳۴۷

انسانیت کا مستقبل

۳۶۷

مسلمانوں کا کردار

پیش لفظ

الاستاذ محمد قطب عالم اسلام کے فکری قائدین کی صفِ اول میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں بڑی خوبی اور عقلی استدلال کے ساتھ مغربی تہذیب کی فکری بنیادوں کے بودے پن کی نشان دہی کی ہے۔ علم و دانش اور معقولیت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹنے والی اس مادہ پرست تہذیب کے بچے ادھیڑ کرانھوں نے ثابت کیا ہے کہ اس کی ساری چمک دمک دراصل جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ فی الحقیقت یہ تہذیب عقلی دیوالیہ پن کا شکار ہے۔ ظاہر فریب نگاہیں اس کا چہرہ دیکھ کر دھوکہ کھائیں تو کھائیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ اس کا اندروں چنگیز سے تاریک تر ہے۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں ثابت کیا ہے کہ اس جاہلی تہذیب کے مقابلہ میں اسلامی افکار و عقائد محکم عقلی بنیادوں پر قائم ہیں، جن کی صداقت ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ انسان کے تمام مسائل کا فطری انداز میں شافی حل پیش کرنے والا اسلام کے سوا کوئی اور نظام نہیں ہے۔

محمد قطب کی کتاب التطور والاثبات فی حیاة البشریہ کے اردو ترجمے انسانی زندگی میں جود و ارتقاء کی اشاعت کا اعزاز ادارہ معارف اسلامی کو حاصل ہوا ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے تغیر و ارتقاء کا مغربی فلاسفہ کے نزدیک جو مفہوم ہے اور اسلام ان الفاظ کی جو تعبیر کرتا ہے،

اس پر بحث کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ تغیر و ارتقاء کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں ناکامی کے نتیجے میں مغربی تہذیب نے فکر و دانش کی وادیوں میں کد انکھاں ٹھوکریں کھائی ہیں اور ان غلطیوں کے کیسے کیسے تباہ کن نتائج انسانیت پر مرتب ہوئے ہیں۔ اس کے مقابلے میں تغیر و ارتقاء کے اسلام کے پیش کردہ مفہوم کو اختیار کر کے تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانیت حقیقی ترقی کی کن بلندیوں تک جا پہنچی ہے اور آج بھی اس مفہوم کو اپنا لیا جائے تو انسانیت کے مسائل کس طرح حل ہو سکتے ہیں۔

اس عظیم تصنیف کے ترجمے کی سعادت رفیق عزیز ساہد الرحمان صدیقی کو حاصل ہوئی ہے۔ اس سے پیشتر بھی ادارہ معارف اسلامی کے زیر اہتمام شائع ہونے والی سید قطب اور محمد قطب کی متعدد کتب کے ترجمے کے فرائض ساہد الرحمان صدیقی انجام دیتے رہے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ علمی ذوق رکھنے والے اردو داں طبقے میں یہ کتاب دلچسپی سے پڑھی جائے گی۔ مغربی تہذیب کی لائی ہوئی لعنتوں سے نبرد آزما مجاہدوں کے لئے انشاء اللہ یہ کتاب کارگر ہتھیار ثابت ہوگی اور اسلام و تہذیب جدید سے متعلق بہت سی ذہنی الجھنوں کو صاف کرنے میں مدد دے گی۔

منور حسن

سکریٰ حنزل

منور حسن

سکریٰ حنزل

عرضِ نامتھر

عالم اسلام کے ممتاز مفکر الاستاذ محمد قطب کی بے نظیر تصنیف التطور والثبات فی حياة البشر کے اردو ترجمہ کی اشاعت کی سعادت پریس الشرب العالمین کا شکریہ ادا ہوں کہ اس کی تائید و توفیق کے بغیر اس کا عظیم پایہ تکمیل

تک پہنچنا ہرگز ممکن نہ تھا۔

ادارہ معارف اسلامی کراچی کی تحریری کوششوں کی اشاعت میں پہلے بھی ہم تعاون و علی البتر والتقویٰ کے جذبے کے ساتھ تعاون کرتے رہے ہیں، اس کتاب کی اشاعت کا کام بھی اسی جذبے کے تحت انجام دے رہے ہیں۔ اور تعاون کا یہ سلسلہ

انشاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو قبول فرمائے۔ اور اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ ذہنوں پر حق کو روشنی کرنے کا ذریعہ

بنائے۔ آمین۔

مقدمہ

کہتے ہیں کہ یہ زمانہ دور ارتقاء ہے۔ اس دور میں ہر شے تغیر پذیر ہے۔
افکار و عقائد، اخلاق و اقدار اور ریت و روایات سب بدل گئے۔
زندگی کی مادی شکلیں تک تبدیل ہو گئیں۔

کھانے پینے کے ڈھنگ رہن سہن کے آداب، رسل و رسائل کے تمام ذرائع
جنگ و صلح کے قوانین، غرض ہر شے ایک ہم گیر تغیر سے دوچار ہے۔ — حد تو
یہ ہے کہ خود انسان بھی اس تغیر سے نہیں بچ سکا۔!

کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں لوگ ترقی یافتہ مغرب سے لے کر پسماندہ
مشرق تک، ارتقاء، تغیر اور تبدیلی کے الفاظ نہ دھرا لیتے ہوں!

اور کوئی عمل اور کوئی سوچ ایسی باقی نہیں رہ گئی جس میں ارتقاء اور تغیر
کا نظریہ سراپت نہ کر گیا ہو!

اب تو لوگوں کے لئے کسی ایسی زندگی کا تصور مشکل ہو گیا ہے جس پر
فلسفہ ارتقاء کی چھاپ نہ ہو!

* * *

جب لوگوں کے ذہنوں پر تغیر و ارتقاء کا نظریہ اس طرح چھا جائے۔ تو
ظاہر ہے کہ یہ مذہب سے متصادم ہوگا۔ کیونکہ لوگوں کے تصور میں مذہب ارتقاء پذیر نہیں ہے۔

اور مذہب کے عم ارتقا کے ساتھ ساتھ خدا، عقیدہ، عبادات، اقدار، روایات اور زندگی تمام کے تمام غیر متغیر اور ثابت ہیں — اور —

جب لوگوں کے ذہن میں مذہب کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ غیر ارتقائی اور غیر متغیر ہے تو ظاہر ہے۔ اس تصور کو ارتقاء کے تصور سے متصادم ہونا چاہیے۔ کیونکہ فلسفہ ارتقاء میں کوئی بھی شے غیر متغیر نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خدا بھی!

* * *

مغرب میں فی الحقیقت ہوا بھی یہی ہے کہ تغیر و ارتقاء کا نظریہ مذہب سے متصادم ہو گیا۔ چنانچہ دور احیاء میں نظریہ ارتقاء اور مذہب میں شدید پیکار رہی۔ جب کہ دور احیاء (RENAISSANCE) کی بنیاد بھی لادینیت (SECULARISM) تھی۔ مذہب اور نظریہ ارتقاء کی اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب، معاشیات، اجتماعیات اور سیاسیات کی عملی زندگی سے کٹ کر رہ گیا۔ اور مذہب کا تھوڑے سے لوگوں کی زندگیوں پر بس اس قدر اثر باقی رہ گیا کہ وہ انوار کے دن کلیسا چلے جائیں، اور اپنے بعض شخصی معاملات میں مذہبی اصولوں کو اپناتے رکھیں مگر جہاں تک واقعیاتی زندگی کا تعلق ہے تو پوری کی پوری زندگی لادینی (SECULAR) تصورات کے تابع ہو گئی!

دین اور دنیا کی یہ کشمکش اٹھارویں اور انیسویں صدی میں تو خاصی تیز رہی، مگر بالآخر سرد پڑ گئی۔ کیونکہ اب نہ تو مذہب میں تاب مقابلہ باقی رہی تھی۔ اور نہ اہل مذہب میں۔ اہل مذہب یا تو اس امر پر راضی ہو گئے کہ اپنے آپ کو لادینیت (SECULARISM) کی یلغار سے بچا کر خود تانہ سے علیحدہ ہو جائیں۔ جب کہ دوسرے لوگ اس فکر کے حامل تھے کہ تانہ کا ساتھ تو نہ چھوڑے۔ البتہ مذہب کو تغیر و ارتقاء کی خزاں پر چڑھا کر دور جدید کے ساتھ چلنے کے قابل بنالیں!!

* * *

مگر اسلامی دنیا میں دین و دنیا کی کشمکش آج بھی بدستور جاری ہے۔

کیونکہ — ایک طرف تو — عمل لحاظ سے نہ سہی مگر عقیدے اور فکر کے لحاظ سے عوام الناس پر مذہب کی گرفت پوری طرح سخت ہے — اگرچہ اس بات کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے کہ عقیدے کی بنیاد منہدم کر کے اس کی جگہ نئے افکار و خیالات کی دیوار تعمیر کر دی جائے —

اور — دوسری طرف — تغیر اور ارتقاء بھی یہاں مکمل نہ ہو سکا۔ نہ یہاں کوئی منطقی انقلاب آیا۔ اور نہ مغرب سے درآمد شدہ اجتماعی اور معاشی نظام اپنی پوری لادینی (SECULAR) اسپرٹ کے ساتھ قائم ہو سکا!

یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا میں دین و دنیا کی کشمکش آج بھی بدستور جاری ہے!! یہاں مصنفین اور ارتقائی فکر کے حاملین اس کشمکش میں اسی قدر اور اسی نوعیت سے حصہ لے رہے ہیں۔ جتنا اور جس طرح وہ مغربی افکار سے متاثر ہوتے ہیں۔

چنانچہ کچھ لوگ مذہب پر براہ راست اور کھلم کھلا حملہ آور ہیں۔ اور صاف صاف کہتے ہیں کہ مذہب تاریک دور کی خرافات ہے۔ اسے آج کے روشن دور میں باقی نہ رہنا چاہیئے مگر بعض اصحاب میں اتنی جرات نہیں کہ وہ مذہب پر کھلم کھلا حملہ آور ہوں۔ چنانچہ وہ رجعت اور اہل مذہب کے خلاف محاذ بنا کر اس راہ سے مذہبی افکار پر حملہ کرتے ہیں۔

اور الحاد و بے دینی کے طعنے سے بھی بچ جاتے ہیں! اب یہ لوگ یہ نہیں کہتے۔ کہ — رنوز باللہ! یہ اللہ کا قصور ہے کہ وہ عورت کو حکم دیتا ہے کہ وہ صرف اپنے محرم کے سامنے زینت اختیار کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا کہیں تو عوام کے غیظ و غضب کا شکار ہو جاتیں۔ بلکہ وہ اسی بات کو رجعت پسند اہل مذہب کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔

ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ — رنوز باللہ! اللہ خطا کار ہے کہ اس نے فواحش کو حرام قرار دیا۔ اور غیبی تعلقات کی صورت شرعی نکاح کی صورت میں اجازت دی — بلکہ

وہ کہتے ہیں کہ یہ اخلاق کے رجحان اصول ہیں۔ جنہوں نے آزادانہ جنسی تعلقات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور اس پرانے اخلاق کو اب ختم ہو جانا چاہیے!

ان اھماک میں سے کچھ یہ کہتے ہیں کہ مذہبی اصول ویسے تو بڑے بلند اور بہترین اصول ہیں لیکن مذہبی قوانین تمام کے تمام ایک خاص دور اور خاص قسم کے حالات کے لئے تھے۔ جواب بل چکے ہیں۔ لہذا مذہب کی اصل روح کو تو باقی رکھا جاتے۔ مگر حیات واقعی پر حکم اثر شریعت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ اس طرح مذہب کے بلند اصول اور انکار عالیہ بھی باقی رہ جائیں گے۔ اور وہ تغیر پذیر اور نوبہ تو بدلتی ہوتی زندگی سے متصادم بھی نہ ہوں گے۔ بلکہ لوگ مذہبی روح کے زیر اثر اپنی ارتقائی زندگی کے راستے پر چلتے رہیں گے!

کچھ لوگ سرے سے مذہب کا نام نہیں لیتے۔ بلکہ مذہبی افکار کو ایسے اجتماعی، فکری، سیاسی اور معاشی اصولوں کے طور پر زیر بحث لاتے ہیں۔ جیسے ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو۔ پھر ان اصولوں کو یہ کہہ کر نکلتا اور بیکار بتاتے ہیں کہ یہ اصول موجودہ دور میں نہیں چل سکتے اور نہ ہی علمی اور تہذیبی ارتقاء کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ غرض اس طرح مذہب کا نام لئے بغیر مذہبی اقدار کا مذاق اڑا کر ان کے اثر کو باطل کیا جاتا ہے!

اس گردہ میں ایسے حضرات بھی موجود ہیں۔ جو اپنے ارتقائی افکار کو مذہب کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں مذہب میں ہر دور اور ہر زمانہ کا ساتھ دینے کی صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں اختلاط مرد و زن بھی جائز، آرائش نسوان بھی حلال و طیب اور آزادانہ جنسی تعلقات بھی روا ہیں۔ ان کے نزدیک دینی افکار اور مذہبی نصوص پر تنقید بھی درست ہے۔ تاکہ غور فکر کے بعد ان سے استفادہ کیا جاسکے! ان کے خیال میں اس میں کوئی قباحت نہیں کہ مذہب کے کچھ اصول نکال کر ان کی جگہ نئے قوانین رکھ دیتے جائیں۔ کیونکہ لوگ اپنے دنیاوی معاملات میں زیادہ باخبر ہیں! دوسرے الفاظ میں یہ حضرات ارتقاء اور تجدید کے نام پر مذہب کا آپریشن کرتے رہتے ہیں!

کچھ فریب خوردہ اور گراموں کا ٹولہ ایسا بھی ہے جو پورے خلوص دل سے چاہتا ہے کہ
مذہب کی تجدید کر لی جائے۔ تاکہ مذہب موجودہ دور میں چل سکے۔ اور طاق نسیاں میں
نہ پڑا رہ جائے!

☆ ☆ ☆
رہ گئے جمہور عوام، تو ان کا حال یہ ہے کہ وہ ان دانشوروں کے ان تمام خیالات
سے متاثر ہوتے ہیں۔ جو ان کے ذہنوں میں کتابوں، افسانوں، ڈراموں، خبروں، صحافت
تصاویر، ریڈیو، سینما اور ٹیلی ویژن کے ذریعے انڈیلے جاتے ہیں۔ پھر یہ خیالات شعوری یا
لا شعوری طور پر مذہبی افکار سے ٹکراتے ہیں۔ تو اس کے مختلف نتائج برآمد ہوتے ہیں —
چنانچہ کچھ لوگ قطعاً مذہب سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ مذہب کو اپنے ذاتی جذبات
تک محدود کر لیتے ہیں۔ چنانچہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اور زندگی میں زندگی
کے جدید تصورات کے ساتھ شامل بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کی لڑکیاں گھٹنوں سے اونچے اسکرٹ
پہنتی ہیں۔ اور نوجوانوں سے ملتی جلتی ہیں۔ تاکہ وہ زمانہ کی رفتار کا ساتھ دے سکیں!

کچھ دوسرے لوگ مذہب کے بعض تصورات پر جاتے ہیں اور زندگی کی ہر
حرکت کو مذہب کے ضوابط خیال کر کے اس کا مقابلہ کرتے ہیں — اور انہی میں سے کچھ
حضرات ایسے بھی ہیں جو حیران دہن پریشان کھڑے ہیں۔ اور کوئی راہ عمل انہیں سمجھاتی نہیں دیتی!

☆ ☆ ☆
اس بحث کا تعلق دراصل اس مسئلہ سے ہے کہ ترقی — کس قدر مذہب کے مخالف ہے
میں نے اپنی سابقہ کتابوں میں اس موضوع پر اجمالی تبصرہ کیا ہے۔

پہلے تو میں نے اپنی کتاب سیرت رسول کی جھلکیاں کے باب ۱۴ میں اپنے دنیاوی مسائل
سے زیادہ واقف ہوئے ہیں اس موضوع پر براہ راست کلام کیا۔ اور انسانی زندگی میں یکسانی
دارتکار کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے۔ اس سلسلہ میں اسلام کا موقف بھی واضح کیا۔

پھر میں نے اپنی کتاب کشمکش روایات کے دو ابواب میں تغیر و ارتقاء کے مغربی مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بتایا کہ اس مفہوم میں کس قدر سچائی ہے۔ اور کتنا جھوٹ شامل ہے نیز اس تصور نے مغربی زندگی پر کیا اثر ڈالے اور کس طرح مغربی سامراج کے ساتھ یہ متعدی بیامی مشرق میں پھیل گئی!

اس کے بعد ”مطالعہ نفسیات“ میں ایک مستقل باب انسانی وجود میں عدم تغیر و ارتقاء کے زیر عنوان تحریر کیا۔

مگر میرا جی چاہتا تھا کہ میں اس موضوع کو خاص طور سے زیر بحث لاؤں۔ چنانچہ میں نے یہ کتاب تحریر کی اور اس میں موضوع کا ہر پہلو سے جائزہ پیش کیا۔ یہ کتاب دراصل چار اہم مسائل پر مشتمل ہے۔

۱۔ تغیر و ارتقاء کے مغربی معنی اور مفہوم۔ اس کے اسباب اور مغربی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات!

۲۔ انسانی فطرت کے کون سے پہلو متغیر ہیں اور کون سے غیر متغیر اور عدم ارتقاء ہیں؟

۳۔ ”انسان“ کا اسلامی مفہوم۔ اور ارتقاء کے بارے میں اسلام کا موقف۔

۴۔ ”تہذیب“ کا مغربی اور اسلامی تصور۔ اور یہ دونوں تصور انسانیت کے مستقبل کی نشاندہی کرتے ہیں۔

یہ موضوع کافی وسیع اور اس میں زیر بحث آنے والے مسائل خاصہ اہم ہیں حقیقت میں اس موضوع پر انسانی فکر کے تمام گوشوں اور حیات انسانی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل بحث ہونا چاہیے۔

اتنی طویل گفتگو تو شائد نہ ہو سکے۔ مگر یہ بھی بہت ہے کہ بنیادی موضوع پوری طرح زیر بحث آجائے بلکہ اس سلسلہ میں راہ فکری اگر روشن ہو جائے۔ تو بے غنیمت ہے۔ اگر میں اس مقصد میں کامیاب ہو گیا تو یہ میرے اللہ تعالیٰ کی توفیق ہوگی بیشک ہر حال میں حمد ثنا کا مستحق ہے۔

(محمد قطب)

دور ارتقاء

قرون وسطیٰ میں مغربی زندگی پر تو پوری طرح جمود طاری تھا مگر اسلامی دنیا میں زندگی بہت زیادہ تیز رفتار تھی لہذا بہت آہستہ غیر متزلزل پذیر کیانی و سکون کی جانب آتی چلی گئی۔ مغرب میں غیر اتقائی مفہوم مذہب اور اس وقت کے مستحکم معاشی اور اجتماعی نظام کے مفہوم کے متوازی تھا۔

مذہب کا کلیسائی مفہوم یہ تھا کہ عقیدہ خدا اور بندے کے درمیان تعلق قائم رکھے اور عملی زندگی کے معمولی سے حصہ پر اثر انداز ہو۔ رہ گئی باقی زندگی تو وہ رومی قانون کی دفعتاً اور جاگیرداروں کی خواہشات کے زیر سایہ چل رہی تھی۔ گویا زندگی پر ایسے بت پرستانہ اصول حکمراں تھے جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ظاہر ہے اگر عقیدے کے یہی کچھ معنی ہوں کہ اللہ پر اعتقاد، اس سے وجدانی تعلق اور اس کی روحانی عبادت۔ تو اس معنی میں عقیدہ عدم ارتقائی کیونکہ وجدانی لحاظ سے اللہ بھی غیر متغیر ہے۔ اور اللہ کے شعور کا وجدانی اسلوب بھی اپنے اندر عدم تغیر اور عدم ارتقاء رنگ لئے ہوتے ہے۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ مذہب اپنے مغربی کلیسائی مفہوم میں بعینہ وہی مذہب تھا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا اور یہ مذہب واقعی زندگی پر بھی اس طرح حکمراں تھا جس طرح لوگوں کے وجدان پر اس کا تسلط تھا۔ اور یہ مذہب جہاں لوگوں کی انفرادی عبادتوں میں رہنمائی کرتا تھا۔ وہاں انھیں معاشی اور اجتماعی قوانین بھی دے رہا تھا۔ اگر

ایسا بھی ہوتا۔ اور اس کے باوجود مغربی حکومتیں اس کو عملاً نافذ نہ کرتیں۔ تو ہمارے لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس وقت مذہب کی کیا شکل ہوتی۔

اں ہم یقینی طور پر اور تاریخی لحاظ سے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کا کردار ایسا نہیں تھا۔ اسلام نے طویل عرصہ تک اپنے آسمانی مفہوم کو محفوظ رکھا جس میں وہ وجدان اور عملی زندگی پر یکساں حکمراں تھا۔ اور باوجودیکہ دوراموی کے بالکل شروع میں اسلامی حکومت میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ مگر اسلام کبھی بھی معاشرے سے علیحدہ نہیں ہوا۔

زندگی سے اسلام کا رشتہ بالکل آخر میں آکر اٹھارویں صدی میں پولین کے حملے کے بعد ٹوٹا ہے۔ اس کے بعد تو اسلامی دنیا پر بہت صلیبی حملے ہوئے۔ فرانس، انگلینڈ، بلجیم، الینڈ اور جرمنی نے مسلمانوں پر حملے کئے اور آخری حملہ سیاسی اور معاشی سامراج کی شکل میں امریکہ نے کیا۔ ان سب کا مشترکہ مقصد اللہ کے قانون کو نافذ کرنے والی اسلامی حکومت کو ختم کرنا تھا اور وہاں خاص طور پر غیر اسلامی قانون کا نفاذ تھا۔

اسلام جہاں بھی گیا۔ اس نے زندگی کو حرکت دے کر اسے ارتقار کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ اور حرکت و ارتقار کی علامتیں زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہو گئیں۔ جزیرہ نمائے عرب کی معاشی اور اجتماعی زندگی میں اسلام نے زبردست حرکت پیدا کی۔ اسلام نے عرب جاگیریں اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں ختم کر کے انہیں ایک مضبوط محکم اور ایک مرکزی قوم میں تبدیل کر کے اس ساری قوم پر ایک قانون نافذ کیا جو بالآخر قومی وحدت کی تقویت کا سبب بنا اور جو ممالک پرانی تہذیب کے حامل تھے۔ اسلام نے ان کے عوام کو بت پرستی سے نجات دلا کر ایک اللہ کی عبادت کی جانب متوجہ کیا۔ اور جب یہ لوگ حکمرانوں کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ تو اس آزادی نے زندگی کے متعدد گوشوں میں نکھار پیدا کر دیا۔

اسلام کی پیدا کردہ معاشی حرکت بھی عظیم اور ہمہ گیر تھی۔ جس کے نتیجہ میں وہ معاشرہ جو غلامی اور چرواہوں کا معاشرہ تھا۔ وہ اسلام کے زیر سایہ بین الاقوامی معیار پر زندگی تجارتی

اور صنعتی معاشرہ بن گیا۔ اور اسلام معاشرے کی کسی ایک معاشی حالت پر جمود کے بالمقابل رکاوٹ بن گیا۔ اسلام نے ایسے معاشی اور اجتماعی قوانین وضع کئے جس نے افراد اور خاندان کو کسی ایک اجتماعی اور معاشی وضع پر جامد نہیں رہنے دیا۔ اسلام میں یورپ کی طرح نہ کوئی طبقاتی نظام تھا۔ اور نہ ایسے پیدائشی اثرات (Lords) تھے۔ جو خود بخود زمین، مال و دولت اور اجتماعی مرکز کے مالک بن کر قوم کے لیڈر بن بیٹھیں! بلکہ ایک کھلا ہوا معاشرہ تھا جس میں کوئی شخص ترقی کی بام عروج پر بھی پہنچ سکتا تھا اور منزل کے ادنیٰ درجے پر بھی آسکتا تھا تا آنکہ وراثت بھی جمع شدہ دولت کو تقسیم کرتا رہتا تھا۔ اور اس عمل سے دولت کسی ایک فرد یا خاندان میں نہ رہتی تھی۔ تجارت بھی کسی کو دو متمند بناتی اور کسی کو تنگ دست۔ جس کی بدولت نہ کوئی مالدار ہمیشہ مالدار رہتا۔ اور نہ کوئی غریب ہمیشہ غریب رہتا۔ بلکہ حالات کی ہر گردش غربت و امارت کی تبدیلی بن جاتی تھی۔ اور صنعت نے کچھ ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے۔ جو قطعی طور پر گریز کی دولت اور اس کے تعلقات سے مختلف تھے۔ اس طرح پورے عالم اسلامی میں حرکت و ارتقاء کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔

فتوحات و غزوات بھی اسلامی تاریخ میں ایک زبردست حرکت کا سبب بنے۔ لشکروں کی پیش قدمی کے ساتھ افکار اور تہذیبیں بھی ہم رکاب ہوتی تھیں! ہر فتح سے ایک نئی حرکت جنم لیتی اور ہر حرکت اپنے جلو میں فاتح اور مفتوح دونوں کے لئے زندگی کے ثمرات لئے ہوئے آتی۔ جن سے نوع بنوع اجتماعی، معاشی اور سیاسی افکار ابھرتے۔ اسلام کا رنگ ان سب افکار پر غالب ہوتا!

اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کی قائم کردہ وہ علمی تحریک تھی جو تاریخ کی سب سے گراں قدر علمی تحریک خیال کی جاتی ہے۔ اس تحریک نے بہت کچھ لیا اور بہت کچھ دیا۔ اس نے اقوام کو نشوونما عطا کیا۔ اور یہ تحریک تاریخ عالم میں ترجمہ و تصنیف کی ایک عظیم الشان تحریک تھی جس میں مدارس اور کتب خانے قائم کئے گئے۔ اور تجربی و فلسفہ اور نظری اور تجسربی

علوم میں نہایت گراں قدر کام ہوا۔

جس تجربی اسکول پر آج سارے علوم کام کر رہے ہیں یہ مسلمانوں کا قائم کردہ ہے۔ اس کو آج جغرافیہ، فلکیات، طب، کیمیا، طبیعت غرض زندگی کے ہر رخ میں نہایت بڑے پیمانے پر اپنایا جا رہا ہے۔

اسلام اس بے پناہ فعال ماحول، اور ارتقائی فضا میں آگے بڑھ رہا تھا۔ جب یورپ اپنے جمود میں از سر تا پا ڈوبا ہوا تھا۔

اور جب اسلامی دنیا کی طاقت بالکل ہی ختم ہو گئی (جس کا سبب یہی تھا کہ مسلمان اپنے اصل محرک (اسلام) سے دور ہو گئے) جب بھی مسلمانوں میں اس تدرجی حرکت اور ارتقاء موجود تھا کہ اس نے صلیبی دور میں یورپ کی تاریکیوں میں روشنی کی شمع فروزاں کر دی اور یہی روشنی یورپ کو تاریکیوں سے باہر لے آئی۔

صلیبی جنگوں میں یورپ کو تاریخ کی عظیم الشان تحریک یعنی اسلام سے واسطہ پڑا اور اسی کی کچی کھچی زندگی سے استفادہ کر کے یورپ نیند سے بیدار ہو گیا۔ اور زندگی اور حرکت کے راستہ پر چل پڑا۔

صلیبی جنگوں کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فائدہ یورپ میں تحریکِ احیائے علوم کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ اور غیاسیوں کو مسلمانوں کے ان تمام علوم کا پتہ چلا جو اصلاً یونانی تھے۔ اور مسلمانوں نے ان میں قابلِ قدر اضافے کئے تھے، یاد مسلمانوں کے اپنے علوم تھے۔

یورپ کی تحریکِ احیائے علوم دراصل لوگوں کو جہالت، خرافات اور دیومالائی انداز فکر سے باہر لانے کا ایک زبردست ذریعہ بنی!

پھر جب یورپ نے صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں کی ایک مرکزی حکومت اور سب پر نافذ ہونے والے قانون کی خوبیاں دیکھیں جس میں جاگیردار کی خواہشات کا کوئی

دخل نہ تھا۔ اور جس میں عدالت، مقننہ اور قوت نافذہ شخص واحد میں اس طرح مرکب نہیں
تھے۔ جس طرح کہ وہ یورپ میں تھے۔ تو یورپ نے بھی جاگیرداری اور قبائلی نظام توڑ
کر قوم اور ملک بنانے کی جدوجہد شروع کر دی!

اور جاگیرداری کے خاتمہ اور غلاموں کی آزادی کے بعد انھوں نے بھی اسی طرح تجارتی
اور صنعتی شہر بنانے شروع کر دیئے۔ جس طرح مسلمانوں کے ساحلی تجارتی شہر تھے۔
غرض مختصر یہ کہ یورپ میں ایک طویل جمود کے بعد حرکت کے آثار نمودار ہو گئے۔

اور حرکت کے یہ آثار اس جمود سے متصادم تھے۔ جو یورپ کی زمین میں اپنی گہری
جڑیں رکھتا تھا۔ کیونکہ ایک طویل عرصہ سے یورپ میں ہر ایک شے غیر اتفاقی اور غیر متحرک تھی
غلام اور جاگیردار سب کو غلامی اور جاگیر صدیوں سے درانت میں ملتی چلی آرہی تھی۔ اور
صاحب اقتدار اہل مذہب نے جمود کو اپنی جگہ پر خوب مضبوط کر دیا تھا۔

زندگی ایک ہی رفتار پر چل رہی تھی۔ عورت مرد اور بچے سب ایک لگے بند سے
طریقے پر اپنی زندگیاں گزار رہے تھے۔ ایک شخص ترا تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا۔ اور اسی سمت
چلنا شروع کر دیتا۔ جس سمت میں پہلا چل رہا تھا۔

نہ جانے والے کے جانے سے زندگی کی رفتار میں کوئی فرق پڑتا اور نہ آنے والے کی
آمد اپنے دامن میں کوئی تبدیلی لاتی غیر اتفاقی طبقاتی نظام میں ہر شخص سانس لے رہا تھا۔ شریف
اپنی جگہ شریف (LORD) تھا۔ عوام اپنے مقام پر عوام تھے۔ اور اہل مذہب اپنی جگہ پر
باعزت تھے۔ کہیں بھی کوئی تبدیلی اور تغیر نہ تھا۔

معاشی، اجتماعی، سیاسی، فکری اور روحانی زندگی صدیوں سے ایک ہی ڈگر پر
چلی آرہی تھی کسی بھی سر کے فکر و شعور کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ ہر شخص یہ خیال کرتا
تھا کہ یہ زندگی ہمیشہ سے اسی طرح چلی آرہی ہے۔ یہ اب بھی غیر متغیر ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ

غیر عورتی پذیر رہے گی۔

زندگی کے اس جمود میں افکار، اخلاق اور روایات بھی جامد پڑے ہوئے تھے۔ جن کے اوپر جامد مذہب کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جو اس جمود میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

* * * * *

جہالت، خرافات اور دیومالائی انداز فکر نے اس قحط کو اور بھی گہیر بنا دیا تھا۔ کیونکہ علم تو عقل و ذہن کی حرکت میں لاتا ہے اور عقل و دماغ کی حرکت عملی زندگی کے متحرک ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر ذہن مسلسل عمل اور حرکت کرتا رہے تو قحط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ زندگی ہمہ وقت متغیر رہے گی۔ اور ہر لمحہ ایک نئی تبدیلی اور ارتقاء کا پیش خیمہ ہر گاہ۔

یورپی کلیسا جہالت کی بنیادوں پر قائم تھا۔ کیونکہ اس کے ظالمانہ اقتدار کو سہتے رہنے کے لئے عوام کا جاہل رہنا ضروری تھا۔ اگر عوام بیدار ہو جاتے تو کلیسا کا اقتدار باقی نہیں رہ سکتا تھا۔

اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے کلیسا ایک طویل عرصے تک جہالت کا تحفظ کرتا رہا اور علم کو نافرمانی، بے دینی اور اللہ کی رحمت سے دُوری کا نام دے کر اس کی مخالفت کرتا رہا۔ یعنی یہی برتاؤ کلیسا نے کورنیکس گیلیلیو، چروانویر و نو اور میراس سائنس دان کے ساتھ کیا جس نے کلیسا کی مقدس جہالت کا پردہ چاک کر کے علم کی روشنی دکھانے کی جرات کی۔

* * *

غرض صلیبی جنگوں کی جھنکار اور ان جنگوں سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کے زیر اثر یورپ آہستہ آہستہ اپنے انتہائی گہرے قحط و یکسانی سے باہر آنا شروع ہو گیا۔ اور بالکل طبعی طور پر حرکت کی بنیاد لادینیت (Secularism) قرار پائی کیونکہ مغربی کلیسا کا مذہب تمام معاملات میں جمود کا رنگ لے رہا تھا۔ اس لئے نئی حرکت

کر لازمی طور پر مذہب سے متصادم ہونا چاہیے تھا۔ اور لفظی طور پر اس نئی تحریک کی بنیاد
لا دینی (SECULAR) ہونا چاہیے تھی۔ کیونکہ مذہب تو حرکت و تغیر کے مخالف تھا!

اور کلیسا کی اقتدار ایک بھوت بن کر لوگوں کے ذہنوں پر چھا گیا تھا۔ کلیسا نے لوگوں
پر لازم کر دیا تھا۔ کہ وہ اہل مذہب کے سامنے جھکیں۔ اور کلیسا نے لوگوں پر میکس اور تان
لگاتے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ لوگوں کو کلیسا کی جاگیروں میں مزدوری کرنا پڑتی اور ان
شکروں میں جبری بھرتی ہونا پڑتا جو کلیسا بادشاہوں سے لڑنے کے لئے تیار کرتا تھا۔
اس غلامی کا ردِ عمل ہمہ گیر آزادی کی شکل میں سامنے آیا۔ اور لوگ یہ خواہش کرنے
لگے کہ کلیسا کے اقتدار کو ختم کر کے نئی بنیادوں پر اچار لٹل کیا جائے۔

حلقی پر تیل کا کام کلیسا کی اس حرکت نے کیا کہ اس نے ساتیں دالوں کو تعذیب و سزا
دی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا۔ اور جس کسی نے اپنی عملی تحقیق سے مقدس دیومالا کی
مخالفت کی وہ ہی مستحق سزا ٹھہرا۔ ظاہر ہے کہ اس کا طبعی نتیجہ یہی ہوتا کہ تحریکِ احیائے علوم
کلیسا کی اقتدار اور مذہب دونوں سے دور ہو گئی۔

زمرہ یہ کہ نشاۃ ثانیہ کی بنیاد لادینی قرار پائی۔ بلکہ اس بت پرستانہ زمانہ اور رومی
روح کو ابھرنے کا بھرپور موقع مل گیا۔ جس پر قرونِ وسطیٰ میں مسیحیت کا باریک سا پردہ
پڑا ہوا تھا۔ جوں ہی کلیسا کی مخالفت شروع ہوتی فوراً یہ بت پرستانہ ذہنیت ابھرتی۔
اور دوبارہ زندگی انکار اور دلوں پر مسلط ہو گئی!

* * *

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سارا عمل بہت مدبرانہ اور مست زنگار رہا۔ کیونکہ
تحریکِ کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ وہ رفتہ رفتہ دلوں میں جگہ بناتی اور مست زنگاری
سے سہلپتی ہے۔ کیونکہ تحریک کو بہت سی شعوری اور غیر شعوری رکاوٹیں دور کرنی پڑتی ہیں
اور اپنا راستہ ہموار کرنا پڑتا ہے۔

وہ انکار جو ایسے پر جوش لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوں جو ہر خطرے کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ اور اپنے راستے سے نہ ہٹیں۔ ایسے انکار بھی کافی عرصہ گزرنے کے بعد عوامی بنتے ہیں۔ تحریکِ حیاتِ علوم بھی صدیوں تک کلیسائی اقتدار سے مزاحم رہی اور رفتہ رفتہ زندگی کو لادینی بنیادوں پر استوار کرتی رہی۔ مگر ابتدا ہی سے یہ تحریک لادینی تھی۔ اور پوری طرح ہیلینیت (HELLENISM) سے مدد حاصل کر رہی تھی۔

* * *

آخر کار تحریکِ حیاتِ علوم اور مذہب میں ایک طویل اور تلخ کشمکش شروع ہو گئی۔ (RENAISSANCE) تحریکِ حیاتِ علوم کے فکری، علمی اور فنی ثمرات نہایت دلکش تھے۔ جن کے نتیجے میں پہلی مرتبہ اہل مغرب کی آنکھیں نورِ علم سے منور ہوتی تھیں۔ پھر یہ تحریک جمود کے بجائے حرکت تھی۔ اور حرکت بجائے خود پسندیدہ اور فطری ہے۔ اس کے علاوہ تحریکِ ایچار کی بنیاد یونانی اور رومی میراث تھی جس کو مسیحیت ختم تو نہ کر سکی البتہ اس پر پردہ ڈالے رکھا۔ تحریکِ ایچار کے لئے یہ تمام باتیں خوش آمد تھیں اور اس امر کے مواقع مہیا کر رہی تھیں کہ تہذیب اور علوم و فنون میں وہ پوری طرح اپنے اثرات چھوٹی ہے مگر اس کے ساتھ ایک دوسرا پہلو عقیدہ کا تھا۔ جو عقیدہ ایک ہزار سال تک لوگوں میں مقبول رہا۔ خواہ اس عقیدہ کی گہرائی کتنی ہی کیوں نہ ہو، عملی زندگی میں اس کے اثرات کتنے ہی سطحی کیوں نہ ہوں اور لوگوں کے اعمال پر اس کی حاکیہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ عقیدہ عوام کے دلوں میں اپنی جگہ بناتے ہوئے تھا۔ اور اس کا اکھاڑنا یا مٹانا آسان نہ تھا۔

یہی وجہ تھی کہ یورپ ایک طویل عرصہ تک دو گانہ عنصر کا حامل رہا۔ ایک طرف مسیحیت تھی اور دوسری جانب ہیلینیت (HELLENISM)؛ کلیسا میں مسیحیت کا فرما تھی تو واقعاتی زندگی پر ہیلینیت کا تسلط تھا۔ اور اگر وہ جدان جدان تھے تو فکرِ ہیلینی تھی۔

اگرچہ یہ دو گانہ عناصر صدیوں چلتے رہے۔ مگر لوگوں کے دلوں میں ایک پوشیدہ جنگ
برپا تھی۔ اور یہ جنگ مذہب کے بجائے میلنیت کے مفاد کو تقویت پہنچا رہی تھی۔ گو بنظر ہر مذہبی
اقتدار عوام کے دلوں میں جاگزیں تھا۔

*

*

آخر کار وہ وقت بھی آگیا۔ جب ڈارون (DARWIN) کے ہاتھوں مذہب سے
آخری کشمکش برپا ہوئی۔

۱۸۵۹ء میں ڈارون نے اپنی کتاب اصل الانواع (ORIGIN OF SPECIES)
اور ۱۸۷۱ء میں اصل انسان شائع کر کے تاریخ کا ایک نیا رخ متعین کر دیا۔

اس سے قبل کلیسا کا مقابلہ کوپرنیکس (COPERNICUS . 1473 — 1543)

گیلیلو (GALILEO . 1564 — 1642) اور چڑاؤ برنولی (1548 — 1600)

سے ہو چکا تھا۔ اور کلیسا ان کو جلا چکا تھا۔ اور ہر قسم کی سزائیں دے چکا تھا۔ کیونکہ

انھوں نے کلیسا کے اس نظریہ کی مخالفت کی تھی کہ زمین آسمان کا مرکز اور انسان کائنات

کا مرکز ہے۔ اگرچہ عوام نے کلیسا کی طرف سے دی جانے والی سزاؤں کو بھیانک خیال کیا۔

مگر پھر بھی انھوں نے ملاحدہ کے خلاف کلیسا کی فتح پر نعرہ ہاتے تھمیں بلند کئے۔

ان واقعات کے بعد ڈارون تیامت بن کر ٹوٹا جب اس نے یہ اعلان کیا کہ انسان

کی اصل حیوان ہے۔ نتیجہ یہ کہ کلیسا نے اسے کافر قرار دیا۔ اور عوام پھر کلیسا کے ساتھ ہو گئے

کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ انسان کی بزرگی اور شرافت چھین کر اسے حیوان بنا دیا جائے۔

مگر جتنے عرصہ ڈارون اور کلیسا کے درمیان جنگ جاری رہی۔ اس دوران عوام کے

نقطہ نظر میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اور عوام نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ مذہب کے نام

پر قائم اس بھیانک اقتدار کے خاتمہ کا یہ نادر موقع ہے۔ چنانچہ لوگ اپنی انسانی شرافت کو

فراموش کر کے آزادی دے دی پر خوش ہو گئے۔ خواہ یہ آزادی حیوانیت ہی کے روپ میں

شہین کی ایجاد صنعتی انقلاب کا سبب بنی جس نے ساری مغربی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ اور یہ انقلاب صرف معاشی اور اجتماعی تعلقات تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوا۔

نئے صنعتی شہر بنے اور رہائے کارخانوں میں کام کرنے کے لئے چاروں طرف سے نوجوان آنے لگے۔ اور اسٹریٹوں نے شہر میں اس ڈھنگ سے رہائش اختیار کی جس سے وہ پہلے سے واقف نہ تھے۔

صنعتی انقلاب سے پہلے کی زندگی پرسکون، منضبط، سست و آدھ گھٹی ہوتی سی زندگی تھی۔ یہ زندگی دیہات اور جاگیرداروں میں یکساں طریقے پر اپنی تمام سختیوں اور دلچسپیوں کے ساتھ گھسٹ رہی تھی۔ کسان زمین کی کھیتی باڑی میں لگے ہوئے تھے اور ان کی بیویاں گھر سنبھالے بیٹھی تھیں اور سوت کات کر بیچا کرتی تھیں۔

خاندانی تعلقات ایک متعین رخ پر قائم تھے۔ کوئی بھی ان تعلقات کو توڑنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

سب ہی لوگ اپنے ذہنوں میں مذہب، اخلاق اور روایات کا ایک متعین مفہوم رکھتے تھے۔ اور خواہ کوئی مذہب کی پابندی کرے یا نہ کرے۔ اور خواہ کوئی شخص عملی زندگی میں مذہبی تعلیمات کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ کرتا رہے۔ مگر کسی کے ذہن میں مذہبی اصول توڑنے کا تصور نہ پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ اس معاشرے میں ہر متعین روش مقدس خیال کی جاتی تھی۔ اور یہ تقدس مذہب سے زیادہ قدیم رسم و رواج کی بنا پر حاصل ہوا تھا۔

جب بے راہ رو نوجوان کوئی اخلاقی جرم کرتے، تو بے ادقات معاشرہ اسے نظر انداز بھی کر دیتا۔ مگر ہر حال میں جرم کو جرم ہی سمجھا جاتا تھا۔

عورتیں کبھی کسی اخلاقی جرم کی ہمت نہ کر پاتیں۔ کیونکہ اگر وہ کسی جرم کا ارتکاب کرتیں تو ہمیشہ کے لئے معاشرے میں ذلیل و رسوا ہو جاتیں۔ اور خوف مذہب بھی جرم کے راستہ

میں رکاوٹ بناتا تھا۔ کبھی کبھی ایک نسل گزرنے کے بعد کسی گاؤں میں کوئی اس قسم کا واقعہ پیش آجائے تو وہ دیگر بات ہے۔

۱ مگر صنعتی انقلاب کے ساتھ حالات تیزی سے بدلنا شروع ہو گئے۔
نئے کارخانے کھلے اور ان میں محنت مند نوجوان جمع ہوتے لگے۔ کیونکہ مشین کے ابتدائی دور میں اسے چلانے کے لئے انسانی طاقت ناگزیر تھی۔
ان کارخانوں میں کام کرنے کے لئے نوجوان بغیر اپنے خاندانوں کے تنہا آتے۔ کوئی بھی مستقل جاتے قیام ملنے سے پہلے اپنے اہل و عیال کو نہ لاتا۔ بلکہ اکیلا ہی اس تجربے سے دوچار ہوتا۔

جاگیرداری کی قید سے چھوٹے ہوتے یہ پرجوش نوجوان جو جاگیردار کی زمین میں پابہ زنجیر تھے۔ اب نئے معاشرے میں آزاد پھر رہے تھے۔

پھر یہ نیا معاشرہ نہ انھیں پہچانتا تھا۔ نہ ان کی کوئی پروا کرتا تھا۔ اور نہ ان کے کسی عمل پر بندش قائم کرتا تھا۔ اور خود ان نوجوانوں کے بھی ایسے شناسا یہاں موجود نہ تھے۔ جن سے یہ شرما تے، یا وہ انھیں ان کے غلط اعمال پر شرم دلاتے۔

سب سے بڑھ کر یہ نوجوان غیر شادی شدہ تھے اور جوانی سے بھرپور تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ اخلاقی عدم استقامت تھا۔ اور حالات کبھی اسی راستے کو ہموار کر رہے تھے۔
اس کے بعد کارخانوں میں کام کرنے کے لئے عورت بھی آگئی۔

جب کہ خانے داروں نے کم اجرت پر مزدوروں سے زیادہ محنت لینی شروع کی۔ اور مزدور اس کے رد عمل کے طور پر ہڑتالیں کرنے لگے اور اس طرح کارخانے دار اور مزدوروں کے درمیانی تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ تو مل مالکین نے یہ کوشش شروع کر دی کہ وہ مزدوروں کی ایسی جماعت بھرتی کر لیں۔ جو اسی اجرت یا اس سے کم اجرت پر مزدوری کر سکیں۔

اسی اثنار میں وہ عورتیں جن کے خاوند شہروں میں آچکے تھے۔ یا جن کو شہروں کی تلاش تھی۔ کیونکہ ہزاروں نوجوانوں کے دیہاتوں سے چلے آنے کی بنا پر عورتیں بغیر مردوں کے رہ گئیں۔

یہ عورتیں مزدوری کی تلاش میں آئیں اور مل مالکین کے پھندے میں پھنس گئیں۔ اور حالات کی مجبوری کے تحت انہوں نے کم تر اجرتوں پر مزدوری کرنا قبول کر لیا۔ اب تاریخ ایک نئے موڑ پر آچکی تھی!

عورت مزدوری کرنے لگی۔ اور بغیر کسی شریک کے اس اجرت کی مالک ہو گئی۔ اگرچہ عورت اس اجرت سے اپنی اور اپنے خاندان کی کفالت کرتی تھی۔ مگر پہلے اسے ملکیت کا اختیار نہ تھا۔ اب اس کے پاس حق ملکیت آگیا۔ پہلے اسے حق تصرف حاصل نہ تھا اب وہ بھی حاصل ہو گیا تھا۔

کیونکہ مغربی معاشرے کی روایات اور قانون میں عورت کو قطعاً یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ مال اور ملکیت میں کوئی آزادانہ تصرف کرنے۔ یا کسی معاملہ میں براہ راست کوئی اقدام کر سکے۔

اس لئے جب عورت کو ملکیت حاصل ہوتی تو وہ حالات کے ماتحت اپنے آپ کو آزاد تصور کرنے لگی۔

اب جب کہ آزاد نوجوان مرد اور عورتیں باہم مل رہے تھے تو وہ آخر قید حبسی انگیزت پر کیوں نہ لبیک کہتے؟

مگر یہاں تک نوبت ایک دم نہیں پہنچ گئی۔ اور نہ ایسا ہونا ممکن تھا۔ کیونکہ دلوں میں بہت سے شعوری، پوشیدہ اور گہرے بندھن ایسے تھے۔ جو بے قیدی اور آزاد روی کے راستے میں رکاوٹ تھے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ تمام بندھن ڈھیلے ہوتے چلے گئے۔



ترقی پذیر سرمایہ داری کے ساتے تلے پروان چڑھنے والی نسل کو ایک ستم کی سیاسی آزادی حاصل ہوگئی۔ جو اس سے پہلے موجود نہ تھی۔

پارلیمان، انتخابات، پیشہ ورانہ قومی اور جماعتی نمائندگی، تقریر، اجتماع، اور قول و عمل کی آزادی، جاگیرداری نظام میں ان میں سے کوئی بھی شے موجود نہ تھی۔

مندرجہ بالا تمام امور تقدم اور حرکت و عمل پر آمادہ کرنے والے آزادی کے بعد مزید آزادی اور حصول حقوق کے بعد مزید حقوق کے حصول پر اگساٹے والے بن گئے۔

اس صورت حال کے تحت لوگ راستے کی ہر رکاوٹ دور کرنے پر آمادہ نظر آنے لگے اور تنہا اقتدار کے مالک بن جانے والے خود غرض لیڈروں کے خلاف جدوجہد کرنے لگے۔ اس کشمکش نے آزادی کے جذبے کو اور نکھارا۔ اور آزادی لوگوں کو ایک شعور سے دوسرے شعور کی جانب اور ایک نکر سے دوسرے نکر کی طرف لے گئی۔ اب عوام کا مطالبہ آزادی زندگی کے ہر میدان میں حصول آزادی تھا۔ حتیٰ کہ جاگیرداری معاشرے کی قائم کردہ اور مذہب کی عائد کردہ اخلاقی قیود سے بھی آزادی کا مطالبہ ہو گیا۔

خانہ دانی بندھن ایک ایک کر کے ٹوٹتے گئے۔

عورت، مرد اور بچے سب کام پر لگ گئے۔

اب لوگوں کے ذہنوں میں اس گھر کا نقشہ باقی نہیں رہا۔ جس کے تمام افراد ایک مقدس دود میں بندھے ہوں۔ خاص آداب مشاعر اور زیادت کی پابندی کیا کرتے تھے۔ یہ گھر اس دیہاتی معاشرے میں بنا کرتا تھا۔ جس میں عورت اپنے ہاتھوں اور اپنے دل سے احساسات کو پاکیزہ بناتی۔ اور جس میں مرد اپنی بالادستی اور اپنے حکم سے ان آداب خانہ کی پابندی کراتا۔ عورت مرد کے یہ دوسرے رابطے افراد خانہ کو باز رکھتے۔ جذباتی ربط کی قیادت ماں کرتی اور عملی ربط مرد قائم رکھتا۔ اور بچے ان رابطوں میں بندھے رہتے۔ اور ان کو توڑنے

کی جرأت نہ کر پاتے۔

گھر کا یہ سارا نقشہ اسی وقت بدل گیا۔ جب عورت مزدوری کے لئے گھر سے نکلے۔
کیونکہ عورت اب جس محنت و مشقت سے دوچار تھی۔ اس میں جذباتی ربط کے باقی رہنے
کا سوال ہی نہ تھا۔

پھر عورت چونکہ معاشی طور پر مستقل ہو چکی تھی۔ اس لئے باپ کی برتری کے بالمقابل
ماں کی بھی بالادستی قائم ہو گئی۔ اور باپ جس عملی ربط کو انفرادی طور پر قائم کئے ہوتے تھے
وہ ٹوٹ گیا۔

اس کے بعد جب بچے مزدوری کرنے لگے۔ تو ان میں قبل از وقت پختگی آنے لگی اور
ان کے بچکانہ مشاعرہ و تباہ ہو کر ان کے منہ سے وجود میں پختہ شاعر ابھر آئے۔ نتیجہ یہ کہ وہ
جذباتی اور عملی دونوں بندھنوں سے بیک وقت آزاد ہو گئے۔

* * *

معاشرے میں بھی قابلِ اعتنا تغیر پیدا ہو گیا۔

تمام اجتماعی، معاشی، سیاسی، اخلاقی، اور فکری تعلقات میں تغیر و ارتقاء پیدا
ہو گیا۔ اور ان میں سے کوئی بھی شے اپنی حالت پر باقی نہیں رہی۔ جو صدیوں سے چلی
آ رہی تھی۔

پہلے فرد کا مقام ایسا تھا۔ جیسے کسی مکان کی اینٹ۔ ایک فرد جاتا تھا۔ دوسرا اس
کی جگہ لے لیتا تھا۔ — مگر اب ایسا نہیں تھا۔

اب عورت و مرد اور بچے — گھر کی زندگی اور گھر سے باہر کی زندگی، غلام
اور آقا — عمل اور اس کے نتیجہ میں آنے والی دولت — عنصر ہر
نئے بدل گئی۔

اور یہ تمام تغیر اس تیزی سے آیا کہ پہلے کبھی تغیر کی رفتار اس قدر تیز نہ رہی تھی۔

پہلے دس بیس اور پچاس سو سال گزر جاتے اور کوئی قابل ذکر تبدیلی نہ پیدا ہوتی۔ اور
سست رفتاری کی بنا پر یہ محسوس ہوتا کہ ہر شے بالکل غیر متغیر اور ارتقا سے خالی ہے۔ مگر صنعتی
انقلاب کے بعد سو پچاس سال کیا معنی صرف دس بیس سال میں نمایاں فرق دونا ہونے لگے۔
نہ مرد کو اپنے گھر میں بالادستی حاصل رہی۔

نہ عورت اب اپنے کو گھر میں مقید اور شوہر کی مرضی کا تابع خیال کرتی۔
بچہ کے پاس اگرچہ چند پیسے ہوتے تھے۔ مگر وہ نفسیاتی بے راہ روی سے دوچار ہو
گیا۔ غرض گھر کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

بغیر کسی عید و تہوار کے لوگ سڑکوں پر اس طرح نکل آتے۔ جیسے تہوار کے موقعوں پر
نکلے۔ اور یہ ازدحام دیہات کے پہلے کے سے ہجوم سے مختلف تھا۔ اب لوگ نہ ایک دوسرے
کو پہچانتے تھے۔ نہ کسی کو دوسرے کی پروا تھی اور نہ اب وہ ایک دوسرے کے تعارف کی
چھٹی پالتے تھے۔

غلام زمین کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ اور کارخانوں اور سرمایہ دار کی غلامی اختیار
کر لی۔ مگر وہ خوش تھا۔ کیونکہ اس کی آمدنی بڑھ گئی۔ اسے جدوجہد کا حق مل گیا۔
اسے اپنے حقوق کے مطالبہ کا حق مل گیا۔ اور اب اس کی تعال اور باذن جماعتیں بن
گئیں۔ اور وہ ایک بھرتی ہوتی سیاسی قوت بن گیا۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دوسرے غلاموں کے ساتھ مل کر ایسی فضا میں رہ رہا
تھا۔ جس کی ظاہری علامت غلامی کے بجائے آزادی تھی۔ اور خاص طور پر اخلاقی پہلو میں
تو آزادی تھا۔

پھر یہ کہ غلام کو اپنے شخصی عمل میں اپنی انفرادیت کا احساس ہو گیا تھا۔ کیونکہ پہلے وہ
دیہاتی ماحول میں بندھے ہوئے اجتماعی عمل کے تابع تھا۔

انفرادیت کے ساتھ ساتھ مختلف جماعتوں کے وجود سے غلام کو اپنی اجتماعیت کا

احساس بھی ہو گیا۔ جب کہ پہلے اس کی کوئی جمعیت نہ تھی۔ بلکہ وہ اس معاشرے میں جس میں اس کی نمائندگی نہ تھی۔ ایک فرد ضائع تھا۔

غرض غلام کا پورا وجود بدل کر رہ گیا۔ اور وہ بالکل سابقہ صورت حال کی ضد بن گیا۔ سیادت اور اقتدار کی نوعیت بھی بدل گئی۔ پہلے اقتدار زمین کی بدولت قائم ہوتا تھا مگر اب دولت کے بل بوتے پر ہونے لگا۔ اب سرداری کا مرکز سکڑ کر محدود مگر زیادہ فعال ہو گیا۔ اور اب سیادت و قیادت کو مزدوروں اور ان کی جماعتوں سے متصادم ہونا پڑتا تھا۔ جب کہ پہلے کے جادو جاگیرداری معاشرے میں اس قسم کی کوئی صورت نہ تھی۔

کاروبار کی نوعیت بھی بدل گئی۔ اب پہلے کی طرح غیب پر اس لگا کر بٹھینا نہیں پڑتا تھا۔ جس طرح جاگیرداری نظام میں بیج بو کر بارش کا منتظر ہونا پڑتا تھا۔

بلکہ اب انسان کا تعامل دیکھی بھالی اشیاء کے ساتھ تھا۔ اور اب وہ جس طرح چاہتا نادہ کو ڈھالتا تھا۔

اب اس کا تعامل مادہ طبعیت کے بجائے طبعیت سے تھا۔ اور اللہ کے بجائے مادے سے تھا۔

غرض ہر شے انقلاب سے پہلے کی صورت سے مختلف ہو گئی۔

* * *

اس تغیر و تبدل میں جب سائنس حصہ لیتی ہے۔ تو تغیر ہمہ گیر ہو جاتا ہے۔

سائنسی ایجادات نے نہایت تیزی سے ترقی کی، اور زندگی کی شکل بدل کر گھڑی

ا مشین، بھاپ کی سواری، موٹر، بجلی اور مشینی صنعت۔ غرض ہر شے بدل گئی۔

سائنسی ایجادات بھی ہمہ گیر تغیر سے دوچار ہیں۔ چند سال اور بے اوقات چند ماہ

نہیں گزرتے کہ تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

سائنس میں جو بھی نئی تبدیلی آتی ہے۔ وہ لازمی طور پر زندگی کی ہر شکل پر اثر انداز

ہوتی ہے۔
ریل کا سفر۔ اس سفر سے قطعاً مختلف ہے۔ جو گھوڑوں اور گھوڑا گاڑیوں کے

ذریعہ کیا جاتا ہے۔

پٹرے کی مشین کی بناوٹ۔ ہاتھ کی بناوٹ سے علیحدہ شے ہے۔

بکلی کوڑے مختلف ہے۔

نئی نئی ایجادات سے بھرپور آج کی سڑک اس سڑک سے جدا گانہ ہے۔ جو اپنی لمبائی
چوڑائی میں یکساں ہی رہتی تھی۔

جدید ترین سامان والا آج کا گھر اس گھر سے مختلف ہے۔ جس میں صدیوں ایک
ہی سا سامان چلتا تھا۔

بلکہ خود سائنسی نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیقات اور جدید
سائنٹفک آلات کی ایجاد کی بنا پر طبیعت، کیمیا، طب، فلکیات، ریاضی اور علم الحیات
میں نظریاتی تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔

اب اس سے بڑھ کر کیا بات ہوگی۔ کہ ساری زندہ کائنات ایک نکلنے سے وجود
میں آتی ہے؟ ہوا میں کڑوڑا ہوائیے جڑوے موجود ہیں جو نظر نہیں آتے، مگر شدید بانی
امراض کا باعث بنتے ہیں؟ پیارے صرت سات نہیں ہیں۔ بلکہ لاکھوں پیارے ہیں جو ہمیں
ا نظر نہیں آتے مگر وہ سورج سے بڑے اور سورج سے زیادہ روشن ہیں؟
ان تمام امور سے تغیر، ارتقاء اور عدم ثبات کا گہرا شعور ذہن میں جاگزیں ہو جائے

ان تمام امور کا نتیجہ ایک ایسی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے دور رخ ہیں۔

پہلا رخ تغیر و ارتقاء اور دوسرا رفتہ رفتہ مذہب سے دوری۔

اب ارتقاء ایک سائنٹفک نظریہ نہیں رہا۔ جس کا ڈارون نے اپنی تجربہ گاہ سے

اور علم الاحیاء کو زیر بحث لاتے ہوئے اعلان کیا تھا۔ بلکہ ارتقاء و تغیر ایک ایسی بیماری بن گیا۔ جس میں عوام اور سائنسدان سب ایک ساتھ مبتلا ہو گئے۔ اور انہوں نے ہر شے کو ارتقاء و تغیر کی عینک سے دیکھنا شروع کر دیا۔

مذہب، اخلاق، روایات، اقدار، افکار، حقائق، معلومات، زندگی، معاشرہ فرد اور معاشرے کے تعلقات، فرد اور حکومت کے تعلقات، مرد کے مشاعر، عورت کے مشاعر، زندگی کے مقاصد —————

ان میں کوئی شے غیر متغیر نہیں رہی۔

بلکہ لوگوں کا رویہ یہ ہو گیا۔ کہ عدم تغیر سے جنگ کرنا ہے۔ اگر کوئی شے از خود نہ بدلے تو اسے زبردستی بدل دیا جائے۔ کسی بھی شے کو جامد اور غیر متغیر نہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ جمود ناموس حیات کی ضد ہے۔ ناموس زندگی صرف تغیر ہے۔ اور جو شے متغیر نہیں ہے وہ ناموس زندگی کے مخالف ہے۔

اب تغیر و ارتقاء کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہونے کی بجائے۔ خود ہی مقصد بن گیا۔ اور لوگوں کو ہر غیر متغیر شے کھٹکنے لگی۔

اب اگر اللہ پر عقیدہ غیر متغیر ہے۔ تو اسے بھی بدل جانا چاہیے معبود بدلے یا طریقہ عبادت! چاہے ہیں طبیعت کی پرستش کرنا پڑے اور خواہ ہیں اپنی ہی پوجا کرنی پڑے مگر تغیر بہر حال ہونا چاہیے۔ عبادت کے روایتی طریقے سے ہٹ کر کسی اور ڈھنگ سے عبادت ہونا چاہیے۔ غرض تغیر ہونا چاہیے۔ کسی طرح بھی ہو!

اگر اخلاق غیر متغیر ہیں۔ تو انہیں بدل کر اخلاق بنانے چاہئیں۔ چنانچہ نفع پرستی، خود پسندی اور خاندانی روابط کا منقطع کر دینا آج کا اخلاق ہے۔

اور اگر روایات ناقابل تغیر ہیں۔ تو ان میں بھی تغیر آ جانا چاہیے۔ چنانچہ عورتوں کو مردوں پر سبقت حاصل کرنی چاہیے۔ بچوں کو بڑوں کے مقابلے پر آنا چاہیے۔ عورتوں اور

مردوں کے لباس بدلتے رہنا چاہئیں۔ فیشن کی کثرت جو کیونکہ فیشن کی کثرت تیز رفتار تغیر کی ضامن ہے۔

یہ تو تصویر کا ایک رخ تھا — اور —

دوسرا رخ یہ ہے کہ معاشرے میں مذہب کا کوئی حقیقی وزن باقی نہیں رہا۔ مذہب کی عمارت تو اسی وقت متزلزل ہو گئی تھی جب لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالی گئی کہ آج کے تغیر و ارتقاء کے دور میں مذہب عدم تغیر اور عدم حرکت کا حامل ہے۔ اور حرکت ہمیشہ سکون سے متصادم ہوتی ہے۔

پھر مذہب بیزاری میں اس امر سے بھی اضافہ ہوا کہ معاشرے کے تمام روابط غیر دینی (SECULAR) بنیادوں پر قائم کئے گئے۔

صرف فکری اجراء ہی لادینی بنیادوں پر استوار نہ تھا۔ بلکہ اس منکر سے جو عملی نظام ابھرا وہ بھی سارا سارا لادینی تھا — چنانچہ —

ترقی پذیر سرمایہ داری نظام سود کی بنیاد پر قائم ہوا۔ اور مذہب سود کو اور سودی کاروبار کو حرام قرار دیتا ہے۔

اگرچہ کلیسا نے سودی نظام کے خلاف کافی احتجاج کیا۔ مگر سرکش سرمایہ داری نے کلیسا کے احتجاج پر کان نہ دھرا، اور اخلاق و مذہب کو بالائے طاق رکھ کر مال و دولت کی منجنازعہ محبت میں یہ نظام آگے بڑھتا گیا۔

مرد و زن کے اشتراک عمل، معاشرے میں اختلاط، مجالس میں شرکت، آسائش کے حصول کے لئے مشترکہ جدوجہد — عورت کی معاشی خود مختاری۔ اور اس کا یہ

خیال کہ وہ اب پاکدامن رہنے کی پابند نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مرد اس کے اخلاق کی بنا پر اسے چھوڑ دے تو وہ اپنی کفالت خود کر سکتی ہے، اور زندگی کی بڑھتی ہوئی دشواریوں کے تحت ایک نوجوان کا گھر آباد کرنے سے پہلے کافی وقت ذہنی اور جسمانی سکون کی تلاش میں خرچ

کرونا — یہ تمام امور لادینی بنیادوں پر قائم ہوتے اور ان ہی پر دوزخ کے آزادانہ جنسی تعلقات کی بنیاد رکھی گئی۔

۱ اہل مذہب کے وعظ و تلقین کے برخلاف معاشرے کی واقعی صورت حال اخلاقی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ اور اخلاق و فضا میں معلق ایسے مثال (IDEAL) بن گیا جس کا عملی زندگی پر کوئی اثر نہ تھا۔

✓ مذہب تو یورپ کے معاشرے میں پہلے ہی زندگی سے علیحدہ تھا۔ اور واقعی زندگی پر اس کا کوئی اثر نہ تھا — اور اب تو صنعتی انقلاب کے پیدا کردہ طوفان میں اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔

✓ سائنس کی بنیاد بھی ابتداء ہی سے مذہب سے بیزاری رہی۔ کیونکہ کلیسا جس مذہب کا حامل تھا۔ اس سے سائنس کو اتنی بھی تقویت نہ ملتی تھی جس طرح اسلام نے بحری اسکول سے عملی فکر کو تقویت عطا کی۔ نہ کلیسا صحیح معلومات دیتا۔ اور نہ ہی کسی اور طریقے سے تقویت دیتا۔ بلکہ کلیسا اور جہالت کو ابھارتا، علم سے جنگ کرتا۔ اور سائنسدانوں کو سزائیں دیتا تھا۔

سائنسی ایجادات کا بھی رخ انسانی فائدے کے بجائے مال و متاع کا حصول تھا یہ جذبہ بھی مذہبی اسپرٹ کے خلاف تھا، مگر مذہب کو راہنمائی کی کوئی قوت حاصل نہ تھی۔ رفتہ رفتہ ایک عام انسان کو بھی یہ احساس ہو گیا کہ اس کی زندگی پر تغیر پذیر اشیاء کا اثر ہے۔ مذہب کا کوئی اثر نہیں ہے۔

سائنس مادی زندگی کی تشکیل کر رہی ہے۔
سیاست سیاسی تعلقات کا تعین کر رہی ہے۔
سرمایہ داری معاشی زندگی کو استوار کر رہی ہے۔
صنعتی انقلاب اور اس کے نتائج اجتماعی زندگی کو ڈھال رہے ہیں۔

اور

ہیلینیت (HELLENISM) فکری زندگی کی رہنمائی کر رہی ہے۔
 اور — مذہب ان سب باتوں سے علیحدہ دل کے کسی گوشے میں معطل پڑا
 ہے۔ شب و روز کی عملی زندگی مذہب کے اثرات کو کم کرتی جاتی ہے اور دل سے اس
 کی عظمت کم کرتی رہتی ہے۔

اب ایک فرد اپنی انفرادی، اجتماعی، عملی، علمی، سیاسی اور معاشی زندگی میں کہیں
 بھی مذہب اور خدا کا احساس نہیں رکھتا۔
 اگر کوئی شخص مذہب بیزار نہیں بھی ہے تو بھی عملی زندگی میں وہ مذہب کو قطعاً
 نظر انداز کرتے ہوئے ہے۔

مگر قصہ صرف مذہب سے روگردانی اور عملی زندگی میں اس کی عدم حاکمیت پر
 ختم نہیں ہوتا — بلکہ ایک بڑا پردہ گرام مذہبی اصولوں کو توڑنا اور صفحہ ہستی سے ان
 کا وجود مٹا دینا تھا۔

یہ پردہ گرام عالمی یہودیت کا تھا۔ جس میں اسے بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔

یہودیوں کو غیر یہودیوں سے جو کینہ اور نفرت ہے۔ وہ اسکو کسی بھی لمحہ فراموش
 نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی منتخب قوم اور باقی قوموں کو کتے سمجھتے ہیں۔
 جن کا فنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔

یورپ کی مسیحیت کے ساتھ یہودیوں کی دشمنی قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے کیونکہ
 مسیحی رومی حکومت میں ان پر بھیانک مذہبی ظلم کتے گئے۔ اور ہر مسیحی معاشرے میں انہیں
 ذلیل کیا گیا۔

اس ذلت کا ایک نمونہ ٹیکسپیر (SHAKESPEARE) کے ڈرامے "بندوق کا تاجر" میں نظر آتا ہے۔ یا اورکزی (ORCZY) کے ڈرامے (SCARLAT P. IMPERIAL) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

جب کوئی مسیحی کسی یہودی سے قرض لیتا۔ تو اس کے ہاتھ سے نہ لیتا۔ بلکہ یہودی کو اچھو کی طرح دور کھڑا کر دیتا۔ اور اسے حکم دیتا۔ "ڈپہ رکھ دے، اور فوراً۔ اے سورابیری نظروں سے دور ہو جا۔" جب یہودی دور چلا جاتا۔ تو مسیحی سردار آگے بڑھ کر وہ رستم اٹھالیتا جو اس نے یہودی سے قرض لی ہوئی!

یہ ایسی ذلت و رسوائی تھی۔ جسے یہودی ذہن فراموش نہ کر سکا۔

جب یورپ کی نشاۃ ثانیہ لادینی بنیادوں پر قائم ہوئی، تو یہودیوں کی مسرت کا ٹھکانا نہ رہا۔ کیونکہ یہ مسیحیت کے ختم کرنے کا بہت بڑا وسیلہ تھا۔ چنانچہ پس پردہ یہودی اپنا کردار ادا کرنے میں لگ گئی۔

جب ڈارون نے اصل انواع اور اصل انسان کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا تو یہودیت نے اس کو بھی اپنی کامیابی سمجھا۔ اور اس نے اندازہ لگا لیا کہ اب کلیسا سے کس قدر سخت ٹکراؤ ہونے والا ہے۔
 "علمائے یہود کے نظم عمل"

THE PROTOCOLS OF THE LEARNED ELDERS OF ZION

میں ہے۔

"ڈارون اگرچہ یہودی نہیں ہے مگر اس کی آراء کی وسیع پیمانے پر اشاعت کر کے ہم مسیحی مذہب کی بنیادی کام لے سکتے ہیں۔"

یہ بات صحیح ثابت ہوئی — اور یہودیت نے ڈارونیت اور مذہب میں منافرت پیدا کرنے کے لئے اپنی کوششیں مرنے کر دیں۔ تاکہ اس طرح آخر کار مذہب کا خاتمہ ہو جائے

کیونکہ یہودی تمام غیر یہودیوں سے عام طور پر اور یورپ کے مسیحیوں سے خاص طور پر نفرت کرتے تھے۔ مگر ان میں انتقام کی قدرت نہ تھی۔

عالمی یہودیت نے نظریہ ڈارون سے خوب فائدہ اٹھایا۔

یہودیت نے اس نظریہ کو اپنے تین علماء کی مدد سے اپنے مفاد کے لئے استعمال

کیا۔ ان تین علماء نے دنیا سے نکل کر کے تین اہم میدانوں۔ عامشیات، اجتماعیات اور

نفیسات کو مذہب دشمن بنیادوں پر استوار کر کے ساری مغربی فکر کو اس رنگ میں رنگ دیا۔ یہ

تین یہودی علماء مارکس، فریڈ اور ڈورکایم ہیں۔

تین یہودی

مارکس - سرائیڈ - ڈور کا کم

یہ صحیح ہے کہ یورپ میں دین و دنیا کی تفریق کا بیج یہودیوں کا بویا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ اس تفریق کی بنیاد تو نشاۃ ثانیہ کی بالکل ابتداء میں پڑ چکی تھی اور نشاۃ ثانیہ میں اگرچہ یہودیوں کا بذات خود کوئی دخل نہ تھا۔ مگر یہ ان کی خواہشات کے مطالعہ سے ہی۔ اس طرح ڈارون کے ہاتھوں جس جنگ کی ابتداء ہوئی۔ اس میں بھی یہودیوں کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر یہودی اس پر بہت خوش ہوتے۔ جیسا کہ ان کے نظم عمل میں مذکور ہے۔ مگر ان تین یہودیوں کا کردار انتہائی اہم ہے۔

پہلے پہل مذہب اور علماء میں تفریق ہوئی۔ پھر مذہب اور مفکرین میں۔ پھر مذہب اور آزادی کے علمبرداروں میں اور پھر مذہب اور معاشرے میں گھس کر نفع حاصل کرنے کی خواہشمند عورت میں انفرادی پیدا ہوا۔ مگر مذہب بیزاری اور اس سے روگردانی کا جذبہ بطور شخصی مزاج کے رہا۔ اور لوگ اس کو اپنا انفرادی معاملہ سمجھتے رہے۔

پھر لوگ اخلاق سے کنارہ کش ہوتے۔ خاص طور پر عینی معاملات میں۔ تو یہ رویہ بھی بطور شخصی مزاج یا بطور ضرورت رہا۔ اور لوگ کوئی نہ کوئی عند پیش کرتے رہے۔

مگر تینوں علماء اس پروگرام کے ماتحت آتے کہ وہ ان تمام امور کو بطور ایک علمی حقیقت کے ثابت کر دیں تاکہ یہ امور شخصی مزاج نہ رہیں۔ جس کے لئے کسی کو اس امر کا جواز تلاش کرنا پڑے۔ بلکہ یہ تمام باتیں علمی ترقی کے عائد کردہ فرائض بن جائیں۔ جس کے لئے کسی جواز کی ضرورت باقی رہے۔ اور نہ کسی عذر کی۔ بلکہ اگر کہیں جواز اور عذر پیش کرنے

کی ضرورت پیش آئے تو وہ مذہب اخلاق اور روایات کی پابندی کرتے دے کو پیش آئے۔ اور مذہبی ہونا ایک ایسی تہمت قرار پا جاتے جس کے لئے کوئی عقلی جواز باقی نہ رہے

یہی وہ اہم کام ہے جسے مارکس (KARL MARX. 1817 — 1883)

فرائڈ (SIGMUND FREUD. 1856 — 1939) اور ڈور کاہم نے اپنے اپنے دائرہ کار میں انجام دیا۔ اور جس سے انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں مغربی فکر بڑی طرح متاثر ہوئی۔

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ مذہب کے کلیسائی مفہوم میں انحراف ہے۔ اسے درست کرنا چاہیے۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ مذہب خود انحراف ہے۔ اسے درست ہونا چاہیے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ موجودہ اخلاق غلط ہے۔ اس میں تصحیح کر لی جاتے۔ بلکہ انہوں نے کہا کہ اخلاق بذات خود زندگی میں کوئی قیمت نہیں رکھتا۔

انہوں نے یہ باتیں شخصی حیثیت میں نہیں کہیں۔ اور نہ ان کی جانب لوگوں کو انفرادی حیثیت میں دعوت دی۔ بلکہ ان خیالات کو علمی مطالعہ، علمی نظریات و حقائق کی شکل میں پیش کیا۔ اور اس پیش کش پر بحث و تحقیق کا رنگ غالب رہا! اس مرحلہ سے اس فتنہ کی ابتداء ہوئی جس سے مغربی معاشرے کو دو چار ہونا پڑا۔ اور جس سے وہ دو چار چلا آتا ہے!

* * *

مغرب جس انحراف سے دو چار ہوا۔ اگرچہ اس کے سارے عوامل پہلے موجود تھے اور یہ اجتماعی معاشی اور فکری عوامل اپنی جگہ پر سخت ترین عوامل تھے۔ جو نظریہ ڈارون اور صنعتی انقلاب کی شکل میں سامنے آئے۔ مگر پھر بھی مذہب و اخلاق کی بالکل تباہی ان عوامل کا لازمی نتیجہ نہ تھی۔

انسانی زندگی میں اجتماعی، معاشی اور فکری ابواب کی بناء پر متعدد درجہ لوگ

مذہب سے دور ہونے اور متعدد مرتبہ اخلاق سے منحرف ہو کر شہوات میں گھس گئے مگر ہر مرتبہ لوگ اس حالت سے واپس آ جاتے تھے۔

مگر اس مرتبہ لوگ گمراہی میں اس قدر دور چلے گئے ہیں۔ گویا انہوں نے دل میں فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اب واپس نہ آئیں گے۔ چاہے کرنے والے کچھ ہی کیوں نہ کر گزریں! کیونکہ پہلے جب لوگ منحرف ہوتے تو بطور شخصی مزاج منحرف ہوتے۔ اور معاشرے میں انحراف خواہ کتنا ہی عام کیوں نہ ہو جاتے۔ مگر لوگوں کے پاس انحراف کے لئے اس سے زیادہ کوئی جواز نہ ہوتا کہ یہ انحراف معاشرے کی روش ہے، مگر انحراف انحراف ہی رہتا اور اسے برا سمجھا جاتا۔

مگر اب گمراہی کے لئے یہودی علماء نے علمی دلائل پیش کر دیئے اور گمراہی کو مزین کر کے اسی کو قابل اتباع حق اور سچائی قرار دے دیا۔ اب گمراہی اور انحراف کی اتباع معاشرے کی روش کی اتباع نہیں رہی۔ بلکہ افضل اور صحیح راستہ کی اتباع بن گئی۔ غرض لوگوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ شیطانی راستہ پر مجبوزانہ انداز میں دوڑتے چلے جائیں۔

تینوں یہودیوں نے فکر کے مختلف پہلو اپنالئے۔ ہر کس نے معاشیات، فراڈنے نفسیات اور ڈرامائیک سے اجتماعیات پر لکھا۔ مگر کئی امور میں یہ تینوں متحد نظر آتے ہیں۔

ان تینوں نے کھلم کھلا ڈارون کے نظریہ کو لیا اور انسان کے بارے میں اس کے مادیت اور حیرانیت کے تصور کو خوب خوب پھیلا کر اس کے مسموم اثرات چھوڑے۔ یہاں نظریہ ڈارون پر تنقید کا موقع نہیں ہے اور نہ یہ تنقید میرے مقاصد میں شامل ہے۔ میرا مقصد تو ڈارونیت کے پیدا کردہ اثرات پر تنقید ہے۔ کیونکہ یہ عملی نظریات

منہیں ہیں۔

مجھے اس تنقید کے لئے جدید ڈارونیت (NEO DARWINISM) کی رائے بیان کر دینا کافی ہے

جدید ڈارونیت ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر ایمان رکھنے کے باوجود انسان کی حیوانیت اور مادیت کا مل پر یقین نہیں رکھتی۔ بلکہ حیاتیاتی، نفسیاتی اور اپنے طریقہ ارتقاء کے لحاظ سے متفرد خیال کرتی ہے۔ اس کے نزدیک انسان اپنے مخصوص انسانی قاعدے کے مطابق ارتقاء پذیر ہے نہ کہ حیوانی طریقہ کے مطابق۔ ہم ان آراء پر کسی دوسرے مقام پر تنقید کریں گے۔ یہاں تو ہمیں صرف تاریخی حقائق پیش کرنا ہیں۔

★

★

نظریہ ڈارون نے انسان کی حیوانیت کا شدید متاثر چھوڑا۔

ڈارونیت جدیدہ کا عالم جولیان ہکسلی (JULIAN HUXLEY) اپنی

کتاب ”دور جدید کا انسان“ MAN IN THE MODERN WORLD میں لکھا ہے

”نظریہ ڈارون کے بعد انسان کا اپنے آپ کو حیوانیت سے بچنا ناممکن نہیں رہا ہے“
اس فکر کو تینوں یہودی علماء نے بڑے وسیع پیمانے پر پھیلا دیا۔

یہاں ایک تاریخی نوعیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نظریہ ڈارون کو اس کی تجربہ گاہ میں مجسوس کر کے اسے مغربی معاشرے اور انسانی فکر پر اپنے اثرات مرتب کرنے سے روکا جاسکتا تھا؟

بیشک اس جیسے نظریہ کو جن حالات میں اس نے جنم دیا، ان کی بنیاد پر اسے مجسوس کر دینا محال تھا۔

طلب ہے۔ وہ اس طرح کہ مسلمانوں کی رسائی جس نظریہ کی جانب ہوتی تھی۔ وہ ڈارون اور
ولاس کے نظریہ ارتقاء سے مختلف چیز تھی مسلمانوں نے جمادات سے لے کر انسان تک مخلوق
کی ترتیب پر ضرور غور کیا تھا۔ مگر انھوں نے ڈارون کی طرح یہ نہیں کہا تھا کہ انسان کی اصل
حیوان ہے۔ انھوں نے نہ انسان کی قدر کم کی۔ اور نہ اس کی خصوصیات سے انکار کیا۔ بلکہ
انسان کے ممتاز ہونے کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی جانب منسوب کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق انسانی
کو زمین میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔

(انسان)

ہیمن

ناشب خدا

اس لئے مسلمانوں نے نظریہ ارتقاء تک رسائی تو حاصل کی مگر یہ نظریہ انھیں بیماری
کی طرح نہیں لگا۔ جس طرح یہ بیماری بن کر مغرب کو چاٹ رہا ہے۔
اس کے ساتھ مسلمان انسان کی انسانیت اور اخلاق پر یقین اور اللہ پر ایمان رکھتے تھے
مگر ان تین یہودیوں کے ذمہ تو مغرب کو ارتقاء کا جنون ہونے کے بعد اسے راست
دکھانا نہیں تھا۔ بلکہ ان کے ذمہ تو یہ تھا کہ وہ اس انحراف کو زیادہ سے زیادہ تقویت پہنچاتی
اور مغرب کے زوال کو زیادہ تیز کر دیں۔

نظریہ ڈارون نے دو تصور دیئے تھے۔

پہلا تصور دائمی ارتقاء اور عدم تغیر کا انکار اور دوسرا تصور انسان کی حیوانیت
اور مادیت۔ اس طرح کہ انسان کی اصل حیوان بتائی۔ اور انسان پر اثر انداز ہونے
والی قوتوں مادی قوتوں میں منحصر کر دیا۔

جواحول یا طبیعت کی شکل میں جلوہ گر ہوں۔ اور روحانی جانب اور خلق اور عمل لطف
ہیں۔ اللہ کے دخل کو نظر انداز کر دیا۔

علا ڈارون کہتا ہے۔ اگر تعبیر ارتقاء میں اللہ کا عمل دخل مان لیا جائے تو وہ ایسا ہے جیسے
کسی خالص میکانیکی نظام میں کوئی خلاف طبیعت عنصر داخل کر دیا جائے۔

تینوں علمائے یہود ماکس، فرائڈ اور ڈور کاہم نے ان دونوں تصورات کو اپنایا ہے۔ یا ان میں سے ایک تصور کو ضرور لیا ہے۔

ماکس کا میدان بحث اگرچہ معاشیات ہے مگر اس نے معاشیات کے بارے میں صرف صلی تحقیقات پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسے ایک مکمل مذہب بنا کر پیش کیا جس میں پوری زندگی کا ایک مخصوص زاویہ نظر سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ اور جس میں ڈارون کے دونوں تصورات موجود ہیں۔ چنانچہ ماکس نے تاریخ کی مادی تعبیر پیش کی جس میں مادی قوتوں کو انسان کے تمام اعمال پر تسلط کر دیا اور انسان کے ہر عمل کو بنیادی طور پر مادی۔ اور انسان کے حیوانی وجود سے صادر ہونے والا بتایا۔ اس کے نزدیک مادی قوتیں (معاشی قوتیں) ہی انسانی تاریخ کا فعال عنصر ہیں ماکس کہتا ہے۔

”لوگ اجتماعی پیداوار میں جو محدود تعلقات قائم کرتے ہیں۔ وہ ان پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ طریقہ پیداوار ہی زندگی کے اجتماعی، سیاسی، معنوی اعمال کی صورت متعین کرتا ہے اور حقیقت لوگوں کا شعور ان کے وجود کا تعین نہیں کرتا، بلکہ ان کا وجود ان کے متاع کو متعین کرتا“ فریڈرک انگلز کہتا ہے۔

”مادی نظریہ کی بنیاد یہ ہے کہ پیداوار اور تبادلہ اشیاء ہی کسی اجتماعی نظام کی اصل بنیاد ہیں۔ اس نظریہ کے ماتحت تمام تغیرات اور بنیادی تبدیلیوں کے اسباب کی تلاش لوگوں کی عقل اور ان کے ادنیٰ حق و انصاف کی اتباع میں نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ اسباب ان تغیرات میں ڈھونڈنے چاہئیں۔ جو طریقہ پیداوار اور تبادلہ اشیاء میں واقع ہوتے ہیں“

مندرجہ بالا قول پوری طرح واضح ہے کہ مادی زندگی میں ادنیٰ حق و عدل کے بجائے طریقہ پیداوار اور تبادلہ اشیاء ہی زندگی کے اجتماعی، سیاسی اور معنوی اعمال کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور تمام بنیادی تغیرات اور تبدیلیوں کے آخری اسباب ہیں۔

مادی انسانی تاریخ مادی تاریخ ہے کسی ہی مشین کی ایک باویا طرہ سے پیداوار

(TOOL OF PRODUCTION) ہی تاریخ بناتی ہے۔ اشتراکیت ادلی

غلامی، جاگیرداری، سرمایہ داری سے لے کر آخری اشتراکیت تک انسانیت جن حالات سے گزری ہے۔ ان سب کا مرجع نئے اوزاروں کی ایجاد اور ذرائع پیداوار کی تبدیلی ہے۔

اجتماعی، سیاسی اور معنوی اعمال انسانی زندگی میں بذاتِ خود کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

یہ اعمال تو دراصل مادی زندگی میں رونما ہونے والے طریقہ پیداوار کا ایک انعکاس ہیں۔

— یعنی انسان اور انسانی زندگی کے مادی وجود کا ایک لازمی نتیجہ ہیں۔

ازلی حق و انصاف انسانی اقدار نہیں ہیں بلکہ حقیقی قدر تو وہ تغیرات ہیں جو طریقہ پیداوار

اور تبادلہ اشیاء پر طاری ہوتے ہیں۔

اگر ہم انسانی زندگی کے لئے کوئی دستور بنائیں۔ تو اسے انسان کے بنیادی مسائل کھانا

رہائش، اور صحت بھوک میں محدود ہونا چاہیئے (مینیفیسٹو =

اعلانِ اشتراکیت)۔

مذہب اخلاق اور روایات مارکس کی نظر میں انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔ اور آسمانی ہدایات

وغیرہ انسانوں کے تراشیدہ اداہم ہیں۔ ساری دنیا کی واحد حقیقت اس کی مادیت ہے۔

اور اللہ، وحی اور رسالت کا تاریخ کی مادی تعبیر میں کوئی وجود نہیں ہے۔

مذہب جاگیرداروں کی بنائی ہوئی ایفون ہے۔ جو وہ غلاموں اور محنت کش طبقہ کو دے

کر انھیں اپنے حقوق کی بازیابی سے روک دیتے ہیں۔ اور وہ اپنے بری حالت پر صبر

کر کے آخری جنت پر راضی ہو جاتے ہیں۔ جس سے جاگیردار نہایت آرام سے غضب کی

ہوتی دولت پر عیاشی کرتے رہتے ہیں۔

اقدار — خواہ وہ اخلاقی اقدار ہوں — مماش حالت کا ایک عکس ہیں۔

۱۔ کارل مارکس کی کتاب "ANTI — DIHRING"

مگر بہر حال اگر اس نظریہ کو مخلص اللہ پر ایمان رکھنے والے، اور انسانیت کی بہتری جاننے والے لوگ لے کر چلتے۔ تو وہ نتائج یقیناً نہ ہوتے۔ جو سامنے آتے ہیں۔

مغربی بنکر پر پہلے بالکل جمود طاری تھا کہ اچانک نظریہ ارتقاء سامنے آیا۔ تو مغربی فکر اپنا توازن کھو بیٹھی اور مغرب ہو گئی۔ اگر اس وقت صحیح رخ پر لانے والے ذہن سامنے آجاتے۔ تو مغربی بنکر مغرب نہ ہوتی۔

مسلمانوں نے اپنے دور میں تغیر و ارتقاء کی ٹھوس واقفیت حاصل کی۔ اور اس نظریہ کو اپنی پوری تاریخ میں ساتھ رکھا۔ مگر کبھی مغرب نہ ہوتے۔

مسلمانوں نے ارتقاء کو اپنے فقہ میں جگہ دی۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ”جس قدر مسائل سامنے آتے گئے۔ ان کے احکام بھی اجتہاد کر لیتے جائیں گے“ چنانچہ فقہاء نے اس فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہاد کے ذریعہ فقہ کرا گئے بڑھایا۔ چنانچہ فقہ لوگوں کی زندگی میں پیش آنے والے تمام واقعات اور حوادث پر مشتمل ہو گیا۔

مسلمانوں نے ارتقاء کو اپنی سائنس میں بھی جگہ دی۔ جیسا کہ امریکی مصنف اپنی کتاب ”مذہب و سائنس کی کشمکش“ میں کہتا ہے۔

”بہیں مسلمانوں کی تصنیفات میں وہ سائنسی آراء پا کر بڑی حیرت ہوتی ہے جنہیں ہم آج جدید کی سائنس خیال کرتے ہیں۔“

عصریاتی کائنات کے بارے میں نظریہ ارتقاء جو جدید ترین خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی درس گاہوں میں اس نظریہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ اس نظریے میں ہم سے آگے تھے۔ کیونکہ وہ اس کو معادن اور جمادات پر بھی منطبق کرتے تھے۔

یہ بات اگرچہ اسلامی انصاف اور اسلامی فکر کے سلسلہ میں کہی گئی ہے۔ مگر یہ ذرا غور

اور نہ صرف یہ کہ یہ اقدار متغیر ہیں۔ بلکہ ان کا سرے سے انسانی زندگی میں کوئی اثر ہی نہیں ہے اور یہ اقدار ہر معاشی حالت کے تغیر کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ کیونکہ معاشی حالت جبری طور پر بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے اخلاقی اقدار بھی ایک خاص شکل اختیار کرتی رہتی ہیں۔ اور جب بھی کبھی انسان کی معاشی حالت میں تبدیلی آتی ہے۔ اخلاقی اقدار بھی لازمی طور پر بدل جاتی ہیں۔

مندرجہ بالا سطور سے ہمیں ایک نظریہ پوری وضاحت سے سامنے آ جاتا ہے۔

اول۔ لادینییت — (SECULARISM)

کیونکہ مذہب مفاد پرستوں کی گھڑی ہوتی کہانی ہے۔ اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوم۔ اقدار اور اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کیونکہ اقدار کا اپنا کوئی ذاتی وجود نہیں۔ بلکہ وہ تو صرف معاشی حالت کا ایک عکس ہیں۔ اور چونکہ معاشی حالتیں بدلتی رہتی ہیں اس لئے اقدار بھی تغیر پذیر ہیں اور اقدار کا یہ تغیر جبری ہے۔ اگر مفکرین اور اہل مذہب اس تغیر کو روکنا چاہیں تو یہ قطعاً ناممکن ہے۔

ڈارون نے ان میں سے نہ کوئی بات کہی۔ اور نہ اس قسم کی کوئی بات اس کے مقاصد میں شامل تھی۔

مگر یہودی عالم نے اس کے نظریے کا مسموم تصور لے کر معانیات کی علمی بحث کے انداز میں ساری زندگی پر پھیلا دیا۔ اور یہ مسموم تصور ہر کس کے ہاتھوں ساری مغربی زندگی پر محیط ہو گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ اولاً روس نے اشتراکیت کو مکمل طور پر اپنا کر عملی شکل میں نافذ کیا۔ اور مذہب کی بیخ کنی کے لئے قتل، جلا وطنی اور قید و بند کے ظلم و ستم کئے۔ اور ہر کاری طور پر اسکول اور کالج میں الحاد کی تعلیم دی۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ مغرب جس نے اشتراکیت کو قبول نہیں کیا۔ اس نے

بھی تاریخ کی مادی تعبیری کو اپنایا۔

مغرب نے تاریخ کی مادی تعبیر کو اپنا کر معاشی پہلو کو زیادہ اہمیت دی۔ تمام انسانی زندگی کی معاشی اور مادی تعبیر کی اور زندگی اور لوگوں کے اعمال میں اقدار کے اثر کو نظر انداز کرنا مغرب نے تاریخ کی مادی تعبیر کو اپنا کر اخلاقی اقدار کو معاشی حالت کے تغیر کے ساتھ تغیر پذیر خیال کر لیا۔

اور مغرب نے واکس سے متاثر ہو کر، مذہب کو زندگی پر اثر مرنے والا آخری عنصر سمجھ لیا! اس حیثیت سے مغربی زندگی ایک ایسے نظام سرمایہ داری کو قائم کرنے کے باوجود جو اشتراکیت کی ضد ہے۔ — فکری، تہذیبی اور انسانی بنیادوں میں اشتراکیت سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔

مان لیجئے — کہ مغرب میں مذہب کو جلا وطن نہیں کیا گیا۔

یہ بھی تسلیم کر لیجئے کہ مغرب میں اب بھی مذہبی لوگ موجود ہیں۔ جو اتوار کو کلیسا جاتے ہیں صلیب گلے میں ڈال کر نماز پڑھتے ہیں۔ اور اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ایک مالک موجود ہے جس نے زندگی اور انسان کو پیدا کیا ہے۔ اور جو تمام امور پر قدرت رکھنے والا ہے مگر اس مذہب کا لوگوں کی واقعی زندگی پر کوئی اثر نہیں ہے۔ کیونکہ ساری معاشی، اجتماعی، سیاسی اور فکری تنظیم اس بنیاد پر ہے کہ مادیت زندگی کی اصل حقیقت ہے۔ مادیت ہی وہ میدان ہے جس میں انسان کو اپنی پوری جدوجہد کرنا چاہیئے۔ اور یاد رہے کہ انسان کی حقیقت ہے۔

پھر مغرب کے معاشرے میں مذہب سے مستفاد اخلاق کا کوئی وجود نہیں ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں، مردوں اور عورتوں کے آزادانہ جنسی اخلاط کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ زندگی کی چین جھپٹ اور کشمکش حیات کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں اور حد سے زائد جنسی لذت کے حصول سے تو یہی مذہب قطعاً نا آشنا ہے۔

یورپ ہو یا امریکہ سارے مغرب میں لوگوں کے ذہنوں میں یہی تخیل جاگزیں ہے کہ اخلاق کے پیمانے بدل چکے ہیں۔ اور صنعتی معاشرے میں اخلاقی تغیر ناگزیر ہے۔ اور اب اخلاق کے اس قدیم معیار کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔ جو مذہب سے مستفاد تھا۔ کیونکہ عورت معاشی طور پر آزاد ہو چکی ہے۔ اور زرعی معاشرے کی عفت کا اب کوئی مقام نہیں رہا۔ غرض مغرب کی زندگی پر تاریخ کی مادی تعبیر ہی حکمراں ہے۔ اور ان ہی دونوں تصورات کے تحت حکمراں ہے۔ جن کے ماتحت مائیں نے معاشیات کی علمی بحث کے پردے میں مذہب اور اخلاق کو تباہ کیا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈارونیت کا مسموم تصور یہودی عالم کے ذریعہ انسانیت کے اکثر پہلوؤں پر حاوی کر دیا گیا۔ اور واقعاتی زندگی میں مذہب اخلاق اور روایات کو منظم علمی شکل میں تباہ کر دیا گیا۔ اب لادینیت شخصی مزاج نہیں رہی۔ بلکہ علم و تحقیق پر مبنی ایک فلسفہ حیات بن گئی۔ جس سے گمراہوں اور منحرفوں کو اپنے انحراف اور اپنی گمراہی کی تائید میں دلائل مل جاتے ہیں۔ اور انھیں لادینی روش اختیار کرنے، اور اخلاق و روایات کے پامال کرنے پر لوگوں کے سامنے کوئی عذر پیش کرنا نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ اس روش کی جانب تیزی سے دوڑ رہے ہیں۔ تاکہ وہ علم و سائنس کے قافلہ میں شریک ہو سکیں

فرائڈ نے ڈارون کا نظریہ ارتقاء تو نہیں یا مگر انسان کی حیوانیت کا تصور پوری طرح اپنایا۔

فرائڈ بھی ہر ماہر نفسیات کی طرح انسان کی ایک غیر متغیر صورت بتاتا ہے۔ اگرچہ اس نے اپنی کتاب (TOTEM AND TABOO) میں فرد کی نفسیات کے ساتھ گروہی نفسیات (MOB PSYCHOLOGY) پر بحث کرتے ہوئے مذہب اور محرمات کو متغیر بتایا ہے اور اس طرح ارتقائی پہلو کو اپنایا ہے۔ مگر وہ انسان کو اس

تصویر میں بھی انسانی پہلو کے بجائے حیوانی پہلو سے پیش کرتا ہے۔
 مارکس نے مذہب اور اخلاق کے لچرین اور ان کے اصل اقدار نہ ہونے پر معاشی
 کی عملی بحث کے ذیل میں گفتگو کی۔ — جب کہ فرائڈ نے انہی امور علم نفسیات میں
 بحث کی۔

فرائڈ کا میدان بحث نفسِ انسانی، اس کے مشاعر اور انفعالات ہیں۔ جو ایک طرح
 سے داخلی دنیا ہے اور اس خارجی دنیا کے عکس ہے جس پر مارکس نے بحث کی ہے۔
 فرائڈ کی نظر میں نفسِ زندگی کا اصل میدان ہے اور اس کی ذاتی ترکیب سے تمام افعال
 اوسکار اور مشاعر جنم لے کر زندگی کے عمل واقعات کا روپ دھار لیتے ہیں۔ گویا فرائڈ
 نے بالکل مارکس کے مقابل پہلو اختیار کیا ہے مگر یہ بات تعجب انگیز ہے کہ مذہب اور
 اخلاق میں فرائڈ بھی انہی نتائج تک پہنچا جن تک مارکس پہنچا۔ اور اس نے بھی انسان
 کی وہ ہی حیوانی تعبیر اختیار کی جس کو مارکس نے اختیار کیا۔

کیا یہ فکری اتحاد صرف اتفاق ہے؟

فرائڈ نے نفسِ انسانی کی جو تصویر پیش کی اگرچہ وہ مذہب اور اخلاق کو لچر قرار دینے
 انہیں زندگی میں اقدارِ اصلی نہ ماننے اور کسی دوسری مادی اور حیوانی شے کا انعکاس قرار
 دینے سے مارکس کے تصور سے ملتی ہے۔ — مگر فرائڈ نفسِ انسانی کو اس گزشتگی میں زیادہ
 ملوث کرنا اور اسے زیادہ تنزل سے ہٹکار کرتا ہے۔

فرائڈ کے نزدیک نفسِ انسانی صرف حیوانی ہی نہیں ہے بلکہ حیوان کا بھی ایک جزرِ یعنی
 جنس ہے اور اس کے نزدیک جنس ہی تمام انسانی افعال پر مسلط ہے۔

انسانی زندگی بعینہ حیوانی زندگی ہے اور اس کی حیوانی جبلتیں اس کے تمام
 اعمال کی نگراں ہیں۔ اور روح کا کرتی وجود نہیں ہے۔ اس حد تک نفسِ انسانی کے بارے
 میں فرائڈ اور مارکس کے تصورات ہم آہنگ ہیں، مگر انسان میں عقل ضرور موجود ہے

نفس کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے۔ اور جس کو شعور کہا جاتا ہے۔ شعور ہی دراصل انسانی قدرات کو کنٹرول کرتا۔ اور حیات واقعیہ کے بالمقابل انسان کا موقف متعین کرتا ہے۔ مگر ذرا دیکھئے۔ انسانی وجود میں عقل اور شعوری ذات (EGO) کا نتیجہ کیا ہے۔ ”طاقت شہوانی۔ (جو فراڈ کی نظر میں نفس کی باطنی حقیقت ہے) اور حقیقت خارجی کے درمیان ذات منافق دھوکہ باز اور موقع کی تلاشی ہوتی ہے۔ جیسے سیاستدان جو حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود عوام میں اپنے مقام کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ اس لئے اقدار تمام کی تمام خرافات اور مضحکہ خیز ہیں۔ اور انسان کے درمیان ایک ایسا پُر فریب تعامل ہیں جن کے بارے میں انسان خود بھی سمجھ رہا ہوتا ہے کہ یہ دھوکہ ہیں۔ اس موقع پر اقدار کے بارے میں فراڈ کی فکر اس سے ہم آہنگ ہو جاتی ہیں اگرچہ دونوں کے دلائل مختلف ہیں۔

مگر فراڈ تعجب انگیز باتیں کہنے میں خصوصیت رکھتا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔ ”انسان کی گہری باطنی حقیقت مرث شہوانی (دھوکہ) طاقت ہی نہیں۔ بلکہ صرف جنسی طاقت ہے۔ مرث جنسیت — اور کوئی انسانی یا حیوانی طاقت نہیں۔ یہاں فراڈ پر تنقید کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ میں پہلے اپنی کتابوں میں تنقید کر چکا ہوں مگر اس کے نفسیاتی نظریے میں ایک حقیقت کی نشاندہی ضروری ہے — وہ یہ کہ مسیحی یورپ میں جنس کو گندہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور لوگ اس کے بارے میں گفتگو سے بھی نفرت کرتے تھے۔ فراڈ نے اصرار کیا کہ وہ نفس انسانی اور اس کے تمام اعمال کی تعبیر مرث جنسی پیرایہ میں کرے گا۔ یہی نہیں بلکہ اس نے اس امر پر بھی اصرار کیا کہ مذہب اور

اخلاق بھی یقینی طور پر جنسی طاقت سے پیدا ہوتے ہیں !!

کیا یہ نکر صرف اتفاق ہے؟!

پوری زندگی جنس سے ابھرتی ہے۔ اور جنس کا ظہور بلوغ کے وقت نہیں ہوتا جیسا کہ جاہل سمجھتے ہیں۔ بلکہ جنس تو پیدائش ہی کے وقت موجود ہوتی ہے۔ اور جب انسان پیدا ہوتا ہے تو وہ بچہ کے چھوٹے سے وجود میں خالص جنس ہوتا ہے۔ !!
بچہ کی ساری حرکات جنس کی غمازی ہوتی ہیں۔

بچہ کا دودھ پینا، انگوٹھا چوسنا، عضلات کو حرکت دینا۔ بول دہرا کرنا، اور ماں سے لپٹنا یہ سب جنسی اعمال ہیں۔ خصوصاً ماں سے لپٹنا ایک ایسا جنسی عمل ہے جس سے انسان کی ساری نفسیاتی زندگی تشکیل پاتی ہے۔ خواہ یہ زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی کیونکہ۔۔۔ بچہ اپنی ماں سے جنسی عشق کرتا ہے۔ پھر جب باپ کو اپنے راستہ میں رکاوٹ پاتا ہے تو وہ اپنے عشق کو مخفی (SUPPRESSED) کر لیتا ہے۔ اس اخفاء (SUPPRESSION) سے بچہ کے دل میں عشقِ مادر کی الجھن (ELECTRA COMPLEX) پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح لڑکی اپنے باپ سے جنسی عشق کرتی ہے۔ مگر ایسے بھی اس عشق کا اخفاء (SUPPRESSION) کرنا پڑتا ہے جس سے اس کے نفس میں عشقِ پدر کی الجھن (ELECTRA COMPLEX) پیدا ہو جاتی ہے۔

اور انہی الجھنوں سے ضمیر، مذہب، اخلاق اور انسانی زندگی کی اقدارِ عالیہ پیدا ہوتی ہیں۔

اور۔۔۔۔۔ ان تمام امور کی بنیاد وہ واقعہ ہے جو انسانیتِ ادنیٰ کو پیش آیا تھا۔۔۔۔۔ وہ یہ کہ۔۔۔۔۔

ابتداءً انسانیت میں اولاد نے اپنی ماں سے جنسی عشق کیا۔ مگر باپ کو اپنے راستہ

میں رکاوٹ پایا۔ تو اسے قتل کر دیا۔ پھر جب اپنے باپ کے قتل پر شرمندگی محسوس کی تو اسوں نے تم کھاتی کہ وہ اپنے باپ کی تقدس یادگار بنائیں گے۔ پھر اسوں نے اس کی عبادت کی۔ اس طرح باپ کی عبادت پیدا ہوئی۔ پھر یہ عبادت طوطم (Totem) کی عبادت بن گئی۔ کیونکہ نفس انسانی میں حیوان باپ کی علامت بن گیا۔ (کس طرح؟) پھر اولاد نے محسوس کیا کہ وہ ماں کے حصول کے لئے آپس میں لڑیں گے۔ جو جائز نہیں ہے۔ (کیوں؟) چنانچہ اسوں نے اپنے درپر ماں کو حرام کر لیا جس سے سب سے پہلی صیغی حرمت وجود میں آئی۔ اور اسوں نے اپنے درمیان جنگ و جدل کے بجائے تعاون و اتفاق کا فیصلہ کر لیا۔ (مگر کیوں؟) جس سے اقدار پیدا ہوئیں۔

یہ واقعہ صرف انسانیت اولیٰ ہی کو پیش نہیں آیا، بلکہ انسانی زندگی پر اس کے اثرات اس وقت سے آج تک موجود ہیں۔

چنانچہ ہر بچہ اپنی ماں سے جنسی عشق کرتا ہے۔ پھر اس عشق کو مخفی ^{SUPPRESSED} کر لیتا ہے۔ اور ماں کے عشق کے اخفار (SUPPRESSION) سے مذہب، اخلاق، اقدار عالیہ اور تہذیب ابھرتی ہے۔ مگر یہ اخفار ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ایسے دائمی نفسیاتی قلق میں بدل جاتا ہے۔ جو انسان کو کسی طرح چین نہیں لینے دیتا۔ سارے مذاہب اولاد کے احساسِ جسم کی مشکل کو حل کرنے میں لگے رہے۔ یہ مذاہب اگرچہ اس تہذیب کے لحاظ سے جن میں یہ ظاہر ہوتے اور وسائل کے لحاظ سے مختلف تھے۔ مگر سب کا مقصد یہی تھا۔ اور وہ باپ کے قتل کے عظیم حادثہ کے ردِ عمل کے طور پر پیدا ہوئے۔ اسی حادثہ سے تہذیب پیدا ہوئی۔ جس حادثہ نے انسانیت کو آج تک چین نہیں لینے دیا۔ انسان کی مندرجہ بالا تعبیر خالص حیوانی تعبیر ہے۔ فرائڈ کی گھڑی ہوتی یہ ساری

کہانی ڈارون کی دنیا کے حیوان سے مستفاد ہے جس میں ڈارون نے بتایا ہے کہ سارے نوجوان بیل اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو باپ کو اپنے راستہ میں حائل پا کر اسے مار ڈالتے ہیں۔ پھر آپس میں لڑتے ہیں۔ اور جو غالب آجاتا ہے وہ ماں کو بھی حاصل کر لیتا ہے اور سردار بھی بن جاتا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ اس کہانی سے مقصود مذہب اخلاق اور روایات کو جنس کی گندگی میں لیتھڑ کر سکی یورپ کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اس طرح کہ مذہب و اخلاق سے جنس کی گندگیاں ٹپکے ہی ہوں!

یہ بھی مقصود ہے کہ جنس سے گندگی کا تصور ختم ہو جائے!

علامتے یہود کے نظم عمل

THE PROTOCOLS OF THE LEARNED ELDERS OF ZION (۱۹۰۴ء میں ہے۔)

”اگر ہم ہر مقام پر اخلاقی انحطاط کی کرشمات کرتے رہیں تو ہمارا غلبہ آسان ہو جائے گا۔ فراتڈ ہم میں سے ہے اور وہ جنسی تعلقات کو اعلانیہ پیش کرتا رہے گا۔ تاکہ نوجوان نسل کی نظر میں کوئی شے مقدس نہ رہے۔ اور وہ اپنی جنسی بھوک مٹانے میں لگ جائے یہی طریقہ اخلاق کے نڈال کا ہے۔“

فی الحقیقت ایک ہی وقت میں دو مقصد سامنے تھے۔ جنس پاکیزہ ہو جائے تاکہ مخفی خواہشیں آزاد ہو جائیں۔ اور نوجوان بغیر ضمیر کی ملامت اور نفس کی مذمت کے جانوروں کی طرح انحطاط کرتے رہیں۔ اور ساتھ ہی مذہب اخلاق اور روایات کی اصل جنس بتا کر ان لوگوں کی نظر میں جنس بنا دیا جائے۔ اور اس طرح مذہب و اخلاق تو جنس کی جگہ آجائیں۔ اور جنس مذہب و اخلاق کا ساتقدس اور پاکیزگی حاصل کر لے! یہاں فراتڈ پر تنقید کا موقع نہیں ہے کیونکہ میں اپنی سابقہ کتب میں تنقید کر چکا ہوں اور ان دیومالائی کہانیوں کا فساد بیان کر چکا ہوں۔ جن پر بغیر کسی علمی سند اور بغیر کسی منطق

کے پوری انسانیت کی تعبیر کی جا رہی ہے۔ یہاں انسانی عمل کی جنسی تعبیر کے بارے میں مندرجہ ذیل حقائق بیان کئے جاتے ہیں۔
 اول۔ فرائڈ نے انسان کی اس حیوانی تعبیر میں ڈارون کے تصورات سے بددلی ہے اگرچہ ڈارون نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی۔ مگر یہودی عالم نے اس کے مسموم تصورات کو وسعت دے کر اور نفسیات کے علمی پردے میں چھپا کر اس کو ساری زندگی پر تسلط کر دیا۔
 دوم۔ فرائڈ نے ڈارون کے مسموم نظریہ کو منطبق کرنے کے لئے، اپنی نفسیات اور تاریخ کی طویل بحث کو چھوڑ کر صرف مذہب اور اخلاق کو منتخب کیا ہے۔ اور مذہب اخلاق کو گزلیوں میں لتھیرنے کی پوری کوشش کی۔ اور انھیں ایسی شکل دیدی جس سے انسان نفرت کرے۔

اس سلسلہ میں اس نے تلمیح و اشارہ کے بجائے نہایت وضاحت سے کام لیا ہے چنانچہ کہتا ہے۔ تصعید (SUBLIMATION) شذوذ (PERVERSION) کی ایک قسم ہے۔ ۱۔

”اخلاق اپنے طبعی معیار پر بھی ایک ظلم ہے“ ۲۔
 ”جیسی کہانیاں دراصل بیٹے ریخ کی باپ (اللہ تعالیٰ) کے قتل کی خواہش ظاہر کرتی ہیں۔ اگرچہ بیٹے نے اپنی اس خواہش کا انخفاء (SEXUAL SUPPRESSION) کر کے اپنے آپ کو قتل کر لیا۔ مگر پھر بھی باپ کی جگہ خود خدا بن گیا۔“ ۳۔ ”تہذیب آزادانہ جنسی نشرو نما کے راستہ میں رکاوٹ ہے“ ۴۔ ”مذہب اخلاق اور تہذیب تمام کے

1:- THREE CONTRIBUTIONS TO THE SEXUAL THEORY. P. 82

2:- THE EGO AND THE ID. P. 80

3:- TOTEM AND TABOO. P. 154

4:- THREE CONTRIBUTIONS TO THE SEXUAL THEORY. P. 85

تمام جنسی اخفار (SEXUAL SUPPRESSION) سے پیدا ہوتے ہیں اور جنسی اخفار
نفس اور اعصاب پر بڑے خطرناک اثرات ڈالتا ہے۔ اور اس طرح نفس الجھنوں اور اضطرابات
سے دوچار ہوتا ہے۔

* * *

ڈورکایم کا موقف فرائڈ کے موقف کے برخلاف ہے۔

ڈورکایم اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ فرد کا نفس وجود اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے بلکہ
اس کے نزدیک اس کے برعکس تصور زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ اس کے نزدیک اجتماعی زندگی
فرد کے شاعر کی شکل متعین کرتی ہے۔ اس لئے نفسیات کی طرح فرد کی نفسیات سے زندگی
کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ نفسیاتی منظر اور اجتماعی منظر میں پوری
طرح فرق محسوس کیا جائے۔ اگرچہ ان دونوں میں کبھی کبھی اتصال بھی پایا جاتا ہے۔

”جماعتی شعور میں پیدا ہونے والے نفسیاتی حالات اپنے مزاج میں ان حالات سے
قطعا مختلف ہیں۔ جو انفرادی شعور میں ابھرتے ہیں۔ وہ حقیقت میں ایک دوسری ہی نوع
کے تصورات ہیں۔ اسی طرح جماعتی عقل انفرادی عقل سے مختلف ہے۔ اور اسی جماعتی عقل
کے اپنے علیحدہ قوانین ہیں۔“ ۱

اجتماعی منکر اور عمل کی اقسام افراد کے ضما تر سے باہر پائی جانے والی ایسی حقیقی
اشیاء ہیں جن کے سامنے جھکنے پر افراد کے ضما تر کو زندگی کی ہر گھڑی میں مجبور کیا جاتا ہے ۲
کیونکہ عمل مشترک (جس سے اجتماعی نظام پیدا ہوتے ہیں) ہم سے ہر فرد کے شعور
کے باہر تکمیل پذیر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نتیجہ ہوتا ہے۔ بہت سے انفرادی ضما تر کا۔ اس لئے

۱ قوانین اجتماعیات۔ تالیف امیل ڈورکایم۔ عربی ترجمہ۔ محمود عام۔ نظر ثانی ڈاکٹر سید محمد بدوی۔ مکتبہ طبع دوم۔ ص - ۱۵

لازمی طور پر عمل اور سرکری بعض اقسام کو مقرر کر دیتا ہے۔ اور یہ وہ اقسام ہوتی ہیں جو ہمارے وجود سے باہر پائی جاتی ہیں۔ اور ہم میں سے کسی فرد کے ارادے کے تابع نہیں ہوتیں۔ ۱۔
”مگر اس طرہیت کا (جو افراد کے داخل نفوس سے اجتماعی ظواہر کی تعبیر کرتا ہے) اجتماعی مظاہر پر انطباق ممکن نہیں ہے۔ الا یہ کہ ہم اس کی طبیعت میں تغیر پیدا کر دیں۔ اس امر پر اجتماعی مظاہر کی سابقہ تعریف ہی دلیل ہے۔ جب کہ اجتماعی مظاہر جو کہ خاص جوہر سے ممتاز ہیں۔ ان کا افراد کے ضماثر پر خارجی دباؤ ڈالتا ہے اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان ضماثر کی تخلیق نہیں ہیں۔“ ۲۔

”اس معنی کے لحاظ سے اور ان ابواب کی بناء پر ہمیں ضروری ہے کہ ہم اس اجتماعی شعور کے بارے میں گفتگو کریں۔ جو انفرادی شعور سے مختلف ہے۔

ہمیں اجتماعی شعور اور انفرادی شعور میں فرق نمایاں کرنے کے لئے اجتماعی شعور کو مجسم شکل میں پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اجتماعی شعور کا اپنا ایک خاص نوعیت کا وجود ہے۔ ہمیں درج ذیل سبب کی بناء پر اس اجتماعی شعور کی تعبیر مخصوص اصطلاح سے کرنی چاہیے اور وہ سبب یہ ہے کہ وہ حالات جو اجتماعی شعور کی ترکیب کرتے ہیں۔ وہ ان حالات سے مختلف ہیں جو انفرادی شعور کی ترکیب کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا اجتماعی مظہر کی تعریف کرنے سے مقصد صرف اجتماعی شعور اور انفرادی شعور کا فرق متعین کرنا ہے۔“ ۳۔
مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ ڈرکایم اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ انفرادی نفسیات، انفرادی طبیعت اور انفرادی وجود سے اجتماعی صفت کی حامل انسانی زندگی کی تعبیر کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک انسانی زندگی کی تعبیر کا ذریعہ افراد کے وجود سے

باہر پائی جانے والی اجتماعی عقل ہے۔

ایک دوسری طرح بھی ڈرکایم کا موقف فریڈ سے مختلف ہے۔

ڈرکایم۔ ہر ماہر اجتماعیات کی طرح اپنی کتاب "قوانین اجتماعیات" میں جماعتوں کے ارتقاء کے بارے میں گفتگو کرتا ہے اور اس امر سے انکار کرتا ہے کہ یہ ارتقاء انفرادی نفس کے کسی عنصر کی جانب منسوب کیا جائے۔

ہم اس منبع کا پتہ لگانے سے قاصر ہیں جس سے اجتماعییت کے سوتے پھوٹتے ہیں سوتے اس کے کہ ہم بہادری کے راستے پر چلتے ہوئے اصل چشمہ کا پتہ لگائیں۔ اس لئے ہمیں اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اجتماعی مظاہر پر غور کریں۔ اور یہ مد نظر رکھ کر غور کریں کہ یہ خارجی اشیاء ہیں۔ اور اگر کسی وقت ہمیں یہ شبہ پیدا ہو کہ ان مظاہر کا انفرادی شعور سے باہر وجود صرف ظاہری ہے۔ تو جوں جوں اجتماعیات کا فن ترقی کرتا جائے گا۔ یہ شک بھی ختم ہوتا جائے گا۔ اور اس وقت لوگ دیکھیں گے کہ کس طرح خارجی اجتماعی مظہر فرد کے داخلی شعور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ۱۔

ڈرکایم اور فریڈ میں مندرجہ بالا اختلاف کو مد نظر رکھتے ہوئے — کیا یہ سمجھ لیا جاتے کہ مذہب و اخلاق میں ان دونوں کی فکری ہم آہنگی صرف ایک اتفاق ہے؟ "لوگ عادتاً خاندانی نظام کی تعبیر ان جذبات و میلانات سے کرتے ہیں جو ماں باپ اپنی اولاد کے لئے اور اولاد اپنے ماں باپ کے لئے رکھتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ نکاح کی تعبیر ان خصائص سے کرتے ہیں جن کو نکاح زوجین اور اولاد کے لئے محقق کرتا ہے اور اسی طرح رنج و الم کی تعبیر فرد کے اس غصہ سے کرتے ہیں۔ جو اسے اپنی مصلحت کو نقصان پہنچنے سے ہوتا ہے۔ مگر معاشی زندگی بالآخر — جیسا کہ ماہرین معاشیات سمجھتے ہیں

اس خالص انفرادی عامل یعنی حصول دولت کی جانب لوٹ جاتی ہے۔ اخلاقی مظاہر میں بھی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ کیونکہ ماہرین اخلاقیات فرد کے اپنے واجبات کو اخلاق کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ یہی حال مذہب کا ہے۔ جس کو لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ان خیالات کی تخلیق ہے۔ جن کو طبعی قوتیں یا عبقری شخصیتیں ابھارتی ہیں۔ مگر اس طریقہ کا اجتماعی ظواہر پر انطباق ممکن نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم ان پر کوئی تغیر کر دیں۔

بعض علماء انسان میں فطری مذہبی میلان کے قائل ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اس میلان کے ساتھ جنسی غیرت والدین کے ساتھ نیک سلوک اور اولاد کی محبت جیسے جذبات بھی ہوتے ہیں۔ بعض مذہب، نکاح اور خاندان کی اسی طرز پر تعبیر کرتے ہیں۔ مگر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ انسان میں یہ میلانات فطری نہیں ہیں۔

گذشتہ رائے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنا ممکن ہے کہ قانونی اور اخلاقی قواعد کا سر سے کوئی وجود ہی نہیں ہے اور اس رائے کے نتیجے میں یہ ممکن نہیں کہ اخلاق کے اس مجموعہ قواعد کو جس کا بذات خود کوئی وجود نہیں۔ موضوع اخلاق بنایا جائے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ ڈرکایم کی نظر میں مذہب غیر فطری ہے۔ اور نکاح، خاندان اور اخلاقی قوانین کا سر سے کوئی وجود نہیں ہے۔

ہم ڈرکایم پر تنقید کرنا نہیں چاہتے۔ اور نہ اس کی اجتماعی عقل پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ جو افراد کے وجود سے باہر ادران کے وجود کے مخالف ہے۔ اور جو ان پر بغیر غرض بلا استعداد فطری تسلط ہے۔

ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کہانی میں کیا حقائق پنہاں ہیں۔

ڈورکایم نے ڈارون کے نظریہ تغیر و ارتقار کو بھی اپنایا۔ اور اسی سے خارجی و باہر کا نظریہ بھی لیا۔ جو سرور کو بغیر ذاتی رغبت کے ارتقار پر مجبور کر دیتا ہے۔
ڈورکایم نے ڈارون سے انسان کی حیوانی تعبیر بھی اخذ کی۔ چنانچہ وہ ہر موقع پر دنیا کی حیوانات سے استشہاد کرتا ہے۔

اس امر پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ اجتماعیت کی جانب میلان انسان کی مودتی جبلت ہے۔ جو تخلیق انسانی کے وقت سے موجود ہے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ ہم اس میلان کو اس اجتماعی زندگی کا نتیجہ سمجھیں۔ جو صدیوں سے ہمارے نفوس پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات جماعتی زندگی بھی گزارتے ہیں۔ اور انفرادی بھی۔ کیونکہ جس مقام پر وہ رہ رہے ہوتے ہیں۔ اس کا مزاج ان کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ اجتماعی زندگی گزاریں یا انفرادی۔

کانت (KANT. 1724 — 1804) کا یہ قول کہ انسان میں پیشقدمی کا فطری میلان موجود ہے۔ صرف مافوق الفطری (METAPHYSICAL) تصور ہے جس کے لئے کوئی واقعی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیونکہ حیوانات کی انواع جن میں ترقی پذیر انواع بھی شامل ہیں۔ نے اپنے تقدم کا کوئی شعور نہیں رکھتا۔ ڈورکایم نے جو کہہ کہا ہے۔ وہ ڈارون نے نہیں کہا تھا۔ مگر یہودی عالم نے اس کے نظریہ کے مسموم تصور کو لے کر اجتماعیات کی علمی بحث کے پردے میں ساری زندگی پر محیط کر دیا۔

اور اپنی اجتماعیات کے بارے میں بحث کے دوران اس امر کا خاص خیال رکھا کہ یہ کہتا رہے۔ کہ مذہب فطری نہیں۔ نکاح فطری نہیں ہے۔ اور اخلاق کی کوئی

قیمت ہے۔ اور نہ کسی ٹھوس وضع پر قائم ہے۔ اخلاق اپنی شکل اس معاشرے سے اخذ کرتا ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے۔ دراصل معاشرہ ہی سارے اجتماعی مظاہر کی بنیاد ہے۔ نہ کہ انسان! *

انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں ان تمام کوششوں کے نتیجے میں مغربی معاشرے میں عظیم تحریکات ابھری۔

ان تینوں یہودی علماء کی تمام تصریحات مندرجہ ذیل نکات پر ہم آہنگ اور متفق ہیں۔

۱۔ مذہب اخلاق اور روایات پر حملہ اور ان کی تقدیس سے انکار کر کے ان کے بارے شکوک و شبہات پیدا کرنا۔

۲۔ اس حملہ کی بنیاد سائنس اور علمی بحث پر مبنی چاہیے۔

۳۔ مذہبی اور اخلاقی اباحت کو ارتقاء کا نام دیا جائے۔

۴۔ اس بات کا پرچار کیا جائے کہ مذہبی اور اخلاقی اباحت ایک جبری امر ہے کیونکہ ارتقاء بھی جبری ہے۔ اس کو کسی طرح نہیں روکا جاسکتا۔

”علماء یہود کے نظم عمل“ (THE PROTOCOLS OF THE

LEARNED ELDERS OF ZION) میں ہے۔

ہم نے ڈارون، مارکس اور نپٹشے کی آراء کو رواج دیکر ان کی کامیابی کا لائحہ عمل

۱۔ نپٹشے ایک جرم فلسفی ہے جس نے ہسٹریا کے دورہ میں انسان ابلی

(SUPERMAN) کے تصور اور خدا کی موت کا اعلان کیا۔ نپٹشے کا انسان

اعلیٰ مسیحی اخلاق کی پابندی سے آزاد ہے۔ کیونکہ یہ ذلیل لوگوں کا اخلاق ہے۔ — اسی وجہ سے

یہودیوں نے نپٹشے کو بھی اپنی صف میں شامل کر لیا۔

تیار کر لیا ہے۔ ان مینوں کے علوم سے غیر یہودیوں میں پیدا ہونے والے اخلاقی دیوالیہ پن سے ہم بخوبی واقف ہیں۔

جی ہاں یہ اخلاقی دیوالیہ پن پیدا ہو گیا۔ اور عوام میں دو بیماریاں سرایت کر گئیں ایک ارتقار کی بیماری اور دوسری مذہب بیزاری اور اخلاق دشمنی کی بیماری !

اخلاقی انحطاط کے سلسلہ میں فریڈ اپنے دونوں ساتھیوں سے زیادہ نمایاں ہے کیونکہ اس کی آراء خاصہ عوامی بن گئیں۔ جب کہ باقی دو — خصوصاً ڈراکایم — کی آراء عوامی سطح سے بلند رہی ہیں۔ مگر ارتقار کی بیماری اور مذہب و اخلاق دشمنی کی بیماری پھیلانے میں کم زیادہ سب کا حصہ ہے۔ اور اس ثالوث کے مینوں بت اپنی جگہ نمایاں ہیں !

فیشن پرستی ارتقار بن گئی۔ جو شے ارتقار کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اسے زبردستی بدل دیا جائے۔ دنیا میں کوئی بھی شے اپنی حالت پر باقی نہ رہنی چاہیے۔ مذہب، اخلاق خدا کا تصور، ہدایات، اقدار، اجتماعی روابط، غرض کوئی شے غیر متغیر نہ رہنی چاہیے۔

ہمیں ارتقار کرنا چاہیے اور جمود سے آزاد ہو جانا چاہیے۔

ہمیں اخلاقی قیود کو توڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ قیود ارتقار میں رکاوٹ ہیں۔ ہم اس اخلاق کی زرعی معاشرے میں پابندی کر چکے ہیں۔ مگر اب ترقی یافتہ صنعتی معاشرے میں ہمیں اس اخلاق سے آزاد ہو جانا چاہیے۔ (مارکس)

ہم نے اخلاقی بندش نفس کی باطنی حقیقت سے جہالت کی بنا پر قبول کی حالانکہ اخلاق انسانی وجود کو تمدن بنانے والا اخفار (superstition) ہے مافروضہ۔ اخلاق کو لوگوں نے اپنی اس نادانیت کی بنا پر اپنا لیا۔ کہ اخلاقی اقدار کی کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ اخلاق ذرائع پیداوار (tools of production) کی تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے۔ (مارکس)

یا اخلاق معاشرے کی حالت کے ساتھ بدلتا ہے۔ (ڈورکایم)

مذہب کو بھی تباہ کر دینا ہے۔ کیونکہ اقلیت کی راہ میں یہ دوسری رکاوٹ ہے، ہمیں

یہ مذہب اپنے آباء سے جہالت، جمود اور پسماندگی کے طور پر ورثے میں ملا ہے۔ اصل میں

یہ مذہب پسماندہ زرعی معاشرے میں توپل سکتا تھا۔ مگر ہم اپنے ترقی یافتہ صنعتی معاشرے میں

اس قسم کی حسدانات برداشت نہیں کر سکتے۔ (زمارکس)

یہ مذہب اس دور کے لئے مناسب تھا۔ جب ہم دیکھتے تھے کہ مذہب کوئی مقدس

شے، اور آسمان سے نازل کردہ ہے۔ اور جب ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ مذہب ایک نقصان

دہ ضرر رساں اور قابل نفرت جنسی انخفا (SEXUAL SUPPRESSION) فراٹ

اور جب ہم جہالت کی بنیاد پر مذہب کو انسانی فطرت خیال کرتے تھے۔ (ڈورکایم)

ہمیں جدید ترقی پذیر اور متحرک معاشرے میں اپنے آپ کو از سر نو تخلیق کرنا چاہیے۔

ہمیں چاہیے کہ بغیر مذہب بغیر اخلاق اور بغیر روایات کے معاشرے کے قدم کے ساتھ

آگے بڑھیں۔ صحیح قدم کا یہی ایک راستہ ہے۔ (علی گڑھ)

یہ سارا فتنہ آزادی نسوان پر مرکوز ہو گیا۔ اور یہ نعرہ بلند ہو گیا کہ عورت کو آزادی

ملنی چاہیے۔

دوستے زمین کی تمام شہر سپد طاقتوں نے یہ سمجھ لیا کہ عورت کی آزادی اور اس کو

بنام سنوار کر باہر نکالنے سے زیادہ اقوام عالم کو ذلیل و خوار کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے

کسی نہ کسی طرح عورت کو گھر سے باہر نکلا چاہیے۔ فحاشی، استقلال، اپنے حقوق کے

حصول، تعلیم، عمل کسی نہ کسی مقصد کے لئے عورت کو گھر سے باہر نکلا چاہیے۔ اور فتنہ انگیز

حالت میں نکلا چاہیے۔

اگر عورت حصول تعلیم، حصول حقوق و عمل کے لئے اس طرح باہر آئے کہ وہ اپنے

بدن کو ڈھلنے ہوئے ہو اپنے اخلاق کی حفاظت کر رہی ہو۔ اس میں گھر عویز جگہ برقرار

رہے۔ اور جب اسے حالات اجازت دیں تو وہ گھر میں بیٹھ جاتے۔ اگر عورت اس طرح باہر آتے تو انسانیت کی تباہی کے لئے عورت کو بے پردہ کرنے کی مشقت کی کیا ضرورت ہے عورت کو اس طرح بے پردہ ہونا چاہیئے کہ وہ مرد کے لئے فتنہ و فریب کا سبب بنے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کیا فائدہ؟

مگر طریتہ کیا ہو؟

طریتہ دعوت ہے

مصنف صحافی اور انسانہ نویس اس مقصد کے لئے لکھیں۔

طریتہ سینما ہے۔

عریاں، مخموش اور فساد انگیز فلمیں بنائی جاتی ہیں۔

طریتہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہے۔

طریتہ فیشن ڈانس ہیں۔

طریتہ سامان آرائش کی ایجاد ہے۔

غرض کسی بھی طرح اجتماعی زندگی کو کوئی ایسی شکل دے دی جائے کہ وہ عورت

کی فتنہ سامانی سے بے پردہ نہ ہو سکے۔ زندگی کا ایک ایسا تصور گھڑ لیا جائے

جو مرد کا بوجھ اٹھانے والی فتنہ پرور عورت کے وجود سے خالی نہ ہو۔ اور ایک

ایسی عملی صورت حال پیدا کر دی جائے جس میں فتنہ پرور عورت کا وجود ناگزیر ہو جائے!

یہ سب باتیں فی الواقع ہو چکی گئیں۔ اور جو طاقتیں انسانیت کی تباہی کے لئے

کوششیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے چین کا سانس لیا۔ پھر

دو عالمگیر جنگوں سے اس صورت حال میں مزید اضافہ ہو گیا۔

پہلی عالمگیر جنگ میں دس ملین اور دوسری عالمی جنگ میں چالیس ملین لوگ

مارے گئے۔!

اور عورتیں بغیر مردوں کے رہ گئیں۔

چنانچہ عورتیں روزی کمانے اور جنس کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئیں۔ جس سے مزید اخلاقی اباحت پیدا ہو گئی۔!

اب مغربی زندگی کا یہ عام طرز عمل ہو گیا کہ عورت روزی کمانے۔ اور عاشق رکھے جو اس کی جنسی تسکین کا سامان بہم پہنچا سکیں۔

یہ ایسا طرز عمل ہے جس پر اب کوئی تنقید نہیں کرتا۔ اور سوائے ایسے مجنوں کے جو مذہب کا اخلاق اور روایات کا وجود مانتے ہیں۔ کوئی اس طرز عمل کو برا نہیں خیال کرتا۔ مجنوں، جاہل، رجعت پسند، گندے لوگ جو قرون وسطیٰ کے ذہن رکھتے ہیں جن کی آنکھوں سے روشنی اچک لی گئی ہے۔ جو گھڑی کی سوئیوں کو پیچھے کی جانب ہٹانا چاہتے ہیں۔ اور جو نہیں جانتے کہ ارتقاء کیا ہے۔ جبری ارتقاء جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ ارتقاء جو بیویں صدی کی پیداوار ہے!

کیا ارتقاء ہی نے بیویں صدی کی موجودہ اجتماعی تشکیل کی ہے؟ ہم اگر اپنی ذاتی راتے سے صرت نظر کر لیں کہ یہ باعزت ترقی ہے۔ یا ذلیل اباحت یہ انسانیت کی رفعت ہے۔ یا اس کا حیوانیت کی حد تک تنزل۔ اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ تہذیب ارتقاء کی پیدا کردہ ہے؟ کیا یہ اجتماعی شکل فی الواقع ایک نئی شکل ہے۔ جسے بیویں صدی کی سائنسی اور تہذیبی ترقی نے جنم دیا ہے؟

اس سوال کے جواب کے لئے تاریخ کی شہادت سنئے!

تاریخ کی گواہی

انسان زندگی کا جو وقفہ گزار رہا ہے۔ اسی کو عظیم اندیمہ خیال کرتا ہے۔ کیونکہ اس وقفہ کی ہر ہر گھڑی اس پر گزر رہی ہے۔ ایک ایک لمحہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ وہ زندگی کے اس وقفہ کو تاریخ کے کسی اور وقفہ سے عظیم تر خیال کرتا ہے۔ یہ امر ہر پہلو انسانی نوعیت کا حامل ہے۔

جس طرح قریب کی اشیاء آنکھ کو بڑی اور واضح نظر آتی ہیں۔ مگر اگر یہ اشیاء چند قدم یا چند میل دور ہو جائیں تو چھوٹی اور غیر واضح نظر آنے لگتی ہیں۔ اسی طرح انسان اپنے ذاتی معاملات کو بڑے اور واضح دیکھتا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے قریب ہوتے ہیں۔ مگر اگر یہی معاملات کسی دوسرے شخص سے متعلق ہوں۔ تو وہ اتنے اہم محسوس ہوتے ہیں۔ اور نہ اس قدر واضح معلوم دیتے ہیں۔ اگرچہ انسان دوسروں کے جذبات میں بھی شریک ہوتا ہے۔ مگر اسے یہ خیال کبھی نہیں گذرتا کہ یہ صورت حال اس کے ذاتی تجربہ سے مشابہ ہے۔

بلکہ ایک ہی انسان جو لمحہ فی الوقت گزار رہا ہوتا ہے وہ اسے زیادہ اہم اور واضح محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لمحہ ابھی گزر رہا ہے۔ اس لئے اس کے احساس، شعور، اور فکر سے قریب تر ہے۔ مگر جب یہ لمحہ گزر کر ماضی میں چلا جاتا ہے۔ تو یہی لمحہ اس کے احساسات میں دھندلا جاتا ہے۔ اور اپنی تمام خوشیوں اور نامرادیوں کے باوجود اس لمحہ سے حقیر ہو جاتا ہے۔ جا بھی ابھی اس کے احساس و فکر کی جولاں گاہ اور زندگی کے

میدان میں داخل ہوا ہے۔

اسی درجہ سے بیسویں صدی کے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ صدی ہر شے میں منفرد ہے
انداز تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

اس لئے کہ اس صدی میں تو وہ رہ رہے ہیں اور باقی سب تاریخ ہے۔ اور
فی الحقیقت بیسویں صدی بہت سے امور میں منفرد ہے۔ اور زندگی کی آج جو
شکل ہے۔ اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ، وہ پہلے کبھی نہ تھی۔

پہلے انسانیت کے پاس نہ راکٹ تھے۔ نہ طیارے، نہ تیر، نہ جار جہاز تھے۔ اور
لمبی لمبی ریلیں۔ نہ ریڈیو۔ نہ سینما اور ٹیلی ویژن تھے۔ اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل
مشینی پیداوار!

یہ سب باتیں درست ہیں۔ مگر ان سے جو نتائج اخذ کئے گئے وہ درست نہیں ہیں
اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آج جن اشیاء کے ساتھ زندگی گزاری جا رہی ہے ان میں سے
مطلقاً کوئی شے پہلے کبھی موجود نہیں رہی ہے۔ اور جو واقعات پیش آ رہے ہیں۔ وہ
تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئے۔!

مگر مشکل یہ ہے کہ لوگ تاریخ نہیں پڑھتے۔
لوگ تاریخ اس لئے نہیں پڑھتے کہ وہ موجودہ دور کے بڑے بڑے واقعات
میں مشغول ہیں۔ جو اس لئے زیادہ بڑے معلوم ہو رہے ہیں۔ کہ وہ آج کے واقعات ہیں۔ لوگ
تاریخ اس غریب میں مبتلا ہو کر کبھی نہیں پڑھتے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ان کا ماضی سے کوئی
رشتہ اور تعلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ آج ہی کی پیداوار ہیں۔ ماضی کے حالات میں کوئی مشابہت
نہیں ہے۔ — اس لئے تاریخ سے کیا عبرت حاصل کی جا سکتی ہے!

اگر کچھ پڑھتے ہیں۔ تو زیادہ سے زیادہ یورپ کے نشاۃ ثانیہ کی تاریخ پڑھ لیتے
ہیں۔ کیونکہ انہیں اتنی خبر تو ہے ہی کہ تبدیلیاں چند دنوں میں نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ تعمیر میں ایک

طویل وقت لگتا ہے۔ اب بیسویں صدی جو بڑی اہم علامات کی حامل ہے۔ اس نے دورِ حیا
میں جنم لیا تھا۔ یعنی چودھویں اور پندرھویں صدی میں۔ اس لئے بیسویں صدی کی ابتدا
کا پتہ لگانے کے لئے تاریخ جدید پڑھی جاتے۔

مگر یہ لوگ بھی دورِ احیاء سے پہلے کی تاریخ کی طرف توجہ نہیں کرتے!
میں یہ بات علماء اور عقلا کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ یہ بات جمہورِ عوام
سے متعلق ہے جس میں آج کل کے ثقافت آشنا بھی آجاتے ہیں۔!

☆ ☆ ☆
ہیں تاریخ پڑھنا چاہیئے۔ تاکہ ہم انسانیت کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں۔ اور ہمارے
سرسے بیسویں صدی کی عظمت کا سودا نکل جائے!
بیسویں صدی جس میں بڑی بڑی مشینیں ہیں۔ مجنوناں دوڑ رہے۔ اور بھیاں تک نپٹنے ہیں!

☆ ☆ ☆
ذرا تھوڑی دیر کے لئے اپنی نظریں ٹیلی ویژن کے پردے سے ہٹا لیجئے۔ چند لمحوں
کے لئے اپنی ذہن سے راکٹ کا تصور دور کر دیجئے۔ اور ذرا دیر کے لئے شاندار سڑکوں
پر دوڑتی ہوئی شاندار کاروں کو بھی بھول جائیے۔ — اداس لڑکی کو بھی نظر انداز کر دیجئے
جو پیرس کے نیشن ہاؤس کے جدید ترین تراش کے کپڑے زیب تن کئے ہوئے ہے۔ —
گھٹنوں کے برابر اسکرٹ، جو بیٹھتے ہوئے مزید تنگ دامانی کی شکایت کرتا ہے۔ — یہ
اسکرٹ پہن کر عورتیں ہر طرح کے بناؤ سنوار کر کے ناز و اندام سے چلتی ہوئی آتیں، اور
جذبات میں لہلہ اور آنکھوں میں حسرت پیدا کر جاتی ہیں۔

آپ بھول جاتیے کہ آپ بیسویں صدی کے نصفِ ثانی میں ہیں — اور
ان کلمات کو سنئے!

”اقوامِ قدیمہ میں سے جس قوم کی تہذیب سب سے زیادہ شاندار نظر آتی ہے وہ اہل

یونان میں۔ اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی نظریہ قانونی حقوق اور معاشرتی دباؤ برعقباً سے عورت کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی۔ یونانی حرافات (MYTHOLOGY) میں ایک خیالی عورت پانڈورا (PANDORA) کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا۔ جس طرح یہودی خرافیات میں حضرت خوالیہ السلام کو قرار دے دیا گیا ہے حضرت خوالہ کے متعلق اس غلط افسانے کی شہرت نے عورت کے بارے میں یہودی اور مسیحی اقوام کے رویے پر جو زبردست اثر ڈالا ہے۔ اور قانون معاشرت، اخلاق ہر چیز کو جس طرح متاثر کیا ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قریب قریب ایسا ہی اثر پانڈورا کے توہم کا یونانی ذہن پر بھی ہوا تھا۔ ان کی نگاہ میں عورت ایک دنی درجہ کی مخلوق تھی معاشرت کے ہر پہلو میں اس کا مرتبہ گرا ہوا رکھا گیا تھا اور عزت کا مقام مرد کے لئے مخصوص تھا۔

تمدنی ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں یہ طرز عمل تھوڑی ترمیم کے ساتھ برقرار رہا۔ تہذیب اور علم کی روشنی کا صرف اتنا اثر ہوا کہ عورت کا قانونی مرتبہ جوں کا توں رہا البتہ معاشرت میں اس کو نسبتاً ایک بلند تر حیثیت دیدی گئی۔ وہ یونانی گھر کی ملکہ تھی۔ اس کے فرائض کا دائرہ گھر تک محدود تھا۔ اور ان حدود میں وہ پوری طرح با اقتدار تھی۔ اس کی عصمت ایک قیمتی چیز تھی جس کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شریف یونانیوں کے ہاں پردے کا رواج تھا۔ ان کے گھروں میں زنانہ خانے مردان خانوں سے الگ ہوتے تھے۔ ان کی عورتیں مخلوط محفلوں میں شریک نہ ہوتی تھیں۔ نکاح کے ذریعہ سے کسی مرد کے ساتھ وابستہ ہونا عورت کے لئے شرافت کا مرتبہ تھا۔ اور اس کی عزت تھی۔ اور بیوا بن کر رہنا اس کے لئے ذلت کا موجب سمجھا جاتا تھا۔ یہ اس زمانے کا حال تھا۔ جب یونانی قوم طاقتور تھی۔ اور پورے دور کے ساتھ عروج و ترقی کی طرف جا رہی تھی۔ اس دور میں خرابیاں ضرور موجود تھیں۔ مگر ایک حد کے اندر تھیں۔ یونانی عورتوں سے اخلاق کی جس پاکیزگی

اور طہارت و عصمت کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔ اس سے مرد متنی تھے۔ ان سے نہ اس کا مطالبہ
تھا اور نہ اخلاقی کسی مرد سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ پاک زندگی بسر کرے گا۔ بیوا طبقہ
یونانی معاشرت کا ایک غیر منفک جزو تھا۔ اور اس طریقہ سے تعلق رکھنا مردوں کے لئے
کسی طرح معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔

رفتہ رفتہ اہل یونان پر نفس پرستی اور شہوانیت کا غلبہ شروع ہوا۔ اور اس دور میں
بیوا طبقہ کو وہ عسرج نصیب ہوا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ زندگی
کا کوٹھا یونانی سوسائٹی کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ طبقوں تک ہر ایک کا مرکز و مرجع بنا ہوا
تھا۔ فلاسفہ، شعراء، مورخین، اہل ادب اور ماہرین فنون غرض تمام سوارے اسی آفتاب
کے گرد گھومتے تھے۔ وہ نہ مروت علم و ادب کی محفلوں کی شہنشاہ تھے۔ بلکہ بڑے بڑے
یاسی معاملات بھی اسی کے حضور میں طے ہوتے تھے۔ قوم کی زندگی اور مروت کا فیصلہ
جن مسائل کے ساتھ وابستہ تھا۔ ان میں اس عورت کی رائے و قیہ بھی جاتی تھی جس کی دو
راتیں بھی کسی ایک شخص کے ساتھ بسر نہ ہوتی تھیں۔ یونانیوں کے ذوقِ جمال اور حسن پرستی نے
ان کے اندر شہوانیت کی آگ کو اور زیادہ بھڑکایا۔ وہ اپنے اس ذوق کا اظہار جن مجسموں
ریا آرٹ کے عریاں نمونوں میں کرتے تھے۔ وہ ہی ان کی شہوانیت کو اور زیادہ ہوا
دیتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ذہن سے یہ تصویر ہی محو ہو گیا تھا کہ شہوت
پرستی بھی کوئی اخلاقی عیب ہے۔ ان کا معیارِ اخلاق آنا بمل گیا تھا کہ بڑے بڑے
فلاسفہ اور معلمین اخلاق بھی زنا اور خشش میں کوئی قباحت اور کوئی چیز قابلِ ملامت نہ
پاتے تھے۔ عام طور پر یونانی لوگ نکاح کو ایک غیر ضروری رسم سمجھنے لگے تھے۔ اور نکاح
کے بغیر عورت اور مرد کا تعلق بالکل معقول سمجھا جاتا تھا جس کو کسی سے چھپانے کی ضرورت نہ تھی
”یونانیوں کے بعد جس قوم کو دنیا میں عسرج نصیب ہوا وہ اہل روم تھے۔ یہاں پھر
وہ ہی آثار چڑھاؤ کا مرتع ہمارے سامنے آتا ہے۔ جو اوپر آپ دیکھ چکے ہیں۔ رومی لوگ

دشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوتے ہیں۔ تو ان کے نظام معاشرت کا نقشہ یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنے خاندان کا سردار ہے۔ اسے اپنے بیوی بچوں پر پورے حقوق مالکانہ حاصل ہیں۔ بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کو بھی قتل کر دینے کا بھی مجاز ہے۔ جب دشت کم ہوتی اور تہذیب و تمدن میں رومیوں کا قدم آگے بڑھا۔ تو اگرچہ قدیم خاندانی نظام بدستور قائم رہا۔ مگر عملاً اس کی سختیوں میں کچھ کمی واقع ہوئی۔ اور ایک حد تک اعتدالی حالت پیدا ہوتی گئی۔ رومی جمہوریت کے زمانہ عروج میں یونان کی طرح پردے کا رواج تو نہ تھا۔ مگر عورت اور جوان نسل کو خاندانی نظام میں کس کر رکھا گیا تھا۔ عصمت و عفت خصوصاً عورت کے معاملہ میں ایک قیمتی چیز تھی۔ اور اس کو معیارِ شرافت سمجھا جاتا تھا۔ اخلاق کا معیار کافی بلند تھا۔ ایک مرتبہ ایک دی سینٹ کے ایک ممبر نے اپنی بیٹی کے سامنے اپنی بیوی کا بوسہ لیا۔ تو اس کو قومی اخلاق کی سخت توہین سمجھا گیا۔ اور سینٹ میں اس پر ملامت کا ووٹ پاس کیا گیا۔ عورت اور مرد کے تعلق کی جائز اور شرفیاء صورت نکاح کے سوا کوئی دوسری نہ تھی۔ ایک عورت اسی وقت عزت کی مستحق ہو سکتی تھی۔ جب کہ وہ ایک خاندان کی ماں (MATRON) ہو۔ بیوا طبقہ اگرچہ موجود تھا اور مردوں کو ایک حد تک اس طبقہ سے ربط رکھنے کی آزادی بھی تھی۔ مگر عام رومیوں کی نگاہ میں اس کی حیثیت نہایت ذلیل تھی۔ اور اس سے تعلق رکھنے والے مردوں کو بھی اچھی نظر سے نہ دیکھا جاتا تھا۔ تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اہل روم کا نظریہ عورت کے بارے میں بدلا چلا گیا۔ اور رنہ رنہ نکاح و طلاق کے قوانین اور خاندانی نظام کی ترکیب میں آنا تغیر رونما ہوا کہ صورت حال سابق حالات کے بالکل برعکس ہو گئی۔ نکاح محض ایک قانونی معاہدہ (CIVIL CONTRACT) بن کر رہ گیا جس کا قیام و بقا فریقین کی رضامندی پر منحصر تھا۔ ازواجِ تعلق کی ذمہ داریوں کو بہت ہلکا سمجھا جانے لگا۔ عورت کو وراثت اور ملکیت مال کے پورے حقوق دے دیئے گئے۔ اور قانون نے اس کو باپ اور شوہر کے اقتدار سے

بالکل آزاد کر دیا۔ رومی عورتیں معاشی حیثیت سے نہ صرف خود مختار ہو گئیں۔ بلکہ قومی دولت کا ایک بڑا حصہ بتدریج ان کے حیطہ اقتدار میں چلا گیا۔ وہ اپنے شوہروں کو بھاری شرح سود پر قرض دیتی تھیں۔ اور مالدار عورتوں کے شوہر عملاً ان کے غلام بن کر رہ جاتے تھے۔ طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھیں کہ بات بات پر ازدواج کا رشتہ توڑا جانے لگا۔ مشہور رومی فلسفی اور مدبر سینیکا (سنہ ۶۵ء) سختی کے ساتھ رومیوں کی کثرت طلاق پر ماتم کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اب روم میں طلاق کوئی بڑی شرم کے قابل چیز نہیں رہی عورتیں اپنی عمر کا حساب شوہروں کی تعداد سے لگاتی ہیں: "اس دور میں عورت یکے بعد دیگرے کئی کئی شادیاں کرتی جاتی تھی۔ مارشل (سنہ ۱۰۲ء) ایک عورت کا ذکر کرتا ہے۔ جو دس فوائد کر چکی تھی۔ چونیسیل (سنہ ۱۳۱ء) ایک عورت کے متعلق لکھتا ہے کہ اس نے پانچ سال میں آٹھ شوہر بدلے۔ سینٹ جرم (سنہ ۱۳۲ء) ان سب سے زیادہ بالکمال عورت کا حال لکھتا ہے۔ جس نے آخری بار تیسرا شوہر کیا تھا۔ اور اپنے شوہر کی بھی وہ اکیسویں بیوی تھی۔

اس دور میں عورت اور مرد کے غیر نکاحی تعلق کو معیوب سمجھنے کا خیال بھی دلوں سے نکلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے معلمین اخلاق بھی زنا کو ایک معمولی چیز سمجھنے لگے۔ کاٹو (CATO) جس کو سنہ ۱۸۵ء ق م۔ روم کا محتسب اخلاق مقرر کیا گیا تھا۔ صریح طور پر جوانی کی ادارگی کو حق بجانب ٹھہراتا ہے۔ بسرو جیسا شخص نوجوانوں کے لئے اخلاق کے بند ڈھیلے کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اپیکٹیٹس (EPICTETUS) جو فلاسفہ رواقیسیں (STOICS) میں بہت ہی سخت اخلاقی اصول رکھنے والا سمجھا جاتا تھا۔ اپنے شاگردوں کو ہدایت کرتا ہے کہ جہاں تک ہر سکے شادی سے پہلے عورت کی محبت سے اجتناب کرو مگر جو اس معاملہ میں ضبط نہ رکھ سکیں انھیں ملامت بھی نہ کرو۔

اخلاق اور معاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہو گئے تو روم میں شہوانیت عریانی

اور فحش کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ تھیٹروں میں بے حیائی اور عریانی کے مظاہرے ہونے لگے۔ نیکی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کے لئے ضروری ہو گئیں۔ تجربہ گری کے کاربائ کو وہ فروغ نصیب ہوا کہ تھیٹر ایمریس (۱۸۷۳ء) کے عہد میں معزز خاندانوں کی عورتوں کو پیشہ ور طوائف بننے سے روکنے کے لئے ایک قانون نافذ کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ فلورا (FLORA) نامی ایک کھیل رومیوں میں نہایت مقبول ہوا۔ کیونکہ اس میں برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی۔ عورتوں اور مردوں کے برسرِ عام یکجا غسل کرنے کا رواج بھی اس دور میں عام تھا۔ رومی لٹریچر میں فحش اور عریاں مضامین بے تکلف بیان کئے جاتے تھے اور عوام و خواص میں وہی ادب مقبول ہوتا تھا جس میں استعارہ اور کنایہ تک کا پردہ نہ رکھا گیا ہو۔

ذرا آنکھیں کھول کر اس اخبار کو دیکھتے۔ سینا اور ٹیلیوژن دیکھتے۔ کیا اوپر بیان کردہ حال اور آج میں کوئی بہت بڑا فرق ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بہت زیادہ مشابہت ہے۔ موجودہ دور کی بعض باتیں ہو سکتا ہے ذہن میں یہ خیال پیدا کریں کہ یہ تو بالکل دورِ جدید کی اور بیسویں صدی میں پیدا ہونے والی باتیں ہیں۔ یہ وہ باتیں نہیں ہیں جو دو ہزار سال قبل روم و یونان کی تہذیب میں موجود تھیں۔ بے پردہ بناؤ سنوار کئے ہوئے عورت جو مرد کو اپنی عشرۂ طرازیوں کا شکار بنانے کے لئے باہر نکلتی ہے۔

عورت جو مرد کی مالک بن گئی۔ اور اسے اپنی خواہش کے مطابق لئے جا رہی ہے۔ عورت جو معاشی طور پر آزاد ہو چکی ہے اور جو اپنی معاشی آزادی کی بناء پر یہ خیال

کر رہی ہے۔ کہ اسے آزادی اور اخلاقی اباحت کا حق حاصل ہے۔
 جسمانی لذتوں کے حصول کے لئے بے پردہ عورت کے پیچھے بھاگتا ہوا مرد!
 مرد جو حقیقی امور سے غافل جسمانی لذات میں مشغول ہے۔
 مرد جو زندگی کی مسرت اور زندگی کے مسائل کا بوجھ اٹھانے کے لئے عورت
 کا متلاشی ہے۔

مرد جو اباحت پسند عورت کو "اجتماعی ضرورت" قرار دے کر اسے خوش
 آمدید کہتا ہے!

عزایاں لڑکچہ..... فحش فلمیں..... اند فواحشات کا ذوق!
 کیا معاشرے کی اس موجودہ شکل ——— اور قدیم یونانی صورت
 میں کوئی بڑا فرق ہے؟

* * *

لوگ تاریخ پڑھ کر بھلا دیتے ہیں۔
 ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل جاتی ہے کہ زندگی کی یہ موجودہ صورت حال بعینہ
 اسی صورت حال کی تکرار ہے۔ جو دو ہزار سال پہلے تھی!
 جاہلوں کی جہالت اور دھوکہ بازوں کی دھوکہ دہی کی بناء پر لوگوں کی نظروں سے
 یہ حقیقت اوجھل ہو گئی ہے۔ کیونکہ دھوکہ باز مسلسل لوگوں کو یہ یقین دلا رہے کہ وہ جدید
 اجتماعی صورت تاریخ کی یگانہ اور منفرد شکل ہے۔ اور اس قسم کا معاشرہ پہلے کبھی وجود
 میں نہیں آیا ہے۔ یہ معاشرہ دراصل سائنسی ارتقاء سے وجود میں آیا ہے۔

———— جب یہ سب باتیں کہی جاتی ہیں ———

———— تو جاہل لوگ دھوکہ بازوں کی ان سب باتوں پر یقین کر لیتے ہیں
 آخر اجتماعی زندگی کا ارتقاء کیا ہے؟!

استعمال اشیاء ضرور بدل گئی ہیں۔ مگر عمل بعینہ وہ ہی ہے!!
 کیسی سادگی ہے۔ کتنی بڑی جہالت ہے۔ اور کیسا عظیم دھوکہ ہے۔ اگر ہم یہ سمجھنے لگیں
 کہ عورتوں کے نشین ایجاد کرنے والا کرسٹائن ڈیور پہلے نہ تھا، اعریاں اور خوشنمیں کھانے والے
 سینا پہلے نہ تھے! اور عورت جن سرطکوں پر اپنے حسن و دلکشی کا مظاہرہ کرتی پھرتی ہے
 وہ صاف ستھری تارکول کی بنی ہوئی شاہراہیں ہیں۔ جن پر کاریں دوڑتی پھرتی ہیں۔
 اور یہ شاہراہیں پہلے موجود نہ تھیں؟!

کیسی سادگی ہے۔ کتنی بڑی جہالت ہے۔ اور کتنا عظیم دھوکہ ہے۔ کہ
 آج کی اس عظیم اجتماعی ترقی کو جس نے عورت کو نیم غریباں اور فتنہ سامان بنا کر گھروں سے
 باہر نکال دیا ہے۔ اس اجتماعی ترقی کو بیسویں صدی کی یگانہ روزگار معاشی
 بیسویں صدی کے منفرد حالات، بیسویں صدی کی بے مثل سائنس، بیسویں صدی کی حیرت
 انگیز ایجادات اور بیسویں صدی کے پرفریب نظریات کی جانب منسوب کیا جاتا ہے!
 کیسی سادگی ہے، کتنی بڑی جہالت ہے اور کتنا عظیم دھوکہ ہے۔ کہ ماضی کے تمام
 تاریخی واقعات کو فراموش کر کے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ آج انسانیت نے از سر نو جنم لیا ہے۔ اور
 آج کی انسانیت کا ماضی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج کی انسانیت راکٹوں کی حامل ہے
 اور یہ انسان ماضی کے تمام اثرات سے آزاد ہے۔ کیونکہ اس انسان نے اپنے آپ کو خود
 تخلیق کیا ہے۔ یہ اپنا خالق آپ ہے؟!

اور

کیسی سادگی ہے، کتنی بڑی جہالت ہے اور کتنا عظیم دھوکہ ہے کہ لوگ یہ سمجھ
 بیٹھے کہ انسان کا داخلی وجود بھی ان چند صدیوں میں تبدیل ہو گیا ہے؟

* * *

یہ تاریخ کی گواہی ہے۔ اور اس پر غور و فکر کرنے سے مندرجہ ذیل نتائج

سامنے آتے ہیں۔

اول :- بیویں صدی کی اجتماعی زندگی - بیویں صدی کی اجتماعی زندگی میں عورت کا کردار اور — بیویں صدی کے تعلقات مرد و زن - انسانی زندگی کے کوئی انوکھے واقعات نہیں ہیں۔ بلکہ ان اس قسم کی اجتماعی زندگی پہلے بھی گذر چکے ہیں اور اگر آپ چشم تصور میں بیویں صدی کی اجتماعی زندگی اور آج سے دو ہزار سال قبل کی زندگی میں موازنہ کر کے دیکھیں تو یقیناً آپ کو دونوں انسانی زندگیوں میں امتیاز آشوب ہو جاتے گا!

دوم :- جن من گھڑت اسباب سے بیویں صدی کی اجتماعی زندگی، اس میں عورت کے کردار اور مرد و زن کے تعلقات کی تعبیر کی جاتی ہے — حقیقی اسباب نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر اس اجتماعی زندگی کو ایسے اسباب کی جانب منسوب کیا جائے۔ جو بیویں صدی کی پیداوار ہیں۔ یا اسے بیویں صدی کے تغیر و ارتقاء کی جانب منسوب کیا جائے — تو جو آج کی اجتماعی زندگی سے مشابہ زندگی پہلی صدی عیسوی میں یا اس سے پہلے دنیا ہوئی تھی۔ اسے کن اسباب کی جانب منسوب کیا جائے گا؟

سوم :- مارکس اور انڈرکامپ کے پیش کردہ ایسویں اور بیویں صدی کے نظریات نے انسانی وجود کی جو تصویر بنائی ہے — جس میں انسان کے داخلی وجود کو بھی تغیر پذیر بتایا ہے — فی الحقیقت انسان کی یہ تصویر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا داخلی وجود اور اس کے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی اقدار آج بھی غیر متغیر ہیں۔

جنس بھی نر و ماد صاحب کا کوئی نیا انکشاف نہیں ہے۔ بلکہ ساقی تہذیبیں جنس پرستی کا شکار رہ چکی ہیں!

مندرجہ بالا گفتگو کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم عمل تغیر و ارتقاء سے انکار کر رہے

ہیں۔ یا ہم دوسرا سال کے وقفہ کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ بلکہ ہمارا منشاء یہ ہے کہ لوگ اپنی اس غفلت سے باہر آئیں کہ دورِ جدید قطعی طور پر ماضی کے ہر اثر سے آزاد اور بے تعلقی ہو کر کسی خود مد پودے کی طرح خود بخود پھوٹ آیا ہے!

انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں مادی دنیا اور عالم انسانیت میں عظیم ترین انقلاب رونما ہوتے ہیں!

ایک طرف صنعتی انقلاب (INDUSTRIAL REVOLUTION) تاریخ کا ایک عظیم انقلاب ہے!

اور دوسری جانب سرمایہ داری اور اشتراکیت دورِ جدید کے عظیم حادثات ہیں۔ انسان کے بارے میں تصویر کئی مرتبہ اس قدر انتہا پسندی کے ساتھ تبدیل ہوا۔ کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ — ایک طرف انسان کی انفرادیت کو مقدس سمجھ کر اجتماعیت کو پامال کیا گیا۔ اور دوسری جانب اجتماعیت کا بت تراش کر فرد کو حیوانی نگلے کا ایک جزو سمجھ لیا گیا۔ اور انسان اپنی رفعت و بلندی سے گر کر حیوان بن گیا۔ اور اسے جملہ حیوانیت میں اس کے سوا کوئی امتیاز حاصل نہ رہا۔ کہ آج وہ حیوانیت میں سرداری کے مرتبہ پر فائز ہے۔ جب کہ پہلے حیوانیت کی دوسری اقسام سردار رہ چکی ہیں — یا پھر انسان اللہ اور طبیعت کی پرستش سے بیزار ہو کر خود اللہ بن بیٹھا۔ اور اپنی ہی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ سائنس نے تاریخ میں بے مثل قدم اٹھاتے۔ ایٹم (ATOM) کو پھاڑا۔ راکٹ بناتے۔ اور زمین کی چھپی ہوئی طاقتیں انسان کے تابع کر دیں۔

سائنس نے انسان کی ساری جسمانی مشقتیں مشین کو سپرد کر کے انسان کی مادی زندگی کو سہل اور آسان بنا دیا ہے۔ اب انسان کی قوتیں محفوظ ہو گئیں! اور وہ خود اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر ہلکا پھلکا ہو گیا ہے!

زندگی کی ساری شکل بدل گئی — مگر کیا انسان بھی بدلا ہے۔ یا انسان کے اعمال

اودان اعمال سے مرتب ہونے والے اثرات بھی متغیر ہو گئے ؟
 کیا انسان انحراف و اعتدال کے مختلف ادوار سے گزرتا ہوا انسان کے سوا کوئی دوسری
 شے بن گیا ؟ کیا اب انسان وہ انسان نہیں رہا۔ جو آج سے دو ہزار سال قبل تھا ؟
 کیا انسان کے انحراف و اعتدال کے مختلف ادوار میں انسانی اعمال کے وہ اثرات
 نتائج نہیں رہے۔ جو پہلے ہوا کرتے تھے ؟

*

*

*

یہ تاریخ کی گواہی ہے۔ ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے۔ تاریخ کی یہ گواہی انسانی وجود
 کے جمود و ارتقار کے بارے میں نہایت اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔

انسانی وجود میں جو وارتقا

کیا ہم نے تاریخ کی گواہی کا مطالعہ کر کے اس کے نتائج پر غور کر لیا ہے؟
تاریخ کا نتیجہ صرف یہ ہی نہیں ہے کہ تاریخ کے ایسے دو ادوار میں عظیم تر مشاہدات
پاتی جاتی ہے۔ جن کے درمیان بیس صدیوں کا فاصلہ ہے۔

بلکہ تاریخ ہماری توجہ اس سے بھی زیادہ اہم بات کی جانب مبذول کرتی ہے۔ یعنی
انسانیت کی طبیعت کی طرف اور خود اس انسان کی طرف جو تمام تاریخی واقعات میں خود
بھی متاثر ہوتا رہا۔ اور اپنے اثرات بھی ڈالتا رہا۔

یہ انسان — جس کو ہم واقعات و حالات کے تحت دیکھتے ہیں۔ اور جس کے نفیرات
کو دیکھ کر ہم اس کے داخلی وجود کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے وجود کی گہرائی جاننا
چاہتے ہیں۔ اور اس کا حقیقی تعارف چاہتے ہیں۔ مگر یہ انسان آج سائنس، اور ایجادات
کے دور میں اسی طرح بیسویں صدی میں بھی مجہول۔ اور اس کی حقیقت نامعلوم ہے!

* * *

الکسیس کاریل۔ جو حیاتیات اور طب کا عالم ہے، اور کوئی فلسفی نہیں ہے
اپنی کتاب انسان نامعلوم میں کہتا ہے۔

ہم انسان کو ایک کل کی حیثیت سے نہیں جانتے۔ ہم انسان کے صرف مختلف اجزاء
سے واقف ہیں۔ اور ان مختلف اجزاء کو بھی ہمارے وسائل نے گھڑ لیا ہے۔ ہم میں سے
ہر شخص ایسے ساتے کے پیچھے لپکا ہوا ہے جس کی حقیقت نامعلوم ہے!!

حقیقت یہ ہے کہ ہم جہالت میں گھرے ہوتے ہیں۔ کیونکہ انسانیت کا مطالعہ کرنے والے جو سوالات رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا کوئی جواب نہیں ہے۔ ہماری بالظنی دنیا کے اکثر پہلو ابھی تک انجانے ہیں۔ ایسے متعدد مسائل ہیں۔ جو انتہائی اہم موضوعات سے وابستہ ہیں۔ مگر ان کا کوئی حل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنسدانوں نے انسان کے بارے میں جو تحقیقات پیش کی ہیں۔ وہ سب ناکافی ہیں۔ اور اپنے بارے میں ہماری معلومات ابھی تک ابتدائی ہیں۔

مندرجہ بالا قول ایک ایسے سائنس دان کا ہے۔ جس کو ایسے کثیر مواقع فراہم ہوئے کہ اس نے اپنے اکثر اوقات تجربہ گاہ میں تجربات کرتے ہوئے۔ اور طبیعیات، کیمیا، حیاتیات اور فزیالوجی میں دوسرے سائنسدانوں کی تحقیقات کا مطالعہ کرتے ہوئے گزاری ہے جب کہ وہ خود طب میں متخصص ہے۔

اس حقیقت کے باوجود عوام الناس اور عام دانشور کھلے علم کے فریب میں یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں — خاص طور پر انسان کے بارے میں — بہت کچھ راقیت حاصل ہے۔ اور انھیں یہ پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ انسان کے بارے میں اپنے فتوے صادر کرتے رہیں — اور یہ فتوے زیادہ تر ان بے تکے اقوال پر مشتمل ہوتے ہیں کہ بیویں صدی کا انسان ایک مفرد وجود ہے۔ جس کا مافیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اور انسانیت کا آج کا تجربہ بھی انفرادیت کا حامل ہے۔ کیونکہ یہ ایک ارتقاء پذیر انسانیت کا تجربہ ہے۔ آج کی انسانیت کے اعمال کے اثرات و نتائج سابقہ نتائج سے قطعاً مختلف ہیں۔

پھر یہ بے تکا نظریہ مختلف علوم و نظریات پر اثر انداز ہوا ہے۔

تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے۔

لوگوں کا شعور ان کے وجود کا تعین نہیں کرتا۔ بلکہ لوگوں کا وجود ان کے مشاعرے تعین

کرتا ہے۔ (مارکس، اور لوگوں کا وجود آلات پیداوار - *Tool of Production*)
کی تبدیلی سے مسلسل تغیر پذیر رہتا ہے۔ کیونکہ انسان کے سامنے بدلتے نئے امکانات اور
جدید ترین ایجادات آتی رہتی ہیں۔

”مادی زندگی میں طریقہ پیداوار ہی اجتماعی، سیاسی اور معنوی زندگی کی عام نوعیت
کا تعین کرتا ہے۔“ (مارکس) پیداوار اور تبادلہ اشیاء ہی کسی اجتماعی نظام کی اصل بنیاد
ہیں۔ اس نظریہ کے ماتحت تمام تغیرات اور بنیادی تبدیلیوں کے اسباب کی تلاش لوگوں
کی عقل اور ان کے ازلی حق و انصاف کی اتباع میں نہ ہونی چاہیے۔ بلکہ یہ اسباب ان
تغیرات میں ڈھونڈنے چاہئیں جو طریقہ پیداوار اور تبادلہ اشیاء میں واقع ہوتے ہیں۔“
(سٹریڈ رگ انگلز)

اس لئے انسانی وجود غیر تغیر نہیں ہے!

انسان مادی اور معاشی حالات کا نتیجہ ہے۔ اور اس معاشی حالت کا عکس ہے جس
میں وہ رہ رہا ہے۔ اور چونکہ یہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے انسان بھی غیر
متغیر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ان تغیرات کے ساتھ انسان بھی بدلتا رہتا ہے۔ اور اس کے اخلاق
عقائد، افکار، انفرادی اور اجتماعی اعمال بھی بدلتے رہتے ہیں۔

ذریعہ معاشرے میں انسان اللہ کی عبادت اس لئے کرتا تھا۔ کیونکہ وہ یحییٰ لوکر
اس سے پھل آنے کی توقع کرتا تھا۔ وہ عمل پیداوار میں خود عاجز تھا۔ نہ وہ رفتار
افزائش کو کم کر سکتا تھا، اور نہ زیادہ نتائج پر اس کے اثرات اس کی جدوجہد کی نسبت
انتہائی معمولی ہوتے تھے۔ آفات سماویہ، اور گرمی و سردی پر اسے کوئی قدرت حاصل نہ
تھی۔ غرض ہر طرح اسے آسمان کی جانب نظر کھنا پڑتی تھی۔

کیونکہ اس معاشرے میں مرد اصل پیداوار کا ذریعہ ہوتا اور وہ ہی عورت کی کفالت کرتا تھا۔ اس لئے گھر میں مرد ہی کو اقتدار حاصل ہوتا۔ خاندان شوہر کے اقتدار کو تسلیم کرتا۔ اور شوہر خاندان بنانے کا شوقین ہوتا۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ اسے اقتدار ملتا تھا۔ اسی لئے وہ عورت پر اخلاقی قیود عائد کرتا تھا۔ چنانچہ عورت کی زندگی کے لئے پاکدامنی ایک لازمی شرط ہوتی اور عفت و پاکدامنی کا یہ مطلب ہوا کہ عورت اس کی مخصوص ہے، اور کسی نے اس کو چھوا تو ایک نہیں۔ پھر اس معاشی حالت کی نمائندگی کرتے ہوئے مذہب آتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ عفت اللہ کو پسند ہے۔ اور اللہ کے واسطے لوگوں کو پاکدامنی اختیار کرنی چاہیئے۔

زندگی میں اپنی تمام مشکلات کے باوجود ایک قسم کا تعاون بھی تھا۔ اور یہی تعاون اس وقت کا اخلاق اور مذہب کا ایک جزو تھا۔

خاندان کے لوگ قرابت اور رشتہ داری کی بنیاد پر آمدنی کی فروخت اور تبادلہ کے سلسلہ میں ہی ایک دوسرے سے تعارف کرتے۔ یہی تعارف اس وقت کا اخلاق اور مذہب کا جزو بن گیا۔

غرض زرعی معاشرے کے تمام اخلاق، مشاعر، منہاجیم، اصول اور عملی اقدامات سب کے سب حقیقت زمین سے ابھرتے تھے اور ان کے زراعتی مفہوم میں زمین ہی زندگی کی شکل متعین کرتی تھی۔

اس کے بعد لوگ صنعتی دور میں داخل ہوتے۔ اور تمام حالات تبدیل ہو گئے۔ اب عمل پیداوار غیب ہونے کے بجائے دیکھی بھالی شے ہو گئی۔ پیدا کرنے والی مشین بھی دیکھی بھالی۔ اور مشین میں ڈھلنے والا مواد بھی سامنے موجود! مشین کا چلانے والا بھی بجائے اللہ کے انسان بن گیا۔ اس لئے اللہ کی عبادت کی ضرورت نہیں رہی! معاشی حالات کے ماتحت عبورت معاشی طور پر آزاد ہو گئی۔ اور اب اس کی کفالت مرد کے ذمہ نہیں رہی۔ اور مرد کا اقتدار مطلق نہیں رہا۔ اور اب اس کی یہ قدرت ختم ہو گئی۔

وہی کہ وہ عورت سے پاک دامن کا مطالبہ کر سکے۔ بلکہ عورت ہی کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ پاک دامن نہ رہے۔ کیونکہ اگر پاک دامن نہ ہونے کی بنا پر مرد اس کو رد بھی کر دے تو وہ اپنی کفالت آپ کر سکتی ہے۔ اور چونکہ عورت معاشی طور پر آزاد ہو گئی۔ اس لئے مرد مجبور ہوا کہ اس کا احترام کرے اور اسے اباحت جنسی کا حق دے دے۔ پھر اتفاقاً کے تقاضے کے ماتحت مرد از خود اباحت پر اظہار مسترت کرنے لگا!

لوگ دیہاتوں کے بجائے کثیر تعداد میں شہروں میں رہنے لگے۔ ان میں آپس میں کوئی جان پہچان نہ ہوتی۔ اب انسانی زندگی کے لئے تعارف شرط نہیں رہا۔ شہر کی مخلوق ایک ترقی یافتہ مخلوق ہو گئی۔ ہر انسان شعوری اور واقعی طور پر اپنی زندگی علیحدہ علیحدہ گزارتا۔ کسی کا کسی سے کوئی ربط و تعلق نہ ہوتا۔

انفرادی تعاون ختم ہو گیا۔ کیونکہ عمل پیداوار مخصوص ہو گیا ایک بڑے کارخانے میں کام کرنے والے سارے مزدور ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر کام کرتے۔ اور عدم تعاون اس جدید ارتقائی نسل کا شیوہ بن گیا۔

اس طرح صنعتی معاشرے نے اپنے تمام اخلاق، مشاعر، مفاہیم، اصول اور عملی طریقہ کار مشین اور مادی پیداوار سے اخذ کئے۔ غرض اب مشین انسانی زندگی کی تشکیل کرنے لگی۔ — کیونکہ

”لوگوں کا شعور ان کے وجود کا تعین نہیں کرتا۔ بلکہ ان کا وجود ان کے مشاعر تعین کرتا ہے۔“ جیسا کہ عظیم سائنس دان کارل مارکس کہتا ہے۔!

تاریخ کی مادی تعبیر میں اس طرح کے اندازے نکاتے گئے!

پھر ڈورکایم کے زیر نگرانی اجتماعیات نے مذہب، نکاح اور خاندان کو غیر فطری قرار دیا! اصل معنی عقل اجتماعی ہے۔ جو ہمیشہ تغیر پذیر رہتی ہے۔ اور عقل اجتماعی کے

تغیر سے معاشرے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ اور ہر معاشرہ اپنا مذہب، اپنی رسم نکاح اور اپنے خاندانی نظام بنالیتا ہے۔ اگر کسی مرحلہ پر آکر عقل اجتماعی کہتی ہے کہ مذہب ہونا چاہیئے۔ تو مذہب وجود میں آجاتا ہے اور جب عقل اجتماعی چاہتی ہے کہ نکاح و خاندان ہونے چاہئیں تو یہ بھی تشکیل پا جاتے ہیں۔

اور پھر جب یہ عقل اجتماعی، اپنی مرضی یا اجتماعی منطابہر کی جبریت سے یہ چاہتی ہے۔ (یہ جبریت فرد کے منہ اور اس کی فطرت سے پیدا نہیں ہوتی۔ اور نہ اس کا فرد کے مشاعر یا اس کے رضا اور عدم رضا سے کوئی تعلق ہوتا ہے) کہ بے دینی اور نکاح و خاندان کا وجود معدوم ہو جانا چاہیئے۔ تو افراد اس اجتماعی منطابہر کی جبریت کا شکار ہو کر فوراً مذہب اور اخلاق سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اور نکاح اور خاندان کے تمام بندھن توڑ کر ہر شے کو عقل اجتماعی کے تابع بنا لیتے ہیں۔

* * *

اس کے بعد سائنس کی حیرت انگیز ایجادات انسان کو دہشت زدہ بنا دیتی ہیں۔ / بجلی، مشین اور نوہ نور بدلتی ہوئی زندگی! /
ابھی ٹیلیفون کی ایجاد پر انسانیت کی حیرانی ختم نہیں ہوتی — کہیوں کر بے جان تاروں کی مدد سے آواز فاصلے طے کرتی ہے! — اچانک وائرلس کی ایجاد ہو جاتی ہے جس میں تاروں کی مدد کی ضرورت نہیں رہی — اور اس کے بعد ٹیلیوژن آجاتا ہے!

ابھی انسانیت اس بات پر حیران تھی کہ موٹر بغیر گھوڑوں کے چلتی ہے۔ جیسے اس میں کوئی جن چھپا بیٹھا ہو — کہ طیارے اور راکٹ ایجاد ہو جاتے ہیں۔

ابھی انسانیت پٹرا بننے کی اس مشین پر تعجب کر رہی تھی جو چھ مزدوروں کا کام یک وقت انجام دے لیتی ہے کہ اچانک مل بن گئے جو ہزاروں مزدوروں کا کام انجام

دیتے ہیں اور اس قدر صفائی اور نفاست سے کپڑا بنتے ہیں کہ انسانی ہاتھ اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

غرض اسی طرح زندگی میں نور و عجائبات رونما ہوتے رہے۔ اور ہر لمحہ زندگی کو ایک نئی شکل دیتے رہے۔ اور ہر لحظہ لوگوں کے مشاعر، افکار، مفاہیم، اصول اور واقعاتی تعامل بدلتے چلے گئے۔

ارنٹ سوار کا تعامل اور اس کے مفاہیم اس شخص کے تعامل اور ذہنی سوچ سے مختلف ہیں۔ جو کار میں بیٹھا ہے یا جو پیارہ میں پرواز کرتا ہے — اور یا جو خلائی دہر میں راکٹ میں بیٹھ کر چاند کا سفر کرتا ہے!

اب بتائیے انسان کیوں کر انسان رہ سکتا ہے۔ اور اس زبردست دہر میں انسان کی ذات کا وجود کیوں کر باقی رہ سکتا ہے؟

* * *

اس مرحلہ پر اگر جب مشینوں کی گڑ گڑاہٹ اور ان کی قوت سے ہمارا سر چکرانے لگتا ہے اور اس ہمہ گیر تغیر سے ہماری آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ تو ہم سمجھنے لگتے ہیں کہ انسان ہی بدل گیا ہے۔ اور حقیقی انسان کا کوئی وجود باقی نہیں رہا ہے۔

اس وقت ہمیں تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ مطالعہ تاریخ ہی ہماری سرگرمی دو کر سکتا ہے!

تاریخ کی گواہی ان تردادات کا جواب دیتی ہے!

زندگی کی دو صورتیں۔ جن میں دو ہزار سال کا فصل ہے۔ جن میں ذرائع پیداوار اور استعمالی اشیاء مختلف ہیں۔ جن میں ساتیئیں ایجادات اور انکشافات یکساں نہیں ہیں۔ اس کے باوجود زندگی کی دونوں صورتوں میں حیرت انگیز حد تک مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس لئے انسان کی کوئی اور ہی تعبیر ہے۔

اور ان کے دیکھے بھالے عوامل کے سوا کچھ اور عامل ہیں جو انسانی تصرفات پر اثر انداز ہوتے ہیں!

* * *

۱۔ تاریخ کی مادی تعبیر انسان کی خارجی تعبیر کرنا چاہتی ہے۔ اس طور پر کہ انسان ایک ایسی
لچکدار شے ہے جو ہر شکل کو قبول کر سکتی ہے۔ چنانچہ انسان نئی نئی شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ اور ہر
قسم کے موثرات کو قبول کر کے اس معاشی اور مادی وضع کی شکل اختیار کرتا رہتا ہے۔ جو اس
وقت موجود ہوتی ہے۔ نہ وہ حادث کا کوئی سد باب کر سکتا ہے۔ اور نہ مادی اور معاشی وضع
پر کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ وضع جبری اور انسانی ارادے سے بالاتر ہے۔ (مارکس)
تاریخ کی اجتماعی تعبیر بھی انسان کی خارجی تعبیر کرتی ہے۔ اس میں بھی انسان کو کوئی
دخل نہیں۔ بلکہ وہ ہمیشہ اجتماعی جبریت کے سانچے میں ڈھلتا رہتا ہے۔ جو فرد کے بشاعر اور
اس کے احساسات سے کوئی ربط نہیں رکھتا۔ (ڈورکایم)

اجتماعی مظاہر انسانی فطرت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ چنانچہ مذہب، نکاح، خاندان
 اور اخلاقی آداب سب فی الحقیقت اجتماعیت کے مظاہر ہیں۔ جن کا فطرت سے کوئی تعلق
 نہیں ہے۔ فرد ان مظاہر سے خوش ہو یا نہ ہو یہ مظاہر ضرور موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے یا
 تو انسان کی سرے سے کوئی فطرت ہی نہیں ہے۔ اور اگر — بالفرض — ہے
 تو یہ فطرت انسانی زندگی کا مرجع نہیں ہے۔!!

مگر تاریخ کی شہادت، مادی تعبیر اور اجتماعی تعبیر دونوں کی تردید کرتی ہے۔ یہ دونوں

اجتماعی پیداوار کی ہر شکل میں لوگ خاص تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ ان تعلقات میں ان کے ارادے کو کوئی دخل نہیں
ہوتا۔ اور یہ تعلقات لوگوں کے مادی قوتوں کے ایک خاص دور کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان تعلقات کا اجتماعی مجموعہ معاشرے
کے اقتصاد نظام کی شکل کرتا ہے جو باہر فزکانوی اور سیاسی نظام کی بنیاد بنتا ہے اور اجتماعی شعور کی ستین سکوں کی مطابق ہوتا دارکلم
۱۔ ان صاحب کے ضروریات پہلے گزر چکے ہیں۔

تعبیریں اس مشابہت کو بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ جو انسان کی آج سے دو ہزار سال پہلے کی
 اجتماعی زندگی اور آج کی اجتماعی زندگی میں پایا جاتا ہے۔

تاریخ کی مادی تعبیر حوائج تمام تر توجہ مادی تغیرات اور ذرائع پیداوار کی تبدیلی پر
 مرکوز کئے ہوئے ہے۔ زندگی کی اس مشابہت کی تعبیر کرنے سے عاجز ہے۔ جب کہ مادی
 لحاظ سے اور ذرائع پیداوار کے لحاظ سے کوئی مشابہت نہیں ہے!

اجتماعی تعبیر کی ساری توجہ عقل اجتماعی اور فرد پر قائم ہونے والی اجتماعی جبریت پر
 مرکوز ہے۔ یہ عقل اجتماعی ان دونوں انسانی زندگیوں میں مشابہت کی وجہ بیان کرنے سے
 عاجز ہے۔ الہیہ کے وہ یہ تسلیم کر لے کہ عقل اجتماعی انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے۔

تاریخ کی اس گمراہی کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے۔ وہ یہ کہ انسان ایک غیر متغیر فطرت
 کا حامل ہے۔ اس کے سوا تمام تغیرات غلط اور راہ راست سے دور ہیں۔

* * *

آخر وہ کون سا سبب ہے، جس کی بناء پر یہ تغیرات انسان کو اس کے بلند مقام سے
 گرا کر اسے حیوان سے بدتر بنانے پر مجبور ہوتی ہیں۔ یہ سبب انسان کی ایک بڑی خوبی
 ہے جس کی بناء پر انسان حیوان سے متماثل ہو گیا ہے۔ انسان کی یہ خوبی اس کی لچک
 اور اس کے پہلوؤں کا متعدد ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ خوبی اس لئے عطا فرمائی تھی کہ انسانی زندگی میں وسعت و
 ہمہ گیری پیدا ہو۔ اور اس کے ظرافت کا، اس کے معیاریات اور اس کے اعمال میں تعداد
 اور تنوع پیدا ہو۔ مگر ان تغیرات نے انسان کی اس خوبی کو بدترین برائی میں بدل دیا۔
 اور اس خوبی کو سلبیت، بزدلی اور ان مادی موثرات سے مسلسل تاثر، جس میں انسانی
 ارادے کو دخل نہیں اور انفرادی وجود سے بیگانہ اجتماعی جبریت سے متاثر ہونے کی تبدیلی
 کر دیا۔

انسان میں اللہ تعالیٰ نے لچک اس لئے رکھی ہے کہ وہ مادی ماحول کا اور اس سے پیدا شدہ تمام حالات کا مقابلہ کر کے بالآخر ان پر قدرت حاصل کرے۔ اور مشکلات سے ٹکرا کر خود پاش پاش نہ ہو جائے۔

وَسَخَّوْا لَكُمْ مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ جَيْبِهَا
مِنْهُ (جائیدہ ۱۳)

جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمین

میں ہیں۔ ان سب کو اپنی طسرت مغرب بنا لیا

انسان کو اللہ تعالیٰ نے متعدد پہلو اس لئے عطا فرماتے کہ ان پہلوؤں سے اس کی عبقریت جلوہ گر ہو۔ مختلف تہذیبوں کو جنم دے سکے۔ اور یہ تہذیبیں روح فکر، اور جسم کو شامل اور معاشی، اجتماعی، سیاسی، مادی، فکری اور روحانی پہلوؤں کو محیط ہو۔ یہ دونوں خوبیاں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایجابیت اور فعال زندگی کے لئے عطا فرماتی تھیں۔ ان کو ان منہج تعبیرات نے ایسی خطرناک سلبیت بنا دیا۔ جو خارجی حوادث سے متاثر ہو مگر داخلی اثر قبول نہ کرے!

جس لچک کی بنا پر انسان نور و تشکلیں اپنانے پر قادر ہوا۔ اس لچک نے تاریخ کی مادی تعبیر کو اس قریب میں مبتلا کر دیا کہ انسان کا اپنا کوئی غیر متغیر وجود ہی نہیں ہے۔ انسان صرف خارجی اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ اور کچھ نہیں!

انسانی پہلوؤں کے تعدد — اور ان میں بعض پہلوؤں کے زیادہ نمایاں ہوجانے اور بعض پہلوؤں کے اوجھل ہونے سے — مادی تعبیر اور اجتماعی تعبیر کو اس دہم میں مبتلا کر دیا۔ کہ انسان کا کوئی مستقل وجود ہی نہیں ہے۔ بس انسان پر مختلف حالات طاری ہوتے رہتے ہیں۔ جن کے تحت انسان بدلتا رہتا ہے۔

غرض یہ تمام منہج تعبیرات انسان کی ایک جزئی اور ایک پہلو کو لے کر اسی کے تحت

تمام انسانوں کی تعبیر کر دیتی ہیں۔ اور اس طرح انسان کی شکل مسخ کر کے رکھ دیتی ہیں!

انسان فی الحقیقت کسی ایک جزئی یا پہلو سے عظیم تر ہے۔ انسان کی لچک اور اس کے پہلوؤں کا تعدد جن کی بناء پر ان تغیرات نے انسانی شکل مسخ کر کے رکھ دی۔ یہ فی الحقیقت تمام تاریخ میں انسان کی ایجابی خصوصیات رہی ہیں اگرچہ ان کا سببی رخ بھی ہے جس پر ان تغیرات نے اپنی توجہات مرکوز کی ہیں۔ انسان اپنی دوکارہ طبیعت اور غبار خاکی اور نغمہ روحانی کے امتزاج کی بناء پر اپنے تمام تصرفات میں دو متقابل پہلو رکھتا ہے۔

اسی امتزاج کی بناء پر انسان میں دو متقابل صفات سلبيت اور ایجابیت کی بھی پائی جاتی ہیں۔ جو انسان کے تمام تصرفات میں موجود ہیں۔ اگرچہ انسان کبھی سلبيت کی جانب زیادہ مائل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی ایجابیت کی جانب۔ اور پھر اس میں توازن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وہ عظیم حقیقت ہے جو ان تمام تغیرات نے نظر انداز کر دی ہیں اور انحراف کا شکار ہو گئیں!

اب ہم بحث کے اصل موضوع کی جانب آتے ہیں۔

یعنی انسانی وجود میں تغیر پذیری و ارتقاء کا مسئلہ!

انسانی فطرت کیا شے ہے۔ اور انسانی زندگی میں اس کے کیا اثرات ہیں؟ اگر انسانی فطرت غیر متغیر ہے تو انسانی زندگی میں رونما ہونے والے ان انتہائی تغیرات کی کیا تعبیر کی جائے جو کبھی کبھی مشابہ تو ہوتے ہیں۔ مگر مماثل نہیں ہوتے؟ بلکہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ انسان کی فطرت ہے۔ اور انسان پلے در

علا "اسلامی تربیت کا منہاج" میں "نفس انسانی میں متضاد صفات" اور "اسلامی نفسیات"

میں "مکب طبیعت" کے ابواب دیکھئے

پے آنے والے نفسیاتی حالات کا مجموعہ کیوں نہیں ہے۔ جیسا کہ تخلیلی نفسیات کہتی ہے۔ یا مبدیہ
 کہ تاریخ کی مادی تعبیر اسے معاشی حالات کا مجموعہ قرار دیتی ہے اور انہی حالات کے مجموعہ
 کو انسان اور انسان کی تاریخ بتاتی ہے !

پہلے ہیں انسان کے فطری محرکات پر غور کرنا چاہیے کہ کیا ان محرکات کا کوئی حقیقی
 وجود ہے اور کیا یہ وجود جامد ہے یا انسان کے معاشی حالات کے تحت بدلتا رہتا ہے۔
زندگی کی محبت انسان کا سب سے بڑا محرک ہے۔ اور یہ محرک تمام جانداروں میں
 مشترک ہے۔ تمام جاندار زندگی سے محبت رکھتے اور اس کی بقا کی جدوجہد میں لگے
 رہتے ہیں۔ اگرچہ ہر جاندار کا فنا ہو جانا بھی طبعی ہے۔ مگر انسان کے تمام پہلوؤں میں اس
 کی نمایاں خصوصیت، اس کا شعور اور اک اور آزادی اختیار ہے۔ انسان زندگی سے
 محبت رکھتا ہے۔ اور اسے اس کا شعور ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے مقاصد اور منزل کا
 تعین کرتا ہے اور اپنی فطری آزادی کے دائرے میں زندگی سے محبت کی نوعیت کا
 تعین کرتا ہے۔

کیا انسان میں یہ محرک جامد ہے یا متغیر؟
 کیا انسانیت پر کوئی حالت ایسی بھی گزری ہے جب وہ زندگی سے محبت نہ
 رکھتی ہو؟

خودکشی ————— جو منہر شندو ذرا ہے ————— اور جان کی فستربانی
 ————— جو رفعت کی صورت ہے ————— اس محرک سے گریز نہیں ہیں۔ بلکہ یہ
 تو اس محرک کے وجود کی تائید کرتے ہیں ————— اور پھر یہ کہ خودکشی اور فستربانی
 انسانیت کے نادر حالات ہیں !

جس صورت میں منہر شندو ذرا انسان کو خودکشی پر مجبور کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ
 ایک شخص واقع حیات میں زندگی سے سخت محبت کرتا ہے مگر وہ اپنی محبوب تمناؤں

اور امیدوں سے محروم رہتا ہے۔ اور جب یہ محرومی اس کی قوت برداشت سے نکل جاتی ہے تو وہ خودکشی کر لیتا ہے۔

اور جب انسان کسی عقیدے یا فکر کے لئے زندگی کی قربانی دیتا ہے۔ اس وقت وہ واقعی زندگی سے بلند کسی بلند تر حیات سے محبت کر رہا ہوتا ہے۔ اور اس بہتر اور بلند تر زندگی کے حصول کے لئے وہ اپنی زندگی کی قربانی دیتا ہے۔ یا یہ سمجھ کر کہ وہ آخرت میں اس سے بہتر زندگی حاصل کر سکے گا۔ تو یہ دراصل زندگی کو بہتر بنانے کی ایک اعلیٰ تر کوشش کہلاتی ہے۔ زندگی کی محبت سے خروج نہیں ہوتا!

مختلف انسانوں میں نمایاں فرق کے باوجود عام حالات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ محرک انسانی طبیعت میں بڑی گہرائی کا حامل ہے۔
 زندگی کی محبت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ تحفظ ذات - اور - تحفظ نوع۔

پھر یہ دونوں میلانات ایسی متعدد قسموں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ جو بالآخر ایک ہی ہو جاتے ہیں۔ یہ اقسام ہیں۔ طعام، شراب، لباس، مسکن، جذبہ ملکیت، جذبہ قتال، کشمکش، خود نمائی، اور محرک جنسی۔۔۔۔۔

ان میں ہر ایک جذبہ پر ہم علیحدہ علیحدہ غور کریں گے کہ یہ جذبات انسانی وجود میں اپنی ایک حالت پر قائم رہتے ہیں۔ یا حالات کے تغیر کے ساتھ کبھی سامنے آجاتے ہیں۔ اور کبھی پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ ؟

طعام و شراب، لباس اور مسکن پر اب کوئی ٹھوس نزاع باقی نہیں رہا ہے۔ !

۱۔ ہم نے اپنی کتاب اسلامی نفسیات کے باب محرکات اور ضبط کی قوتیں میں اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ وہاں اس موضوع کو دیکھ لیا جائے۔

(شائد ترقی یافتہ مغربی تہذیب ساحل سمندر اور نجاشی کے مقامات پر ہونے والی برہمنگی کو بطور دلیل پیش کرے؛ مگر یہ ذیل حیوانی طرز عمل بقول ان کے — وقتی ملذذ کے لئے ہے — اس کے بعد یہ لوگ پھر لباس میں ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ عریانی محض بحث نہیں بن سکتی!)

قوتِ جنسی کے بارے میں کسی نے یہ بھی نہیں کہا ہے کہ یہ مادی یا معاشی ارتقاء کی بنا پر پیدا ہوتی ہے۔ یعنی ایسا ہوتا کہ یہ قوت چرداہوں کے معاشرے میں تو موجود ہوتی مگر زرعی معاشرے میں نہ ہوتی۔ یا آقا میں ہوتی اور غلام محروم ہوتا — ہر شخص اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ یہ خالص جسمانی یا جسمانی نفسی مسئلہ ہے اور جب بھی وہ غدد و (GLANDS) پائے جاتے گے جو اس عمل کو انجام دیتے ہیں۔ یہ قوت پانی جاتے گی۔ اور جب ان غدد میں اختلال پیدا ہو گا۔ یہ قوت بھی خائب ہو جائے گی۔ ظاہر ہے اس صورتِ حال کا ذرائع پیداوار اور تاریخی ادوار سے کوئی تعلق نہیں ہے!!

اشتراکیت نے اس امر کی بڑی جدوجہد کی ہے کہ نظری میلانات میں سے ایک خاص جذبہ کو انسانی وجود سے نکال کر پھینک دیا جاتے۔ تاکہ ایک طرف اس جذبے سے انکار کیا جاسکے اور دوسری جانب انسان کے غیر متغیر وجود کی نفی کی جاسکے۔ یہ جذبہ جس کو اشتراکیت انسانی وجود سے نکال کر پھینک دینا چاہتی ہے۔ جذبہ ملکیت ہے تاکہ اس طرح انفرادی ملکیت کا خاتمہ کر کے اس کی جگہ اجتماعی ملکیت کو رکھا جاسکے!

میں نے انفرادی ملکیت کے عدم وجود کے نظریہ پر اپنی کتاب اسلام اور جدید ذہن کے شبہات اور اسلامی نفسیات میں تنقید کی ہے۔

یہاں اس ساری بحث کا اعادہ تو ممکن نہیں ہے۔ جس میں میں نے اس نظریے کے بطلان کو واضح کیا ہے۔ مگر اس مقام کے لحاظ سے یہ ضرور کہوں گا — کہ اشتراکیت نے بذاتِ خود انفرادی ملکیت کو اجتماعی ملکیت میں تبدیل کر کے خود ملکیت کے وجود کو

تسلیم کر لیا۔ — فرق یہ ہے کہ اشتراکیت نے اپنے نظریاتی مقاصد کے حصول کے لئے اس کو ایک نیارنگ دے دیا۔ — اور اس کے باوجود بھی اشتراکیت فی الواقع انفرادی ملکیت ماننے پر مجبور ہو گئی۔ اور صرف ہونے والی اشیاء میں انفرادی ملکیت کی اجازت دے کر انسان کے انفرادی ملکیت کے جذبہ کو تسکین پہنچانے کی سعی کی ہے!

یہی مذہب اشتراکیت کا جذبہ اظہار ذات کے ساتھ رہا۔ اشتراکیت چاہتی تھی کہ انفرادی جذبہ اظہار ذات کو کچل کر جماعت کے تابع کر دے۔ چنانچہ اشتراکیت نے اس سلسلہ میں چند قدم بڑھائے۔ مگر جلد ہی گم کردہ راہ ہو کر رہ گئی! مثالاً — اپنی سرکش شخصی آمریت کی بناء پر — جیسا کہ خرو شچیت نے اس کا اقرار کیا۔ — اس کو کھلے اور وہی نظریہ کی سراپا عملی تکذیب تھا۔

اس کے بعد جب اشتراکیت کو کسی قدر حقیقت پسندی اختیار کرنا پڑی۔ اور ایک ہی طبقہ اور ایک ہی عمل کرنے والے مزدوروں کی اجوت میں فرق جان کر دیا گیا۔ کہ اگر کوئی مزدور زیادہ محنت کر کے زیادہ مزدوری حاصل کرے، اور اس کو "آرائشات" میں صرف کرنا چاہے۔ تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ — یہ کسی نہ کسی شکل میں اظہار ذات کا اظہار ہے اور بالآخر انفرادیت ہے!

جذبہ قتال و کش مکش کو قوم یا عقیدے کی خاطر جنگ میں ہمیشہ ہی سے اجتماعیت کا رنگ دیا جاتا رہا ہے۔ مگر حصول کامیابی کی دوش میں فرد کی ارتقائی جدوجہد بھی جاری رہی ہے۔ — غرض یہ تمام صورتیں کسی طرح بھی جذبہ قتال و کش مکش کے انفرادی ہونے کی نفی نہیں کرتیں۔ البتہ اس جذبہ کو جماعت کی بھلائی کے لئے استعمال کرنی کو ششیں ہیں۔

انسان کے یہ بنیادی نظری میلانات۔ اپنی جگہ پر غیر متغیر ہیں۔ تو انسان میں وہ کون سی شے ہے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں تبدیل ہوتی رہی ہے؟

بیشک کچھ لوگ کہیں گے کہ آپ نے انسان کے بارے میں داخلی حیثیت سے گفتگو کی ہے۔ اور انسان کے ذہن کو بہت سے معاشی، اجتماعی اور سیاسی وجود کو زیر بحث نہیں لاتے۔ اور نہ آپ نے پیداوار، ذرائع پیداوار اور اس کی کشش اور انسانی زندگی کے تقدم اور دائمی ارتقاء پر بحث کی ہے۔

ہم کہیں گے کہ بیشک ہم نے انسان کے داخلی وجود پر بحث کی ہے۔ مگر کیا واقعاتی زندگی انسان کے داخلی وجود ہی کا ایک پر تو نہیں ہے؟

اب بتائیے! انسان کے جامد وجود اور بہ وقت بدلتی ہوتی انسانی زندگی میں کیوں کرمطابقت ہو سکتی ہے؟

انسان جس شکل میں اپنے فطری محرکات کی ترجمانی کرتا ہے۔ یہ شکل نسلا بدلتا تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یہ شکل انسانی عقل اور مادی کائنات کے مسلسل ٹکراؤ سے تغیر پذیر ہوتی ہے اور اسی ٹکراؤ سے زندگی میں نئی نئی صورتیں ابھرتی ہیں۔

یہ سب باتیں درست ہیں۔ مگر جب انسانی زندگی کی شکل بدلتی ہے تو کیا خود انسان بھی بدل جاتا ہے؟

پہلے جذبہ طعام کو لیجئے۔

تمام انسانوں اور تمام جانداروں میں کھانے کی رغبت ایک مستحکم اور فطری میلان ہے۔ مگر صورت طعام ہمیشہ ہی بدلتی رہتی ہے۔

شکار کے زمانے میں انسان کے شکار کھانا یا کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس کھانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اور نہ اس کے مادی امکانات اس سے زیادہ کی اجازت دیتے تھے۔ اور اس کی معلومات بھی مختصر تھیں۔ پھر آگ کے امکانات نے اس کی دنیا ہی بدل کر رکھ دی۔ اس کی زندگی کی شکل متغیر ہو گئی۔ اور خاص طور پر صورت طعام بدل گئی۔ انسان کھانے سے پہلے گوشت کو پکانے لگا۔ مگر وہ اب بھی گوشت دانتوں سے کاٹ کر کھاتا تھا

پھر انسان نے مزید ترقی کی اور مختلف آلات ایجاد کر لئے۔ گوشت کاٹنے کے لئے چھری استعمال کرنے لگا۔ تاکہ اسے کاٹ کر منہ میں رکھ سکے۔ پھر اس سے زیادہ انسان نے ترقی کی اور زار بنائے تو اس کے کھانے بھی رنگا رنگ اور دلکش ہوتے گئے۔ کھانے کے آداب قواعد اور رسمیں بن گئیں۔ اور کھانے کے فن ایجاد ہو گئے۔

مگر کاشتے تبدیل ہوتی۔ کھانے کا جذبہ۔ یا کھانے کی صورت؟

جذبہ سکونت کو لے لیجئے۔

یہ بھی انسانی فطرت کا ایک مستقل اور غیر متغیر میلان ہے۔ تمام انسان بلکہ تمام جاندار مکان بنا کر رہتے ہیں۔ مگر مکان کی شکل ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔

انسان پہلے غاروں میں رہتا تھا۔ کیونکہ اس وقت کے اس کے مادی امکانات اس قابل نہ تھے کہ اس کے سوا انسان کو کوئی سکونت فراہم کرتے۔ اور انسان اپنے محدود تجربات اور معلومات کی بدولت کوئی مسکن نہیں بنا سکتا تھا۔

پھر رفتہ رفتہ انسان کی زندگی کے حالات میں تبدیلی آئی۔ اور اس کی معلومات و تجربات میں اضافہ ہوا۔ تو انسان درختوں کے کنج اور ساحل آب جھونپڑے بنا کر رہنے لگا۔ پھر بالنس اور مٹی کے بنے ہوئے گھروں میں رہنے لگا۔ پھر پتھر کے بڑے اور وسیع مکانات میں اور بالآخر انسان فلک بوس عمارتوں میں مقیم ہو گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ آئندہ وہ اگر کسی مدد سے سیاروں میں پہنچ جائے۔ اور وہاں اقامت اختیار کرے۔ مگر تعزیریں واقع ہوا ہے۔ سکونت کا جذبہ بدل گیا۔ یا مکانات اور رہائش گاہوں کی شکلیں بدلی ہیں؟

اب ذرا تن پوشی کے جذبہ کو لیجئے

جس وقت آدم و حوا نے اپنے بدن کو پتوں سے ڈھانپنا تھا۔ اس وقت سے لیکر آج تک تن پوشی انسان کے ایک فطری جذبہ کے طور پر چلا آتا ہے۔ مگر لباس کی شکلیں اور تن پوشی کے طریقے ہمیشہ بدلتے رہے۔

ایک زمانہ تھا کہ انسان پتوں سے صرف اپنے ضروری مقامات کو ڈھانپتا تھا۔ کیونکہ اس کے مادی امکانات اس قابل نہ تھے کہ وہ اپنے لئے کپڑا تیار کر سکتا۔ اور اس کی معلومات و تجربہ بس اسی قدر تھا کہ جس قدر ممکن ہو تیار شدہ موادی سے اپنے جسم کو ڈھانپ لے۔

پھر انسان ترقی کرتا ہے۔ اس کی معلومات اور تجربے میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے امکانات زیادہ وسیع ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے بدن کے ضروری حصے کو کھال سے چھپانے لگتا ہے۔ جو دیر پا طریت بھی ہے۔ اور ستر پوشی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پھر اسی مقصد کے حصول کے لئے انسان نے کپڑا بننا شروع کر دیا۔ اس کے بعد لباس کے قنوع اور نفاست میں اضافہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کے بھی آداب قواعد اور روایات بن گئیں۔ اور لباس انسانیت کے فنون میں سے ایک فن بن گیا۔

کیا شے متغیر ہوتی ہے۔ کیا ستر پوشی کا جذبہ تبدیل ہو گیا ہے۔ یا لباس کی شکلیں

بدلتی رہی ہیں؟

اس کے بعد جنسی انگینت کر دیکھئے۔

یہ بھی انسان و حیران میں مشترکہ فطری جذبہ ہے۔ اس کی بھی ظاہری صورت بدلتی رہتی ہے۔ جنس کے بارے میں ہم یہ نہیں کہیں گے کہ پہلے ایسی تھی۔ اب ایسی ہو گئی۔ اس موضوع پر ہم آئندہ چل کر بحث کریں گے، بلکہ یہ ہر لحظہ اپنی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

چنانچہ کبھی تیز و تند جذبہ حیوانی ہوتی ہے۔ جس کا سارا مقصد جنسی ملاقات اور غریزی ہیجان میں ابلتے ہوئے جسم کی تسکین ہوتی ہے۔ کبھی جنسی عمل سے قبل کی ملاعبت —

(FLIRTATION) تندی و تیزی لئے ہوتی ہے اور کبھی نرمی کی حامل ہوتی ہے

(جیسا کہ حیوانات میں ایک طرف چیتے کی اپنی مادہ کے ساتھ سخت ملاعبت FLIRTATION

ہے۔ اور دوسری جانب بکتر و مل اور دوسرے جانوروں کی نرم ملاعبت ہے۔) کبھی جنس

کی تکمیل اخلاقی، مذہبی، اجتماعی اور معاشی منطیقات میں جکڑی ہوتی ہوتی ہے اور کبھی

ہر قسم کی تیو سے آزاد ہوتی ہے۔ مگر ہر صورت میں تمام فطری محرکات کی طرح۔ جنس کی تکمیل کا ایک ادنیٰ اور کم تر طریقہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا بلند تر اور انسان کے لائق طریقہ ہوتا ہے۔
 مگر ان سب امور کے باوجود.....

کیا شے تبدیل ہوتی ہے۔ کیا جذبہ جنس۔ یا اس کی تکمیل کی شکل؟
 اب ہم جذبہ ملکیت کو لیتے ہیں۔

اشتراکیت کی پوری مخالفت کے باوجود یہ ایک فطری جذبہ ہے۔ اور خود اشتراکیت بھی بعض امور میں انفرادی ملکیت کے جواز پر مجبور ہوگئی۔ مگر ملکیت کی شکل ہمیشہ بدلتی رہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ کوئی قابل ملکیت شے موجود نہ تھی۔ جو شکار انسان کرتا تھا۔ وہ بھی کسی کی ملکیت نہ بن سکتا تھا۔ کیونکہ ایک تو انسان تنہا شکار نہیں کرتا تھا دوسرے وہ اس شکار کو محفوظ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ خراب ہو کر بدبودار ہو جاتا تھا مگر پھر بھی عورت کی ملکیت پرکشش ہوتی تھی۔ اور عورت کے حصول کے لئے لوگ آپس میں لڑتے تھے۔

اس کے بعد جب پیداوار شروع ہوئی تو انسان مالک بننے لگا۔ چنانچہ پہلے انسان ان سادہ اوزاروں کا مالک بنا جو اس نے بناتے تھے۔ جب زراعت کرنے لگا تو زرعی پیداوار کا مالک ہونے لگا۔ اور جب اسے جانوروں کو مانوس کرنے کا طریقہ آگیا تو زراعت کے جانوروں کا مالک ہو گیا۔ پھر انسان پیداوار دینے والی زمین کا مالک ہوا۔ پھر کارخانے ملکیت میں آئے۔ اور آج انسان ہم اور راکٹوں کا مالک ہے۔ ہو سکتا ہے۔ آئندہ تباہی ہی اس کی ملکیت بن جائیں!

کیا شے تبدیل ہوتی ہے۔ ملکیت کا جذبہ یا اس کی شکل؟
 جذبہ اظہار ذات کر لیتے

یہ انسان کا فطری جذبہ ہے۔ جو اکثر حیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مگر اظہار ذات

کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ اور انسان کے تمام جذبات میں یہ جذبہ سب سے زیادہ متعدد اور گونا گوں شکلیں اختیار کرتا رہتا ہے۔ غاروں کے زمانے میں انسان نے اپنی ممتاز بدنی قوت کے ذریعہ جس سے وہ شکار کرتا تھا۔ اور جنگلی جانوروں اور دشمنوں سے لڑتا تھا۔ اپنے آپ کو نمایاں کیا۔ پھر انسان جیلہ اور شکر سے اپنی ذات کا اظہار کرنے لگا۔ ایک دو مہات فنی کے ذریعہ اپنے آپ کو ممتاز کیا۔ حوصلہ جوتی میں اپنے آپ کو ممتاز کرتا ہے، لباس مسکن اکل اور شرب میں اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے۔ جنس کے ذریعہ نمایاں کرتا ہے۔ تو عورتوں کا انتخاب کرتا ہے۔ قتال اور کش مکش میں نمایاں کرتا ہے۔ اطاعت اور معصیت میں نمایاں کرتا ہے۔ خیر اور شر میں نمایاں کرتا ہے۔ کھیلوں، علم و فن کی مسابقت میں خود کو ممتاز کرتا ہے۔ سیاست میں اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے۔ قدرت کلام اور پراثر گفتگو سے نمایاں ہوتا ہے۔ اور دھوکہ بازی اور فکر و فریب سے ممتاز ہوتا ہے۔ — غرض خود نمائی کے مختلف درجات اور متعدد شکلیں ہیں۔

کیا شے تبدیل ہو گئی۔ اظہار ذات کا جذبہ یا اس کی شکلیں؟
قتال و کش مکش کے جذبہ کو لیجئے۔

قتال بھی انسان اور حیوان کا ایک فطری جذبہ ہے۔ مگر صورت قتال بدلتی رہتی ہے بدنی قوت سے قتال، کہ طاقتور کمزور کو کچھاڑے۔ بھاری پتھر اور لاشٹھوں سے قتال۔ دھوکہ اور تریب سے قتال، تیر نیزے اور تلوار جیسے دھار دار ہتھیاروں سے قتال۔ بمبھینق سے قتال۔ بارود سے قتال۔ گولیوں اور بموں سے قتال، راکٹوں اور جراثیمی بموں سے قتال اور — شعلہ موت اور خواب اور شعلہ سے قتال۔؟
 کیا شے تبدیل ہوتی ہے۔ جذبہ قتال یا صورت قتال؟

یہ ہے انسان کی داخلی اور خارجی زندگی۔ اس کے محرک مشاعر اور صورت

واقعہ کے لحاظ سے، ارادہ تطبیق کے لحاظ سے، فکر اور واقع کے لحاظ سے اور فکر اور مادہ کے لحاظ سے۔

/ تاریخ کے تمام ادوار میں آخر کیا شے متغیر ہوتی ہے۔

اگر انسان کو طعام کے نئے وسائل اور ساز و سامان مل گیا، اگر انسان کو سکونت کے نئے ذرائع اور وسائل ہاتھ آ گئے۔ اگر انسان کو لباس کے نئے وسائل اور مواد حاصل ہو گیا اگر انسان کے جنسی عمل کے ذرائع وسائل متغیر ہو گئے۔ اگر انسان کی ملکیت کے ذرائع و وسائل متغیر ہو گئے۔ اگر انسان نے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے نئے ذرائع و وسائل اپنالئے۔ اور — اگر انسان کے قتال کے ذرائع و وسائل بدل گئے۔ تو اس سے خود انسان میں کون سی تبدیلی واقع ہو گئی؟

کیا انسان بدل گیا ہے؟ کیا ذرائع و وسائل کی تبدیلی سے انسان کے فطری محرکات میں کوئی تغیر واقع ہو گیا ہے؟ کیا اب انسان نے کھانا پینا چھوڑ دیا؟ کیا اب انسان بیکار نہیں پہنتا؟ کیا اب انسان مکان میں نہیں رہتا؟ کیا اب انسان جنسی عمل انجام نہیں دیتا؟ کیا اب انسان مالک نہیں بنتا؟ اور کیا اب انسان جنگ و قتال نہیں کرتا؟ کیا انسان میں کچھ ایسے نئے محرکات پیدا ہو گئے جو اس سے پہلے نہ تھے۔ یا اس میں سے محرکات ختم ہو گئے جو پہلے موجود تھے۔؟

آخر کون سا تغیر ہوا ہے۔؟

بے شک انسانی زندگی میں عظیم تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ جن کے وجود سے نہ ہمیں انکا ہے۔ اور نہ ہم انھیں نظر انداز کرنا چاہتے ہیں! بلکہ ہم تو ان تبدیلیوں کو زیادہ نمایاں کر کے ان کی تائید کریں گے۔

وہ انسان جو جنگوں میں لبر اکرتا تھا۔ اس انسان سے مختلف تھا۔ جو بکریاں چراتا تھا۔ اس انسان سے مختلف تھا جو دیہات میں رہتا تھا۔ اور اس انسان سے مختلف تھا جو

فطری
محرکات

آج شہری زندگی گزار رہا ہے۔۔۔ ایک محدود تہذیب رکھنے والا انسان آج کی بلند تر تہذیب سے یقیناً مختلف تھا اور زندگی کے بارے میں اس کا رویہ آج کے انسان سے مختلف تھا۔

غرض یہ اختلاف ہر پہلو اور ہر محیط پر محیط ہے۔

یہاں ہم تغیر اور ارتقاء کی اقسام علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ اقسام جدا گانہ نوعیت کی حامل ہیں۔ پھر ہم غور کریں گے کہ یہ تغیرات انسانی وجود میں پائی جانے والی جامد فطرت ہی کا ایک حصہ ہیں۔ یا یہ کوئی نیا عنصر ہے۔ جو انسان کے مادی ارتقاء اور فزاعی وسائل کے تقدم سے پیدا ہوا ہے۔ تاکہ ہم فطرت کے مقابل تغیر کے اثرات کی نشاندہی کر سکیں۔ اور یہ فیصلہ کر سکیں کہ کیا کوئی ایسا فطری پیمانہ موجود ہے جس کے ذریعہ ارتقاء کی پیمائش کی جاسکے۔ اور یہ بتایا جاسکے کہ یہ ارتقاء صالح ہے۔ یا غیر صالح؟..... یا سرے سے ایسا کوئی فطری قیاس موجود نہیں ہے۔؟

مسئلہ میں ارتقاء کچھ مندرجہ بالا پہلو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ مغرب میں جو لوگ ارتقاء کی بیماری میں مبتلا ہیں اور شوق میں جن حضرات کو یہ متعدی بیماری لگی ہے۔۔۔ وہ نہ مختلف النوع تغیر کے درمیان فرق کرتے ہیں اور نہ اس کی پیالٹش کے لئے کوئی مقياس مقرر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں ارتقاء اپنا پیمانہ آپ ہے۔ اس پر خارج سے کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اگر تغیر و ارتقاء انفرادیت کی جانب مائل ہو جائے۔ تو وہ اس لئے کہ معاشی اور اجتماعی حالات کی جبریت اس پر مجبور کرتی ہے۔ اس لئے اس پر درست اور غلط کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اگر معاشی اور اجتماعی حالت کا تقاضا انفرادیت ہے۔ تو انفرادیت درست ہے۔ مگر اگر معاشی اور اجتماعی حالت اجتماعیت کا تقاضا کرتی ہے۔ تو اجتماعیت ہی صحیح ہے اور انفرادیت جہاں کہیں بھی پائی جاتے قابل اصلاح غلطی ہے۔ کوئی مقياس ایسا موجود نہیں جس کے ذریعہ انفرادیت یا اجتماعیت

کی جانب میلان کی پیمائش کر کے اسے غلط یا صحیح بتایا جاسکے یا اس کی ممانعت اور جواز کے بارے میں کچھ کہا جاسکے۔

اگر کوئی معاشرہ ایسے اخلاق کا حامل ہے جس میں عائلی حدود سے باہر جنسی عمل کی اجازت نہیں ہے۔ اور جس میں عورت پر عفت فرض ہے۔ یا مرد و زن دونوں پر عفت لازمی ہے — تو یہ نہیں ہے کہ اس کی کوئی موضوعی قدر (OBJECTIVE VALUE) ہے۔ اور اس قدر کو انسانی فطرت کے مقياس سے ناپا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ معاشی اور اجتماعی حالت نے اس اخلاق کو لازم کر دیا ہے۔ اس لئے یہ اخلاق اپنے دائرہ اثر اور اپنے مخصوص حالات میں درست ہے — اور —

اگر معاشی اور اجتماعی حالت بدل جائے اور وہ جنسی بے راہ روی، اخلاقی بے قیدی عفت کی قید سے آزادی — اور شاہراہوں اور ساحل سمندر پر جنسی نشاط کی متقاضی ہو تو یہ سب کچھ درست اور صحیح ہے — کیونکہ

کوئی فطری مقياس موجود نہیں ہے۔ اور معاشی اور اجتماعی حالت سے باہر کوئی مقياس مقرر نہیں کیا جاسکتا۔

یہ حضرات زندگی کے ہر پہلو سے متعلق کچھ اسی قسم کی باتیں کرتے ہیں — اسلئے —

اس اہم مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ہمیں مندرجہ ذیل امور مد نظر رکھنا چاہئیں۔

تغیر کی انواع کیا ہیں؟ (کیونکہ یہ انواع جداگانہ نوعیت کی ہیں)

تاریخ میں جو تغیرات ہوئے ہیں۔ وہ فطرت کا ایک حصہ ہیں۔ یا اس پر مادی ارتقاء کی بدولت خارج سے مسلط ہوتے ہیں؟

مستقیم (NORMAL) فطرت کے لحاظ سے ان تغیرات کے کیا اثرات ہیں؟

کیا یہ تغیرات فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔ یا اس سے ٹکراتے ہیں؟

ارتقاء کی پیمائش کون سے مقياس سے کی جائے؟ (کہ یہ غلط ہے یا صحیح؟)

ارتقار کی اقسام

انسان اول، اور ابتدائی معاشروں کے سائنٹفک مطالعے، اور تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ ابتدائے انسانیت سے آج تک انسان جن تغیرات سے دوچار رہا ہے۔ اس کی چار اقسام ہیں

۱. ذرائع اور وسائل پیداوار میں تغیر۔
۲. معاشرے کی معاشی اور اجتماعی ساخت میں تغیر

۳. نفسیاتی تغیر — اور —

۴. اخلاقی تغیر

تاریخ کی مادی تعبیر ان اقسام کو علیحدہ علیحدہ کرنے کے بجائے ان سب کو ذرائع پیداوار سے متعلق اور اسی کے تغیر و ارتقار کا نتیجہ بتاتی ہے۔

ہمارے خیال میں بھی ذرائع و وسائل پیداوار کے ارتقار اور معاشرے کے معاشی اور اجتماعی ارتقار میں بڑا واضح اور مربوط ربط ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ ربط سببیت کی بناء پر نہیں ہے۔ یعنی ہم تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ معاشرے کے معاشی اور اجتماعی ارتقار کا واحد سبب، ذرائع و وسائل پیداوار کا ارتقار ہے۔ بلکہ فی الحقیقت یہ متعدد ابواب میں سے ایک سبب ہے۔ اور دوسرے نفسیاتی ابواب بھی موجود ہیں۔ مگر ہر حال ذرائع و وسائل اور معاشرے کے ارتقار میں گہرا ربط موجود ہے۔

نفسیاتی ارتقار — یعنی انسان کے نفسیاتی وجود میں پھیپگی۔ اور گرد و پیش سے گہری پیوستگی کے بارے میں تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ یہ براہ راست ذرائع پیداوار کے ارتقار کا نتیجہ ہے۔

ہمارے نزدیک بھی بلاشبہ ذرائع پیداوار کا ارتقار نفسیاتی ارتقار میں شدید تاثر

رکنے والا عامل ہے۔ مگر ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ ارتقاء نفسی بذات خود ایک مستقل مظہر (PHENOMENON) ہے۔ اور اس کا وسائل پیداوار کے ارتقاء سے علیحدہ پایا جاتا
 ممکن ہے۔ جیسا کہ وہ قدیم تہذیبوں اور اسلامی تہذیب کے اعلیٰ مراحل میں پایا گیا ہے۔
 اخلاقی ارتقاء ریاضی کے بارے میں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ ذرائع پیداوار کا
 نتیجہ ہے۔ اس سلسلہ میں ہم تاریخ سے دلیل پیش کریں گے۔

سب سے پہلے اس حقیقت کی نشاندہی ضروری ہے جس کی جانب ہماری رسائی
 نفسیاتی مطالعہ کی بناء پر ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ انسانی زندگی کا کوئی مظہر بالکل مستقل نہیں ہوتا۔
 میں نے ارتقاء نفسی کے بارے میں کہا کہ یہ مستقل مظہر ہے۔ مگر میں نے یہ نہیں کہا
 کہ یہ بالکل علیحدہ اور منفصل ہے۔ کیونکہ انسانی زندگی میں کوئی بھی شے دوسری شے سے
 منفصل نہیں ہے۔ انسان اپنی ساری زندگی کو ایک ساتھ برتا ہے اور یہ شامل کل
 جس سے انسان بنتا ہے۔ کچھ مخصوص پہلو بھی رکھتا ہے۔ مگر یہ پہلو منقطع نہیں ہوتے
 جیسے بنیاتی کا عمل۔ نظام بصارت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور کوئی بھی انسان اپنے
 پیر اور کان سے نہیں دیکھتا۔ مگر اس کے باوجود یہ بنیاتی نظام بصارت بالی جسم سے علیحدہ
 نہیں ہے۔

اور جس طرح جسم میں بصارت اور سماعت جیسے مخصوص اعضاء موجود ہیں۔ اسی
 طرح جسم میں ایسے نظام بھی ہیں جن میں خصوصیت کم اور عمومیت زیادہ ہے۔ جیسے ذرہ
 خون کا نظام جس کے ذریعہ خون جسم کے تمام حصوں میں جاتا ہے۔
 اسی طرح مجموعی طور پر انسانی وجود ہے۔ — چنانچہ ذرائع و وسائل کا ارتقا
 تمام انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے — مگر نفس اور اخلاقی ارتقاء سماعت و بصارت
 کی طرح کے مخصوص عمل ہیں۔!

اب اس موضوع کو ذرا تفصیل سے لیجئے۔

ذرائع پیداوار کا ارتقاء

جب انسان نے کھانے میں کچے شکار سے ترقی کر کے اسے پکانا شروع کیا۔ پھر چھری کا استعمال کیا۔ پھر کھانے میں حد درجہ نفاست سے کام لیا۔ پھر کھانے کے قواعد و آداب اور روایات مقرر کیں۔ یہاں تک کہ کھانا مستقل ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا.....

جب انسان رہائش میں غاروں سے ترقی کر کے درختوں کے کنج اور جھونپڑوں میں رہنے لگا۔ جب انسان نے مٹی کے گھر بنانے شروع کر دیئے۔ جب اس نے فنی مہارت کی حامل بڑی بڑی عمارتوں میں رہنا شروع کر دیا۔ اور جب اس نے رہائش کو عمارت اور اندرونی سانوسامان کے لحاظ سے مستقل ایک فن بنالیا.....

جب انسان نے سرخسائی میں درخت کے پتوں سے ترقی کر کے۔ کھال اور اس کے بعد کپڑا بننا شروع کر دیا۔ اور پھر لباس میں اس قدر نفاست اختیار کی کہ لباس کے قواعد و آداب اور روایات متعین ہو گئیں۔ اور لباس بذات خود ایک فن بن گیا.....

جب انسان نے چھن میں براہ راست دلچسپی سے ترقی کر کے روایات، نظام و قواعد رسموں اور محفلوں کو اپنالیا۔ اور خود چھن کے مفہوم کو وسعت دے کر ایک ایسے فن کی حیثیت دے دی جس کے تحت ادب، تصویر، موسیقی، سنگ تراشی، رقص اور غمار کے مختلف فنون نشوونما پانے لگے۔

جب انسان ترکاریوں اور پھلوں کی ملکیت سے ترقی کر کے زمین اور غلام کا مالک ہونے لگا۔ پھر وہ کارخانوں کا مالک بنا۔ پھر ایک معاشی، اجتماعی اور سیاسی قوت کے طور پر سرمایہ کا مالک بنا۔ پھر وہ قوموں اور نسلوں کا مالک بنا اور ہو سکتا ہے کہ وہ مستقبل میں تیاروں کا مالک ہو جائے۔

جب انسان نے جسمانی اور محسوس اظہار ذات کے دائرے سے ترقی کر کے نفسیاتی

اور روحانی اظہار ذات پر قدرت حاصل کر لے اور اس کی یہ قدرت، طعام، لباس، شکر جنس اور ملکیت پر محیط ہو گئی۔۔۔ اور —————

جب براہ راست بدنی قوت سے قتال کے بجائے بھاری پتھر اور لاشمی استعمال کی۔ پھر تیر نیزے اور تلوار جیسے دھار دار آلات استعمال کئے۔ اور پھر بارود اور لاشمی طاقت کا استعمال شروع کر دیا۔۔۔

————— ان تمام امور میں آخر کیا شے تبدیل ہوتی ہے۔ کیونکہ اور کس طرح تبدیل ہوتی ہے ؟

تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ اوزار (tools) کا استعمال اس تمام تبدیلی کا واحد سبب ہے۔ اگر اوزار نہ ہوتے تو انسان کبھی بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب نہ آتا۔ اور نہ ہی اس قابل ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کو جدید بنیادوں پر استوار کر سکے۔ اگر آگ کا انکشاف نہ ہوتا تو انسان کھانا پکانے کے قابل نہ ہوتا۔ اگر کپڑا بننے کی ایجاد نہ ہوتی تو وہ یہ لباس نہ پہن پاتا۔ اور اگر اوزار نہ ہوتے تو انسان تعمیر نہ کر پاتا۔ ————— اس کے بعد تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ اوزار (tools) کا استعمال انسانی مشاعر، ازکار، اقدار اور اصولوں میں جبری تغیر پیدا کرتا ہے۔

چنانچہ جب انسان کو آگ کا پتہ چلا ————— تو اس نے کھانا پکانے کے بارے میں سوچا۔ اور کھانے کو بہتر بنانے کے لئے غور کیا۔ اگر آگ نہ ہوتی۔ تو ان میں کوئی بات بھی انسان کے ذہن میں نہ آتی۔

جب انسان نے کاتنے اور بننے کے اوزار بنائے تو لازمی طور پر اس نے کپڑا بننے کے بارے میں سوچا۔ اور پھر لباس کی تفصیلات اور اس کی نفاست پر غور کیا۔ اگر کاتنے اور بننے کے آلات نہ ہوتے تو ان میں سے کوئی خیال انسان کے ذہن میں نہ آتا۔ جب اس نے دھار دار آلات بنائے تو اس نے شکار اور قتال شروع کر دیا۔

جب اسے زراعت کرنا آگئی۔ تو وہ زمین کا مالک بننے لگا۔ اور دوسروں کی زمین پر
رٹ مار چا کر غلام اور قیدی بنانے لگا۔ تاکہ وہ اس کی زمین میں ہل چلا سکیں۔

اس طرح اوزار اور ایجادات کے حتمی نتائج معاشی، اجتماعی، نفسیاتی اور اخلاقی
نتائج کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اور اوزار اور آلات ہی انسانی زندگی کا دائمی اور اولین
محسوس بن گئے!

تاریخ کی مادی تعبیر نے جس شکل میں اس مسئلہ کو پیش کیا ہے وہ بڑی پرسترب
اور چمکدار شکل ہے۔

کیونکہ اگر سلسلہ وار سبب اور نتیجہ اس طرح بیان کرتے چلے جائیں تو فریب دہی اور
فریب خوردگی آسان ہو جاتی ہے۔ اور یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ نتیجہ ہی سبب ہے
اور سبب ہی نتیجہ ہے۔

مگر تاریخ کی مادی تعبیر کے اس سائنٹفک مسئلہ کی ایک نوعیت اور بھی ہے اور
یہ نوعیت بھی بذاتِ خود سائنٹفک ہے اور اگر ہم ستھوڑی دیر بیویں صدی کے علوم
اور علمی تحقیقات کی خیرگی سے اپنی نظریں بچالیں۔ تو حقیقت تک رسائی کچھ زیادہ
دشوار نہ رہے۔!

۱۔ — انسان نے آگ کا انکشاف کیوں کیا؟

۲۔ — آگ کے انکشاف کے بعد انسان نے اسے کھانے کو خوب تر بنانے
کے لئے کیوں استعمال کیا؟

۳۔ — انسان آگ کے انکشاف کے بعد اسی حد پر کیوں نہیں رک گیا کہ مرنے
کھانا پکا لیا کرتا۔ اور پکے ہوئے کھانے میں تنوع اور رنگارنگی کیوں پیدا کرتا چلا گیا؟
۴۔ — جب انسان کو یہ قدرت حاصل ہو گئی کہ اس نے لوہا، پتیل، برنز،
(BRONZE) سونا اور چاندی پگھلایا۔ تو وہ کون سا جبری محرک تھا جس سے مجبور

ہو کر انسان نے چمچے، کانٹے اور پھیریاں بنائیں۔ حالانکہ یہ اشیاء عمل طعام میں ایک حیاتیاتی (BIOLOGICAL) ضرورت کی حیثیت سے شامل نہیں ہیں۔ پھر کون سا ایسا جبری محرک ہے جو انسان کو کھانے کو زینت بننے والے سامان کی ایجاد پر مجبور کرتا ہے۔ اور انسان اس سامان کو خوب سے خوب تر بناتا جاتا ہے۔ پھر اس جبریت کا ان اقدار سے کیا تعلق ہے جو اس نے کھانے سے متعلق وضع کر لی ہیں۔ خواہ یہ اقدار اصول و روایات ہوں یا تقسیم طعام اور اس کے حلال و حرام اور طیب و خبیث ہونے سے متعلق ہوں؟

اسی طرح.....

انسان نے موت کاٹنے اور کپڑا بننے کے آلات کیوں ایجاد کئے؟
اگر انسان نے ان آلات کو ایجاد کر لیا تھا تو ان کو کپڑا بننے اور اس کو بہتر بنانے میں کیوں استعمال کیا؟

انسان نے صرف کپڑے کے استعمال پر گریں بس نہیں کی اور کیوں معیار ضرورت سے زیادہ لباس میں نفاس اختیار کرنا چلا گیا؟

آلات کے پیدا کردہ خوب تر لباس میں، اور لباس سے متعلق انسانی قدروں میں کیا تعلق ہے؟ — کہ لباس سے متعلق اصول و روایات وضع کرتے گئے۔ اس کے لوگوں میں تقسیم کے طریقے متعین ہو گئے۔ اور اس میں اخلاقی اور مذہبی قدریں پیدا ہو گئیں۔

انسان نے دھار دار آلہ کیوں ایجاد کیا؟

اس آلہ کو جنگ کے لئے کیوں استعمال کیا۔

انسان اسی حد پر کیوں نہیں رک گیا۔ اور جنگ کے لئے نئے ذرائع کی تلاش میں کیوں رہا۔ کہ اس تلاش نے اسے ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، کو بالٹ بم اور جراثیم بم تک پہنچا دیا۔ پھر ان آلات جنگ اور ان انسانی قدروں میں کیا اول نظر ہے۔ جو انسان نے جنگ کے بارے میں وضع کر لی ہیں؟ چنانچہ انسان نے جنگ کے جواز اور عدم جواز کے قواعد

اور اصول و روایات بناتے ہیں۔

کیا ان حقائق کے جلو میں اس سوال کا کوئی واضح جواب پنہاں نہیں ہے۔ کہ آلات نے انسان کی رہنمائی کی۔ یا انسان نے آلات کو اپنی مرضی کے مطابق کام میں لگایا ؟
یہ سوال اس گورکھ دھندے کی مٹم کا نہیں ہے کہ مرغی پہلے پیدا ہوئی یا انڈا پہلے وجود میں آیا۔

یہ مسئلہ اس مٹم کا کوئی گورکھ دھندا نہیں ہے۔ اور نہ اس میں کسی پرپچ گفتگو کی ضرورت ہے !

ڈارون کی رائے کے مطابق حیوان زمین میں انسان کے ساتھ رہتا آیا ہے۔ اور بہت سے خصائص اور اپنی اصل میں انسان کا شریک ہے۔ مگر اس کے باوجود حیوان نے اتنا طویل عرصہ گزارنے کے بعد نہ کوئی ایجاد کی اور نہ کوئی اختراع ؟

اس لئے واضح طور پر اکتشاف اور ایجاد صرف انسانی خصوصیت ہے۔
جدید ڈارونی عالم جولیان ہکسلی (JULIAN HUXLEY) اپنی کتاب ”دور جدید کا انسان“ میں کہتا ہے۔

”انسان کی ایک نہایت واضح اور عظیم تر خصوصیت یہ ہے کہ وہ تصویری فکر پر قادر ہے۔ اور اس بنیادی خصوصیت کے انسان میں بڑے اہم نتائج ہیں۔ جن میں سے اہم تر بڑھتی ہوئی روایات ہیں جن کی بناء پر انسان اپنے سامان اور آلات کی تحسین کرتا ہے۔ ان روایات اور ساز و سامان نے تمام زندہ کائنات میں انسان کے لئے مرکزِ سیادت مہیا کر دیا ہے اور یہ حیاتیاتی برتری انسان کی منفرد خصوصیات میں سے ایک خصوصیت بن گئی ہے“ ۱

جولیان کھلے ایک لمحہ عالم ہے۔ وہ علم تحقیق میں کوئی بات اللہ کی جانب منسوب نہیں کرتا۔ مگر وہ انسان کی یہ نمایاں خصوصیات بتاتا ہے کہ

انسان تھوری شکر پر قادر ہے۔ ساز و سامان تیار کر سکتا ہے۔ آلات اور ساز و سامان کو بہتر بنا سکتا ہے اور روایات قائم کرتا اور اسخیں نیکو بناتا ہے۔

کھلے ان تمام امور کو فطرت کی گہرائیوں میں داخل انسان کی حیاتیاتی خصوصیات بتاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ خصوصیات آلات کی ایجاد سے پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ یہ خصوصیات آلات کی ایجاد کا سبب بنتی ہیں!

اس علمی بحث سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ انسان ہی اصل ہے ذکر آلات! اب یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ انسان خود ایجاد و انکشاف کی جانب متوجہ ہوا۔ اور بقول کھلے یہ اس کی حیاتیاتی خصوصیت تھی — یعنی یہ خصوصیت بذاتِ خود اپنی تعبیر کی حامل ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں — اور ہمارا قول سائنس کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اس کی تکمیل کرتا ہے اور اس کے انحراف کو دور کرتا ہے — کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا تاکہ زمین میں اسے اپنا خلیفہ بنائے۔ اسی نے انسان کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کیونکہ یہ خلافت کا ایک وسیلہ اور ذریعہ تھی۔ آگ کا انکشاف صرف ایک اتفاق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی انسان کے حق میں مقرر کردہ تقدیر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہی انسان کی فطرت میں یہ جذبہ رکھا ہے کہ وہ مظاہر فطرت کی جانب متوجہ ہو اور ان سے استفادہ کرے اگر ایسا ہوتا کہ آگ اتفاقاً انسان کے سامنے آجاتی۔ اور انسان اسے استعمال کرنے کے بارے میں سوچتا۔ تو بعینہ یہی واقعہ لاکھوں مرتبہ جانوروں کے ساتھ بھی پیش آیا ہوگا کہ انھوں نے آگ دیکھی ہوگی۔ مگر اس کے باوجود کسی حیوان نے نہ آگ کے بارے میں سوچا

اور نہ اسے استعمال کیا۔

اصل بات یہ ہے کہ انسانی فطرت میں تصور کی قدرت موجود ہے۔ اسی قدرت کی بناء پر انسان اکتشاف اور ایجادات کرتا ہے۔ آلات کے استعمال پر قدرت رکھتا ہے۔ اور ان کو بہتر بنا سکتا ہے۔ اور فطرت انسانی میں اللہ تعالیٰ نے اقدار بھی ودیعت کر دی ہیں۔ جو کھیلے کے خیال میں تقالید ہیں۔ اور انسان کو یہ قدرت دی ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال کو معاشی، نفسیاتی، اخلاقی، اجتماعی اور مذہبی اقدار سے مربوط رکھے۔

اس تعبیر میں گزشتہ تمام سوالوں کا جواب موجود ہے کہ انسان نے آگ کا اکتشاف کیوں کیا؟

اس آگ کو کھانے کی تحسین کا ذریعہ کیوں بنایا؟

آگ کے اکتشاف کے وقت کھانے نے جو شکل اختیار کی، انسان نے اس شکل پر توقف کیوں نہیں کیا؟

اس نے کھانے سے متعلق مختلف آداب اور قوانین کیوں وضع کر لئے؟

آگ کا اکتشاف ایک مادی واقعہ اور ایک مادی ذریعہ ہونے کی صورت میں اس

مفہوم پر دلالت نہیں کرتا۔ جو مفہوم تاریخ کی مادی تعبیر بتانا چاہتی ہے!

باد جو دیکر انسان کو تصوری فکر پر قدرت حاصل ہے۔ مگر پھر بھی یہ ضروری نہیں

تھا کہ انسان آگ کا اکتشاف کر لیتا۔ اور جب آگ کا اکتشاف کر لیا تھا تو یہ ضروری نہیں

تھا کہ وہ اس آگ کو کھانا پکانے کے لئے ہی استعمال کرتا۔ کیونکہ اس پر مجبور کرنے کی

کوئی وجہ نہیں ہے، اگر انسان نے آگ کو کھانا پکانے کے لئے استعمال کیا بھی تھا۔ تو یہ

عین ممکن تھا کہ انسان کھانے کی ابتدائی شکل پر توقف کر لیتا۔ کھانے میں لطف نہ برتا اور

نہ ہی کھانے سے متعلق اقدار، آداب اور روایات وضع کرتا۔

آگ کے انکشاف سے قبل ہی انسان میں فطری رغبت موجود تھی۔ اگر یہ رغبت نہ ہوتی۔ تو صرف آگ کے انکشاف سے یہ سب باتیں روزانہ ہوتیں۔

دراصل تصوری تفکر کی فطری قدرت نے انسان کی انکشاف آگ کی جانب رہنمائی کی ہے۔ اور یہ قدرت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

پھر تحسین جمیل کی فطری رغبت اور خوب سے خوب تر کی طرف گامزن رہنے کی انسانی رغبت نے — تاریخ کے طویل دور میں یہ تمام زیر بحث کارنامے انجام دیئے یا یہ اس مسئلہ کی پیچیدگی ہے — اور یہیں سے راہیں مختلف ہو جاتی ہیں۔

* * *

کیا اس کا مطلب یہ لیا جاتے کہ اوزار (Tools) کی ایجاد نے انسانی زندگی میں کوئی تغیر نہیں کیا؟

ایسا نہیں ہے! بلکہ آگ کی دریافت اور اوزار کی ایجاد سے پہلے کی زندگی بعد کی زندگی قطعاً مختلف ہے۔ کیونکہ بعد کی زندگی میں نئے نئے افکار، جدید مشاعر اور نئی تنظیمات نے جنم لیا ہے۔ وہم اگلے پیراگراف میں اجتماعی اور معاشی ارتقاء اور تغیر بیان کریں گے) آگ کی دریافت، مل کی ایجاد اور بارود اور بجلی کی ایجاد نے حیات انسانی میں ایک عظیم تغیر پیدا کر دیا۔

ہمیں اس تبدیلی اور تغیر سے کوئی انکار نہیں۔ بلکہ ہمارے نقطہ نظر سے تو یہ تغیر عین حقیقت انسانی کے مطابق ہے۔

ہمارے سامنے جو امر قابل بحث ہے۔ وہ یہ ہے کہ کیا اوزار کی ایجاد نے انسانی وجود میں کوئی تغیر پیدا کیا۔ یا انسانی فطرت میں پوشیدہ رغبات بروئے کار لے آیا۔

ہمارے سامنے جو امر قابل بحث ہے وہ یہ ہے کہ کیا اوزار کی ایجاد سے انسانی وجود میں کوئی تغیر پیدا ہو گیا۔ یا اس کی مدد سے فطرت انسانی کی پوشیدہ رغبات بروئے کار آئیں؟

فی الحقیقت ان دونوں امور میں بڑا فرق ہے۔

اگر لوہار نے انسانی وجود میں کوئی تبدیلی کی ہے تو اوڑا برا اصل ہوتے۔ جیسا کہ تادیخ کی مادی تعبیر کہتی ہے۔ اور اگر لوہار کی ایجاد انسانی فطرت میں پوشیدہ رغبتوں کے ظہور کا سبب بنتی ہے تو انسان اصل ہوتا۔ جیسا کہ تعبیر انسانی کہتی ہے۔

ظاہری نظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ آگ کی دریافت نے انسان میں کھانا پکانے کی فہمت پیدا کر دی ہے! مگر وہ کون سی قوت ہے جس نے انسان کو مجبور کر دیا کہ وہ آگ پر کھانا پکائے؟ کھانے پکانے کے واقعہ کا اس طرح تصور کیا جاسکتا ہے۔۔۔ جس کو مادی تعبیر

والے اتفاق کہتے ہیں۔ اور ہم اسے اللہ کی قدرت اور مشیت کی جانب محمول کرتے ہیں۔ کہ انسانی شکار کے قریب ہی آگ جل اٹھی جس سے شکار بھجن گیا۔ انسان کو گوشت بھجنے کی یہ خوشبودار بھی معلوم ہوئی۔ اور انسان نے اپنی فطری استعداد کی بدولت اس خوشبودار کھانے کے مزے کو خوشگوار محسوس کیا۔ پھر انسان اپنی تعمیری فکر کی مدد سے اس عمل کا بار بار بار اعادہ کرنے لگا۔ تاکہ اسے بھجنا ہو اور گوشت مل سکے۔

دونوں ہی صورتوں میں آگ کی دریافت نے انسان میں کسی نئی شے کو پیدا نہیں۔ بلکہ پہلے سے پوشیدہ رغبت کو واقعاتی دنیا میں محقق کر دیا۔

آگ کی دریافت سے کھانے کی ہیکلیں تغیر پذیر ہو گئیں۔ کیونکہ اس نئی دریافت سے نئے نئے کھانوں اور کھانے پکانے کے جدید طریقوں کے امکانات وسیع کر دیئے۔

مگر اپنے تمام امکانات کے باوجود کیا آگ میں یہ قدرت تھی کہ وہ انسان سے کہہ دے کہ اب اس خواہش پیدا کر دیتی جس کی جانب انسان کا نفس تامل نہ ہوتا۔ اور انسان اسے پسند نہ کرے؟

اگر آگ پر پکانے سے کھانے کا مزہ انسان کے مزاج کے مطابق نہ ہوتا۔۔۔ تو کیا

پھر بھی انسان پکا کر کھاتا؟

اگر انسان کی طبیعت میں کھانے کو خوب سے خوب تر بنانے کی رغبت نہ ہوتی
تو کیا پھر بھی انسان آگ کا استعمال کرتا؟

آگ کی دریافت نے انسان کے ممکنات میں بڑا ہر گیر اضافہ کیا ہے مگر یہ امکانات کس
شے کے امکانات ہیں۔ یہ انسانی فطرت میں پوشیدہ ان رغبتوں کے برستے کار آمد کے
امکانات ہیں جو ہمہ وقت ظہور کی منتظر اور اس کے مواقع تلاش کرتی رہتی ہے۔

فطرت انسانی کا تمام حالتوں میں ان رغبتوں کا شعور نہ رکھنا اس سلسلہ میں قریب
خوردگی کا اولین سبب ہے!

ہو سکتا ہے کہ انسان اول کو یہ شعور نہ ہو کہ آگ کے ذریعہ اسے لذیذ کھانے میسر آ
سکتے ہیں۔ اور اسے یہ شعور تجربہ سے گزرنے کے بعد ہی حاصل ہوا ہو۔ پھر بھی رجب
فطرت ہی ہے۔

۱ کوشش کرنا اور غلطی کرنا انسان اور حیوان کی تعلیم کا ایک طریقہ ہے۔ اور آخر کار یہ
طریقہ انسان یا حیوان کی فطرت سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے۔ فطرت سے متجاوز نہیں ہو سکتا
چنانچہ انسان نے کھانے کی بیشتر اقسام اپنائیں مگر بہت سی اقسام کو انسان نے استعمال نہیں
کیا۔ حالانکہ تمام اقسام آگ ہی کی مدد سے تیار ہوتی۔ گویا آگ کا استعمال اور اس استعمال
کا دائرہ کار فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہیں اور تاریخ کے کسی بھی مرحلہ پر انھوں نے فطرت
سے تجاوز نہیں کیا ہے۔

قریب خوردگی کا دوسرا سبب انسانی فطرت کی وسعت اور ہر گیری ہے جس کی بناء
پر لوگوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ چونکہ فطرت انسانی کی حدود نہایت وسیع اور ہر شے پر
محیط میں اس لئے فی الواقع انسانی فطرت کا کوئی قیامت نہیں ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ فطرت انسانی کی ہر گیری اور وسعت سے نہ تو اس کی حقیقت پر

دوڑتی ہے۔ اور نہ اس کا دائرہ کار باطل ہوتا ہے۔

فطرت انسانی اکثر اشیاء کو محیط ہے مگر تمام اشیاء کو محیط نہیں ہے۔ بلکہ کچھ ایسی حدود مقرر ہیں جن کے اندر شامل اشیاء کو فطرت قبول کر لیتی ہے۔ اور ان تمام امور کو رد کرتی ہے۔ جو اس دائرے میں نہیں آتے۔ اور ایسی کسی شے کو قبول نہیں کرتی جس کی قبولیت کی اس میں پہلے سے فطری استعداد موجود نہ ہو۔

تیسرا فریب خوردگی کا سبب انسانی فطرت کی لچک ہے جس کی بناء پر فطرت انسانی اپنی طبیعت کے خلاف ہر دباؤ کو برداشت کرتی چلی جاتی ہے۔ مگر ایک طرف فطرت انسانی ہر شے کو برداشت نہیں کرتی۔ بلکہ بعض اشیاء کو تھوڑے وقت کے لئے انگیز کر لیتی ہے اور اس کے بعد اس شے کے خلاف بغاوت کر دیتی ہے۔ جو اس کی طبیعت اور مزاج کے خلاف ہو۔ چنانچہ انسانی فطرت نے امتیوں کے خلاف بغاوت کی۔ کیونکہ وہ انسان کے انفرادی وجود کو کچل ڈالتی ہیں۔ اس نے ریاستی تسلیم کے خلاف بغاوت کی۔ کیونکہ وہ انسان کے انفرادی ملکیت کے جذبہ کو ختم کرنا چاہتی ہے۔ اور اسی طرح انسانی فطرت بہت سے انحراف کے خلاف بغاوت کرتی رہتی ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جن کو تاریخ کی مادی تعبیر ادبیات انسانی کی اجتماعی تعبیر نے نظر انداز کر دیا ہے۔

ان تغیرات کے سامنے یہ بات تو رہتی ہے کہ انسان ان قوتوں کے آگے مجبور و بے بس ہے۔ مگر یہ تعبیریں اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتی ہیں کہ انسانی فطرت ان قوتوں کے خلاف بغاوت بھی کرتی رہتی ہے۔

حالانکہ تاریخ کے ان دوری خطوط کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ دونوں ہی حقیقت ہیں۔ سلبیت اور ایجابیت کی دونوں ہی صفات انسان کے داخلی وجود میں فطری طور پر موجود ہیں!

تنقید کے اس مرحلہ پر اگر درج ذیل حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ تمام انسانی تصرفات میں اصل فطرت ہے

۲۔ تمام اوزار اور جدید آلات بذات خود انسانی فطرت کی تعبیر ہیں۔

۳۔ انسان میں تصوری فکر کی قدرت اور خوب سے خوب تر کی طرف جانے کی رغبت

موجود ہے۔

۴۔ اوزار اور آلات انسانی وجود میں کوئی اضافہ نہیں کرتے بلکہ جو کچھ اس کی طبیعت میں موجود اسی کو متحقق کرتے ہیں۔

۵۔ اگرچہ زندگی کی شکل پوری طرح متغیر ہو گئی ہے مگر تغیر بذات خود فطری تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور فطری حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔

یہ پانچوں حقیقتیں انسانی عمل کے مختلف میدانوں میں باسانی دیکھی جاسکتی ہیں اور ہمیں ضرورت نہیں ہے کہ ان کے ثبوت کے لئے تمام فطری امور بیان کریں۔ بلکہ وضاحت کے لئے چند مثالیں ہی بیان کر دینا کافی ہو گا۔

ہوائی جہاز کی ایجاد نے انسان میں تیز سفر اور دنیا کے مختلف اطراف میں جانے کی خواہش پیدا نہیں کی ہے۔ بلکہ تیز سفر کی اس پوشیدہ رغبت نے ہی انسان کو طیارہ کی ایجاد کی جانب مائل کیا۔ اور جوں ہی علمی امکانات نے اس خواہش کی تکمیل کے لئے موقع فراہم کیا۔ انسان نے اس کی تکمیل کر لی۔

اس سے قبل بھی انسان مختلف وسائل سے اپنے سفر میں سرعت اختیار کرتا تھا۔ کیونکہ یہ ایک فطری رغبت تھی۔ اور جب انسان عملاً عاجز تھا۔ اس وقت بھی وہ چاہتا تھا کہ اسے ایسے وسائل مل سکیں جن سے وہ ایک گھڑی میں کہیں سے کہیں منتقل ہو جائے اس لئے طیارہ انسان کے پرانے خواب کی تعبیر ہے۔ جس کی انسان پہلے تمنا کیا کرتا تھا! یہ درست ہے کہ طیارے کی ایجاد سے صلح و جنگ کے کچھ ایسے امکانات ابھرتے

جن کا پہلے پہلے انسان کے ذہن میں خیال بھی نہ آیا تھا۔ اور ان نئے امکانات کی روشنی میں صلح و جنگ کے تعلقات از سر نو تشکیل پاتے اور ان سے متعلق شاعر اور افکار نے نیا روپ دھار لیا۔

یہ حقیقت ہر نئی دریافت اور ہر ایجاد نو پر منطبق ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ایسے امکانات ابھرتے ہیں جو پہلے سے بالتفصیل سامنے نہیں ہوتے۔ مگر ہر نئی ایجاد سے پہلے عمومی شکل میں خواہش اور رغبت موجود ہوتی ہے۔ کوئی بھی موجد یہ نہیں کہتا کہ میں نئی سی ایجاد کروں گا۔ اب پھر اس کے استعمال کا کوئی ذریعہ تلاش کروں گا۔ بلکہ موجد یہ کہتا ہے کہ مجھے یا انسانیت کو ایسی ایجاد چاہیے جو اس مخصوص ضرورت کو پورا کر سکے۔

علمی بحث کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے بغیر غرض و مقصد کے اس کا ہر ایک اصول دوسرے اصول کی جانب لے جاتا ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ انسان کی فطرت کی فطری رغبت بحث علمی کو غذا دیتی ہے۔

انسان ان قوانین میں علمی بحث کے ذریعہ سے جن تک رسائی ہوتی ہے کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ اس لئے نہیں کہ انسان ان کی معرفت کی رغبت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس لئے کہ وہ انسان کے حیطہ اقتدار میں داخل نہیں ہیں۔

یہ قوانین فطرت میں چونکہ لوازم کائنات ہیں۔ اس لئے انسان ان میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ اور نہ کوئی تغیر کر سکتا ہے۔ یہ قوانین اس حالت کی ملکیت ہیں جس نے کائنات کو پیدا کیا۔

مگر انسان اپنی علمی بحث کے نتائج یا لوازم کائنات کی معرفت پر مرتب ہونے والے نتائج کی عملی تطبیق میں مداخلت کر سکتا ہے۔ (ان لوازم کائنات کی معرفت اور اور ان کو اپنے تابع بنانے کی قدرت انسان کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

یعنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جتنی چیزیں زمینوں میں ہیں ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا یا دیا جائے گا)

انسان اپنی مافلت سے تطبیق عملی کو اپنے مقاصد اور اپنے نفس میں پہلے سے موجود
 رغبتوں کے حصول میں لگاتا ہے اور انسانی رغبتیں موقع کی گھات میں رہتی ہیں۔
 جب کوئی دریافت یا ایجاد انسان کے سامنے ایسے نئے افق روشن کر دیتی ہے جو
 اس کے خیال میں بھی نہ تھے۔ پھر بھی انسان فطری رغبت کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔ جیسے
 قوت اور غلبہ کی رغبت، اظہار ذات، ہمیشہ رہنے اور ملکیت کی رغبت۔

انسان میں کوئی خیال و شعور ایسا نہیں ابھرتا جو ان میں پہلے سے موجود رغبتوں کے
 ماتحت نہ آتا ہو۔ ان تمام رغبتوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کے امکانات متعین فرما دیے
 نئی دریافت اور جدید ایجاد سے دنیا ہونے والا تغیر انسان کی فطری اور پوشیدہ
 رغبتوں کو نشوونما دیتا ہے۔ کیونکہ اس تغیر کی بناء پر ان رغبتوں کو ظہور کا موقع مل جاتا ہے
 مگر ایسا نہیں ہے کہ یہ تغیر فطری رغبتات کو از سر نو پیدا کر دیتا ہو۔ کیونکہ نشوونما دینے اور از سر
 نو تخلیق میں فرق ہے۔

۱۔ بچہ کا وجود مکمل مگر پوشیدہ ہوتا ہے۔ پھر بچہ نشوونما حاصل کرتا ہے تو اس کا وجود
 بھی متحقق ہو جاتا ہے۔ مگر کوئی شے نئی نہیں پیدا ہوتی۔ بچے کے پیرا، آنکھ اور کان کوئی
 شے بعد میں تخلیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ سب پہلے سے موجود ہیں۔ البتہ بچہ کے یہ اعضاء کمزور
 ہوتے ہیں اور بعد میں نشوونما پا کر بڑھتے جاتے ہیں۔ تو تغیر نشوونما ہوتا ہے۔ نہ کہ کسی شے
 کا عدم سے وجود میں لانا۔

یہ حقیقت ہر نئی دریافت اور ہر نئی ایجاد پر منطبق ہوتی ہے۔
 بل جس نے زمین کا سیتہ چیر کر تاریخ انسانی بدل کر رکھ دی۔ یہ اپنے موجد کے نفس
 میں پوشیدہ رغبت تھا۔ اور موجد اپنی یا انسانیت کی فطری رغبتات کی تکمیل چاہتا
 تھا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی۔ تو وہ ایجاد کی کوشش کیوں کرتا۔
 بارود کی ایجاد تھے ہلاکت اور لوگوں کو قتل کرنے کی رغبت نہیں پیدا کی۔ بلکہ اس
 نے پہلے سے موجود مختصر دائرہ میں کار فرما رغبت کو بڑے کار لانے کی کوشش کی ہے۔

بہر کیف کوئی بھی شے انسانی فطرت کی حدود سے خارج نہیں ہے۔ خواہ اس کی
حدود کس قدر وسیع کیوں نہ ہوں !

* * *

معاشی اجتماعی اور سیاسی ارتقاء

یہاں تک ارتقاء کی پہلی قسم کا بیان ہوا ہے۔ ذرائع و وسائل پیداوار کا ارتقاء
فطرت کی تغیر نہیں بلکہ اس کی تحقیق ہے۔ یہ ارتقاء فطرت کے عملی امکانات کو بڑھا کر فطرت
کو وسعت دیتا۔ اور اس کو نئی شکلوں میں ڈھالتا ہے۔ مگر اس میں کسی نئے عنصر کا اضافہ
نہیں کرتا۔ جو اس میں ابتدائی یا پوشیدہ شکل میں موجود نہ ہو۔

اُٹھو نہا دینے اور کسی شے کے اڑس نہ پیدا کرنے میں فرق ہے۔

ارتقاء کی یہ قسم فطرت کے مقررہ خطوط پر اس کی ہدایت کے مطابق گامزن ہے
فطرت اس کو آگے بڑھاتی اور وہ فطرت کے امکانات وسیع کرتا۔ اور بے قوت دیتا ہے
کیوں فطرت اس طرح قوت تکمیل اور تحقیق حاصل کرتی ہے — غرض ہر طرح معاملہ
فطرت کے دائرے میں رہتا ہے۔

اب ہم ارتقاء کی دوسری قسم یعنی انسانی زندگی کے معاشی، اجتماعی اور سیاسی ارتقاء
کو بیان کرتے ہیں۔

معاشی، اجتماعی اور سیاسی ارتقاء تاریخ کی مادی تعبیر کا اصل میدان ہے۔

تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ یہ سارا ارتقاء وسائل پیداوار کے ارتقاء سے پیدا

ہوا ہے۔ اور وسائل ارتقاء اس کا واحد سبب ہیں !

تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ جب انسان نے طریقہ زراعت دریافت کر لیا تو

وہ مجبور ہو گیا کہ شکار اور چراگاہوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ کر ایک ہی مقام پر سکونت اختیار

کر کے کھیتی باڑی کے بار آور ہونے کا انتظار کرے۔ انسان کا ایک جگہ سکونت اختیار کر لینا زراعت کی دریافت کا جبری نتیجہ تھا۔

جب انسان نے ایک جگہ سکونت اختیار کر لی تھی تو اسے اجتماعی تنظیم ضروری ہو گئی۔ تاکہ ان تمام کھیا رہتے والے لوگوں کے تعلقات کو منضبط کیا جاسکے۔

یہ تعلقات بھی زراعت کی دریافت کا جبری نتیجہ تھے۔ پھر زراعت ہی کے نتیجہ میں کچھ مخصوص طرز کے معاشی تعلقات بھی استوار ہوئے۔ کیونکہ زراعتی پیداوار کچھ لوگوں کے پاس کم ہوتی اور کچھ کے پاس زیادہ۔ اس لئے دونوں گروہوں میں تبادلہ ضروری تھا۔ اور یہ بھی زراعت کا جبری نتیجہ تھا۔

پھر ایک طرف زمین اور ان کی پیداوار پر جھگڑے رونما ہوئے۔ اور دوسری جانب کچھ اقوام نے قابل کاشت زمینوں پر لوٹ مار شروع کر دی۔ اس لئے ایک ایسی حکومت کا قیام ضروری ہو گیا۔ جو جھگڑوں کو نمٹائے۔ اور لوٹ مار کرنے والے گروہ کا مقابلہ کرے۔ یہ سیاسی اور جنگی تشکیلات بھی زراعت کا جبری نتیجہ تھی۔ جنگوں کے نتیجہ میں غلام آئے۔ جو ایک طویل عرصہ تک زرعی معاشرے میں سیاسی، اجتماعی اور سیاسی اعمال بنے رہے۔ غرض اس طرح زراعت کے جبری نتیجہ کی شکل میں جاگیر داری اپنی معاشی، اجتماعی اور سیاسی تنظیم کے ساتھ برپا ہو کر آگئی۔

پھر جب انسان نے مشین ریکارڈ کی۔ تو دنیا میں ایک نیا انقلاب رونما ہو گیا۔ شہروں میں کارخانے قائم ہوئے اور ان کو چلانے کے لئے سخت کوشش انسانوں کی ضرورت ہوئی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ زرعی زمینوں پر موجود غلاموں کو آزاد کر کے کارخانے چلانے پر لگایا جائے۔ جس کے جبری نتیجہ میں غلاموں کی آزادی کی تحریک چلی۔

اس کے بعد شہروں کے کارخانوں میں مزدور بھرتی ہو گئے اور سرمایہ دار کا سرمایہ بڑھنا شروع ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں جاگیر دار کے بالمقابل ایک نیا مفاد پرست طبقہ ابھر آیا۔

یہ مبشرین کی ایجاد کا جبری نتیجہ تھا۔ و زراعت سے صنعت کی جانب انتقال کے نتیجہ میں معاشرے کے اخلاق بھی متغیر ہو گئے۔

پھر سرمایہ دار اور مزدور دونوں طبقوں میں اپنے مصالح کے حصول کیلئے سیاسی کشیدگی کا ہونی جبرین کی ایجاد کا جبری نتیجہ تھی۔ اور یہ کش مکش آج تک جاری ہے۔ جس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ سامنے آنا چاہیئے۔ مگر نتیجہ کے بارے میں مختلف مذاہب ہیں۔ ایک مذہب کہتا ہے کہ یہ اشتراکیت ہے (COMMUNISM) دوسرا مذہب کہتا ہے کہ اشتراکیت ہے (SOCIALISM) تیسرا مذہب کہتا ہے کہ یہ نتیجہ ایک مشترک معاشرے (CO-OPERATIVE SOCIETY) کی شکل میں نمودار ہو گا۔ پھر ان سب مذاہب کے قائلین اپنے آپ کو جمہوری کہتے ہیں!

مادی تغیر کی پیش کردہ یہ ساری صورت نظام منطقی، مرتب، منظم اور مطمئن کر دینے والی محسوس ہوتی ہے۔ مگر اگر یہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس پر شکوہ عمارت میں سینکڑوں شکاف نظر آتے ہیں!

تاریخ کی مادی تعبیر معاشرتی، معاشی اور سیاسی ارتقاء کو صرف ذرائع پیداوار کے تغیر کی جانب منسوب کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں مارکس اور انگلز کے واضح اقوال پہلے بھی پیش کئے جا چکے ہیں۔ مارکس

کہتا ہے۔

”طریقہ پیداوار ہی زندگی کے اجتماعی، سیاسی اور معنوی اعمال کی صورت متعین کرتا ہے۔ درحقیقت لوگوں کا شعور ان کے وجود کا تعین نہیں کرتا۔ بلکہ خود لوگوں کا وجود ان کے مشاعر متعین کرتا ہے۔“

انگو کہتا ہے

”پیداوار اور تبادلہ اشیاء ہی کسی اجتماعی نظام کی اصل بنیاد ہیں۔ اس نظریہ کے

مختص تمام تغیرات اور بنیادی تبدیلیوں کے اسباب کی تلاش لوگوں کی عقل اور ان کے اذلی حق و انصاف کی اتباع میں نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ یہ تغیرات ان اسباب میں ڈھونڈنے چاہئیں جو طبعیت پیداوار اور تبادلاً اشیاء میں واقع ہوتے ہیں۔

غرض مارکس اور انگلز کی نظر میں ذرائع پیداوار کے تغیر کے سوا اور کوئی سبب نہیں ہے یہ دونوں نفس اور معاشرے کی ساخت میں طبیعت کے عملی نما کو کوئی اہمیت نہیں دیتے حالانکہ ذرائع پیداوار کا تغیر طبعی نہا ہی کا ایک منظر (PHENOMENON) ہے نفس انسانی جس طرح آلات اور ذرائع پیداوار کی ایجاد۔ اور ان کی تحسین کے ذریعہ اپنے عملی امکانات کو وجود میں لا کر نشوونما پاتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی فطرت میں پوشیدہ اجتماعی معاشی اور سیاسی امکانات کو وجود میں لا کر نشوونما پاتا ہے۔

جولیان ہکسلی (JULIAN HUXLEY) اپنی کتاب ”دور جدید کا انسان“ (MAN IN THE MODERN WORLD) میں کہتا ہے۔

”انسان کی وہ ساری خصوصیات جن کی بناء پر انسان ممتاز ہے۔ اور جو خصوصیات حیاتیاتی (BIOLOGICAL) کم اور نفسیاتی (PSYCHOLOGICAL) زیادہ ہیں یہ تمام خصوصیات مندرجہ ذیل خصائص سے پیدا ہوتی ہیں۔

(۱) انسان خاص اور عام فکر پر قادر ہے۔

(۲) انسان کے عقلی اعمال میں وحدت اور مماثلت ہے۔ جیسا کہ حیوانات میں عقل اور عمل علیحدہ علیحدہ ہیں۔

(۳) انسانی معاشرے میں اجتماعی وحدتوں کا وجود مثلاً قبیلہ، قوم، جماعت، کلیسا اور ہر ایک گروہ کا اپنی روایات و ثقافت کا پابند رہنا۔

اجتماعی، مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور معاشی تنظیمیں انسان کی نفسیاتی خصوصیات ہیں اور انسانی فطرت کی گہرائیوں میں پروست ہیں۔ ان کی تخلیق میں ذرائع پیداوار کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جیسا کہ تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ذرائع پیداوار کے تغیرات ان تنظیموں کو ایک خاص شکل دے دیں۔ تخلیق اور تشکیل میں بڑا فرق ہے۔ اگر نفسِ انسانی اصل ہے تو وہ گونا گوں شکلیں اختیار کر سکتا ہے لیکن اگر ذرائع پیداوار اصل ہیں۔ تو انسانی معاشرے کو ایک جبری شکل اختیار کرنا پڑے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ نفسِ انسانی ہی اصل ہے۔ اور ایسی حقیقت ہے جس کی تشریح سے ہر مادی تعبیر حاصل ہے۔

اجتماعی اور معاشی تنظیمات انسان کی نفسیاتی خصوصیات ہیں اور نشوونما میں فطرتِ انسانی کی تابع ہیں۔ نیا ایک نفسیاتی اور حیاتیاتی (PSYCHO-BIOLOGICAL) حقیقت ہے۔ اسے کسی خارجی تعبیر کی ضرورت نہیں ہے (سوائے اس کے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے)۔

یہ حقیقت ہے کہ نشوونما کے لئے غذا کی ضرورت ہے۔ مگر یہ کہنا غلط حقیقت ہے کہ غذا نشوونما کی خاصیت پیدا کر دیتی ہے۔ غذا تو صرف فطرت میں پوشیدہ اس خاصیت کے لئے عمل امکانات فراہم کرتی ہے۔

اجتماعی اور اقتصادی تنظیمات اپنی تمام تر پیدگی کے ساتھ انسانی فطرت کا فائدہ ہیں۔ یہ تنظیمات ذرائع پیداوار کا ساتھ دیتی ہیں۔ مگر ان کا تعلق سبب اور نتیجہ کا نہیں ہوتا۔ بلکہ تنظیمات اور ذرائع پیداوار دونوں ہی فطرت سے رہنمائی حاصل کرتی ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جزئیات میں بھی سبب اور نتیجہ کا تعلق نہ ہو۔ مگر جہاں تک مجموعی حیثیت کا تعلق ہے۔ تو ذرائع پیداوار کو اجتماعی اور معاشی تغیر کا سبب اسی قدر قرار دیا جا سکتا ہے جس قدر اجتماعی اور معاشی تغیر کو ذرائع پیداوار کے تغیر کا سبب بتایا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ یہ دونوں قوتیں انسانی فطرت سے رہنمائی سے حاصل کرتی ہیں
جہاں ذرائع پیداوار کا تغیری اجتماعی اور معاشی تنظیم کا سبب بنتا ہے۔ وہاں
اجتماعی معاشی اور سیاسی ضرورتیں بھی معاشرتی ڈھانچہ کے مطابق نئے ذرائع پیداوار کا
سبب بنتی ہیں؟

دونوں ہی قسم کے تغیرات میں انسانوں کی فطری ضروریات ہی اصل سبب بنتی ہیں
دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنے کی فطری رغبت نے کسی نہ کسی شکل میں معاشرے
کو جنم دیا۔ اور فرد کے نفس میں نہاں اس عمیق رغبت کی تکمیل ہوتی۔
جب معاشرہ وجود میں آگیا۔ تو فطرت انسانی میں موجود گونا گوں قوتوں اور صلاحیتوں
کی بنا پر معاشرے کی ضرورتیں بھی متعدد ہو گئیں۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

ہم نے تمہیں شعوب اور قبائل بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو
انسان کا شعوب اور قبائل میں تقسیم ہو جانا۔ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے نتیجہ میں رونما
ہونے والا جبری عمل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ فطرت کے واسطے سے بروئے
کار آتا ہے۔ جس فطرت میں یہ میلان اللہ تعالیٰ کا ولایت کردہ ہے۔
انسان شعوب و قبائل میں اس لئے تقسیم نہیں ہوا۔ کہ ذرائع پیداوار تغیر پذیر ہو
گئے۔ یا اور کوئی سبب نفس انسانی سے باہر رونما ہو گیا۔

نشور نما کی خاصیت۔ جو بچہ کو پران چڑھاتی ہے۔ اور جو فطرت کی گہرائیوں میں
پیوست حیاتیاتی خصوصیت ہے۔ یہ خاصیت بذات خود چھوٹے چھوٹے معاشروں کو بڑے
معاشروں میں منتقل کرتی ہے۔ چنانچہ خاندان قبیلہ۔ اور قبیلہ قوم میں بدل جاتا ہے۔ اس
طرح لوگوں میں پائے جانے والے ابتدائی اور براہ راست چھوٹے چھوٹے تعلقات بڑے
بڑے پیچیدہ اور بالواسطہ تعلقات میں بدل جاتے ہیں۔

اسی دوران تغیر پذیر ذرائع پیداوار بھی معاشرے میں اپنی جگہ بنا کر ایک فعال قوت بن جاتے ہیں۔

پھر ذرائع پیداوار کچھ معاشرے سے لیتے اور کچھ اسے دیتے ہیں۔ مگر ہر صورت میں انسانی فطرت سے ہم آہنگ رہتے ہیں۔

ذرائع پیداوار کا تغیر اور معاشرے کا تغیر ایک دوسرے کا سبب بنتے ہیں۔ چنانچہ کبھی تغیر پیداوار معاشرے کے تغیر کا سبب بن جاتا ہے۔ مگر بالآخر فطرت کی ناکامی خاصیت ہی مصدر ہوتی ہے!

مشین کی ایجاد صنعتی معاشرے کے وجود کا سبب ہے، مگر حصول قوت کی انسانی رغبت اور انسان کی زیادتی پیداوار کی رغبت و تاکہ معاشرے کی ضرورتیں وافر مقدار میں پوری ہو سکیں، مشین کی ایجاد کا سبب ہے۔ اور اس کی محرک وہ ہی انسانی فطرت ہے جسے آلات و سامان کے استعمال کرنے اور ان کو بہتر بنانے کی قدرت حاصل ہے!

اس کے علاوہ کچھ ایسی بھی تنظیمات ہیں جو ظاہری طور پر بھی ذرائع پیداوار کے تغیر کا نتیجہ نہیں ہیں۔ جیسے نکاح اور خاندان۔ کیونکہ یہ دونوں خالص اجتماعی ارتقاء ہیں اور یہ دونوں تاریخ کے تاریک ترین دور شکاری معاشرے میں بھی اسی طرح پائے جاتے تھے۔ جس طرح یہ چر و اسہ معاشرے یا زرعی معاشرے میں پائے گئے۔ یا جس طرح آج صنعتی معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔

بیسویں صدی کے ہر گز انسانی انحطاط کے باوجود جس انحطاط میں انسانی فطرت تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ آج بھی نکاح اور خاندان دو طبعی نظاموں کی شکل میں موجود ہیں۔ جن کے ساتھ انسانیت کو تباہ کرنے والی اباحت پسندی اور حلت پسندی بھی ابھرائی۔ جو ارتقاء نہیں ہے۔ جیسا کہ آج کے دانشور کہتے ہیں۔ بلکہ ایک قسم کا انحراف اور شذوذ ہے۔

ٹوڈ کایم کا یہ دعویٰ کہ نکاح اور خاندان غیر فطری ہیں۔ خود ٹوڈ کایم اپنے اس قول

کی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکا۔ (ہم اس موضوع پر اگلے باب میں تفصیلی بحث کریں گے)
 غرض ذرائع پیداوار کا تغیر اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء کا واحد سبب نہیں جیسا کہ
 مارکس اور انگلز کہتے ہیں۔ بلکہ یہ متعدد ابواب میں سے ایک سبب ہے۔
 یہ حقیقت ہے کہ ذرائع پیداوار کا تغیر انسانی زندگی کی شکل بدل کر رکھ دیتا ہے مگر
 یہ نتائج جبری نہیں ہوتے۔ اس کی سب سے واضح مثال یہ ہے کہ بیسویں صدی میں تمام بڑی
 اقوام کے ذرائع پیداوار یکساں ہیں مگر اس کے باوجود مغرب میں اس کا نتیجہ سرمایہ داری اور
 مشرق میں اشتراکیت ہے۔ اور ان دونوں نظام ہائے حیات میں اجتماعی، معاشی اور
 سیاسی فرق واضح ہے!

اس سے بڑھ کر یہ کہ اشتراکی روس نے اپنے تمام مادی وسائل پیداوار سرمایہ دار
 یورپ سے حاصل کئے۔ کیونکہ روس تو ابھی ابھی زار روس کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی
 جاگیرداری، جہالت اور تاریکی سے آزاد ہوا تھا۔ مگر روس کو کوئی صنعتی تجربہ تھا۔ اور نہ اس
 کے پاس صنعتی آلات تھے۔ جب روس نے اپنے خاص فکری نظام کو برپا کر کے ملک
 میں عظیم صنعتی تحریک چلائی تو اس نے سرمایہ دار یورپ کے تمام ترقی یافتہ ذرائع پیداوار
 استعمال کئے۔ البتہ انہیں اپنے مقاصد، اصول اور اقدار کے تحت استعمال کیا۔

یہی ذرائع پیداوار مغرب میں انفرادیت کے حق میں استعمال ہو رہے تھے۔ اور یہ
 ہی ذرائع پیداوار روس میں انفرادی ملکیت کے خاتمہ اور اجتماعیت کے قیام کے لئے استعمال
 ہوئے۔ چنانچہ انفرادی ملکیت ختم کر دی گئی۔ سیاسی پارٹیاں توڑ دی گئیں۔ جمہوریت کا کلا
 گھونٹ دیا گیا۔ اور — پرولتاریہ آمریت قائم ہو گئی!

سب سے بڑھ کر مسخرہ پن یہ ہے کہ مارکس صاحب — جن کا خیال تھا کہ ذرائع
 پیداوار کے تغیر کے نتیجے میں ہونے والے اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء کے تاریخی ادوار
 جبری اور لازمی ہیں — انہی مارکس صاحب کا خیال تھا کہ صنعتی ترقی اور مزدوروں اور

سرمایہ داروں کی بلقائی کشمکش کے نتیجہ میں اشتراکیت سب سے پہلے ترقی یافتہ ممالک کے مخصوص انگلینڈ میں برپا ہو گئی۔ مگر مزید کہ دس جاگیر داری سے نکل کر اور سرمایہ دارانہ دور کو بیچ میں پھلانگ اچانک اشتراکی دور میں داخل ہو گیا۔ اور انگلینڈ آج تک سرمایہ دار ہے۔ اس کے علاوہ اکثر و بیشتر انسانی زندگی کے معاشی، اجتماعی اور سیاسی میدانوں میں تغیرات کا ذرائع پیداوار کے تغیر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور اس کی مثال اسلام ہے۔

جزیرہ نمائے عرب اور اس وقت کی دنیا میں کون سی ایسی مادی قوت تھی اور ذرائع پیداوار میں کون سے تغیرات رونما ہو رہے تھے۔ جن کے نتیجہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ظاہر ہوئے اور انھوں نے لوگوں کو اسلام اور دین جدید کی دعوت دی۔؟ یہ لوگ کہتے ہیں کہ جزیرہ نمائے عرب کے لوگ قبائلی دور گزار کر ایک قوم بننے والے تھے۔ اس لئے ان واقعات کی بناء پر اور اس ارتقار کی جبریت کے نتیجہ میں ایک امرطبیعی کے طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ظہور ہوا۔

چلتے۔ ہم اس بات کو مان لیتے ہیں کہ جزیرہ نمائے عرب کے لوگ قبیہ سے قوم بننے والے تھے۔ مگر کیا اسلام عربی قوم کا مذہب تھا؟!

مدینہ جانے سے پہلے جب ریاست کی بنیاد نہیں رکھی گئی تھی۔ انصار کے اجتماع سے قبل جب کہ مادی قوتیں جمع نہیں ہوتی تھیں اور قوتِ نائدہ حاصل نہیں ہوتی تھی۔ صرف چند پرانگندہ حال لوگ ایمان لاتے تھے۔ جن کو ایمان لانے کے جسم میں ان کے اہل خاندان اور دوست احباب چھوڑ چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی ٹھکانہ تھا۔ نہ کسی کی حمایت حاصل تھی۔ ان حالات قرآن کریم نے اعلان کر دیا تھا۔

﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ﴾ یہ قرآن تمام جہانوں کے لئے نصیحت

ہے۔ سورہ قلم۔ (۵۲)

یہ سورہ قلم کی آیت ہے۔ جو قرآن کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔

سورہ ہمدانی، میں کہا گیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا

ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری دینے والا

اور ڈرانے والا

سورہ اعراف، میں فرمایا

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي سُرَّحُولٌ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

اے محمد! کہو کہ۔ اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔

(اعراف - ۱۵۸)

۱۔ کیا اسلام عربی قوم کا مذہب تھا؟ حالانکہ نبیؐ فرماتے ہیں۔

۲۔ تمام لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح آپس میں برابر ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی نفیست

نہیں سوائے تعوی کے۔

✓ کیا یہ دعوت قوم سازی کی دعوت تھی یا پوری انسانیت کے لئے دعوت تھی؟

لئے تائیکہ کی مادی جبریت کے قائلین۔ کیا تمہاری تاریخ کی جبریت اسی طرح چند

سالوں میں تبدیل سے انسانیت کی جانب لے آتی ہے؟

✓ کیا قبائل کا قوم بن جانا ہی فکری اجتماعی اور معاشی نظام استوار کرنے کا سبب

بن جاتا ہے۔ اور اس کے لئے مادی تغیر اور ذرائع پیداوار میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہوتی؟

ماحول کی منطق اسلام پر چسپاں نہیں ہوتی۔ بلکہ اسلام کی منطق اور ماحول کی منطق

میں نہایت طویل عرصہ کشمکش بپا رہی ہے۔ حتیٰ آنکہ نیا عقیدہ اپنی قوت اور اپنے عناصر خیر کی

بنا پر غالب آگیا۔ اور اس نے ماحول کی منطق کو کچل کر اسے لوگوں کے دلوں سے نکال پھینکا۔

اس وقت کا ماحول عورت کو حقیر خیال کرتا تھا۔ اور عورت کی حیثیت بڑے زیادہ نہ

تھی۔ لڑکیوں کو زندہ دگر کر کیا جاتا۔ اور ان کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھاتی جاتی۔ پھر عورت جوان ہونے تک اس قوانین آمیز سلوک کو برداشت کرتی۔ حتیٰ کہ وہ بیوی بن کر کسی کی ملکیت بن جاتی۔ خود عورت کی اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ اپنی حالت پر ناگواری کا اظہار کر سکے اور جزیرہ نمائے عرب ہی کیا پوری دنیا میں ایسا کوئی جیالا نہ تھا جو عورت کے حقوق کا مطالعہ کر سکتا — مگر

اسلام آیا تو اس نے کہا

فَمِنْ عَمَلٍ صَالِحٍ مَنْ ذَكَرَ إِذَا نَشَأَ
فَلَحْنُ بَيْنَهُ حَيَاةً طَيِّبَةً
فَاشْتَبَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا
أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ
ذَكَرَ إِذَا نَشَأَ بَعْضُكُمْ مِنْ
بَعْضٍ -

مرد و زن میں سے جو بھی نیک کام کریگا
ہم اسے اچھی زندگی دیں گے۔
سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان
کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے
کام کو جو کہ تم میں سے کرے گا ہوا کارت نہیں کرتا
خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ تم آپس میں

(آل عمران - ۹۵)

ایک دوسرے کے جز ہیں

وَمَا يَشْرَوْهُنَّ بِالْمَخْرُوفِ

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی سے

(۱۹ - النساء)

گناہا کر د

پھر اسلام نے اس مروت کے قواعد اور قوانین تعین کئے۔

انسانیت اور اللہ کی نظر میں مساوات کے ساتھ اسلام نے عورت کو ملکیت اور

تصرف کا بھی حق دیا۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا

مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ

نمات ہے اور عورتوں کے لئے ان

(نساء - ۳۳)

کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔

لِّلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ
الْوَلَدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ
نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَلَدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ

مردوں کے لئے حصہ ہے۔ اس چیز میں
سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے
قربت دار چھوڑ جائیں۔ اور عورتوں کیلئے بھی
حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت

(النساء - ۷)

نزدیک کے قربت دار چھوڑ جائیں۔

۱ عورتوں کو یہی حق فرانس میں بیسویں صدی میں آکر ملا ہے۔
اس وقت کے ماحول کا یہ اصول تھا کہ غلبہ صاحب قوت کا تسلیم کیا جاتا تھا۔ نہ
کہ صاحب حق کا۔ عربوں کا ایک قوم بننا کسی ایسے جبری طریقہ پر نہیں تھا۔ جو یہ اصول
بدل جاتا۔ آج بیسویں صدی میں کتنی ہی اقوام اس اصول پر کاربند ہیں۔

مگر جب اسلام آیا۔ تو اس نے صرف انسانیت کی بنیادوں پر ہر ایک کو اس کا حق
دیا۔ اور کسی کے غلبہ قدرت اور طاقت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اسلامی معاشرے میں
رہنے والے غیر مسلموں کو بھی ان کے حقوق ملے۔

اسلام ۲
انسانیت

قرآن کریم میں نو آئیں ایک ایسی یہودی کی تہمت دور کرنے کے لئے نازل ہوئیں
جس پر غلط تہمت لگائی گئی تھی۔ اور تہمت لگانے والے مدینہ کے طاقتور لوگ تھے۔
جب کہ یہودی کا کوئی مددگار و حامی نہ تھا۔ قرآن نے اس یہودی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا

وَمَنْ يَكْتُمِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا
فَلْيُؤْمَرْ بِهِ بِيَمِينِهِ فَرَدًّا
أَوْ حِمْلًا مُّجْتَنَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا

اور جو شخص چھوٹا گناہ کرے۔ یا بڑا گناہ کرے
پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے۔ سو
اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور مرتد

(النساء - ۱۱۳)

گناہ اپنے سر لادنا۔

اس وقت کے ماحول میں سردار قبیلہ کی اس قدر توقیر کی جاتی تھی کہ اسے خدا بنایا
جاتا تھا۔ اور اس کے کسی قول و عمل پر کوئی گرفت نہ ہوتی۔ آج بھی ساری دنیا کا اپنے حکام کے

ساتھ ہی دستور ہے۔ مگر جب اسلام آتا ہے۔ تو وہ عرب قوم کو اس قدر عظیم سیاسی شعور عطا کرتا ہے کہ ایک عام انسان تاریخ اسلامی کے سب سے پرہیزگار خلیفہ کے سامنے یہ کہہ دیتا ہے کہ

”خدا کی قسم اگر ہم تمہاری روش میں کوئی غلطی پائیں گے تو اسے بڑے سنگین ٹھیک کر دیں گے۔“

اور یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو غصہ نہیں آتا۔ بلکہ وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اس وقت کا عربوں کا مشہور کرم اس امر تک محدود تھا کہ وہ ایسی مہمان نوازی کرتے کہ قافلہ دار لے اس کو یاد رکھتے اور قبائل میں وہ نیکو کار ذریعہ بنتا۔ رہ گیا فقر و مسکین کی ہر طرف انسانیت کی بنیادوں پر مدد کرنا۔ جس میں نہ شہرت ہو اور نہ منافعت تو ایسا اس ماحول میں بہت ہی شاذ و نادر ہوا کرتا تھا۔

✓ مگر اسلام آیا تو اس نے اس امر پر شدید امر لایا کہ مسکین کو اللہ کے مال میں حصہ ملنا چاہیے، اور اس سے نرمی اور نرمگساری کا برتاؤ ہونا چاہیے۔

حالانکہ نبی کریمؐ کو اس حکم کی ضرورت نہیں تھی مگر اس کی اہمیت واضح کرنے کیلئے آپ کو براہ راست حکم دیا گیا۔

✓ قَاتِلُوا الْيَتِيْمَ فَلَا تُفْسِدُوْا مَا
الْيَتِيْمَ فَلَا تُفْسِدُوْا (ضحیٰ ۱۰۹) جھڑکے

✓ اس وقت کے ماحول کا یہ تقاضا تھا کہ اشراف تو اشراف ہی سمجھے جاتے مگر غلاموں کی زندگی جانوروں سے بھی بدتر تھی۔ ان پر ہر قسم کے ظلم و ستم ڈھائے جاتے تھے۔

✓ مگر جب اسلام آیا۔ تو اس نے زیدؓ نامی غلام کی شادی نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ پھر زیدؓ سے کر دی۔ اور زیدؓ کو قاتل شکر بنادیا۔ جس شکر میں ابو بکرؓ و عمرؓ۔ رسول اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور خلیفہ بھی شامل تھے۔

اور — نبی کریم — صلی اللہ علیہ وسلم — نے فرمایا۔

”جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے اور جس شخص نے اپنے غلام کی ناک کاٹی ہم اس کی ناک کاٹیں گے۔“

غلاموں کو یہ شرف اس لئے نہیں عطا کیا جا رہا تھا کہ کوئی اس کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اور نہ ہی اس لئے تھا کہ معاشی حالت پیداواری تعلقات یا ذرائع پیداوار میں کوئی ادنیٰ سا تغیر آگیا تھا!

اس وقت کے ماحول میں انفرادی ملکیت قطعاً ہر قید سے آزاد تھی۔ اور کسی قانون کے متعلق نہ تھی۔

اسلام نے ملکیت کا ایسا نظام دیا۔ جس کی چند خوبیوں تک دنیا کی رسائی آج جا کر ہوئی ہے۔ جب کہ لوگ جاگیر داری اور سرمایہ داری کے جہنم میں پوری طرح تھلس چکے۔ اسلام نے کہا — کہ

سرمایہ اللہ کا ہے۔ اور جماعت اس کی نگراں ہے۔ فرد اس مال میں تصرف کا حق رکھتا ہے۔ اگر فرد اس حق کو صحیح طور پر استعمال نہ کر سکے۔ تو یہ حق پھر جماعت کو واپس مل جائے گا۔

اسلام نے تقسیم دولت کا یہ اصول بیان کیا۔

كَيْ لَا يَكُونَ مِثْلَةٌ بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ

تاکہ یہ مال تمہارے دولت مندوں

میں نہ ہو (حشر،) کے درمیان مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔

غرض اس وقت کے ماحول کے تعلق اور معاشرے کی منطق کچھ اسی قسم کی تھیں مگر اسلام نے ان تمام تقاضوں اور ان تمام منطقوں کو بالکل تبدیل کر کے ایسے اصول وضع کئے جو اس وقت کے ماحول اور اس وقت کی تمام دنیا کے لئے اجنبی تھے۔

پھر یہی نہیں کہ اسلام کے مثالی (IDEALS) نظائر میں ملتی ہوں۔ اور عمل

دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو — بلکہ چلتے پھرتے انسان ان اصولوں کا نمونہ تھے! جن سے دل ہر وقت اللہ کی یاد میں مستغرق رہتے!

یہ سب کچھ آخر کیوں کرتا ہوا؟

تاریخ کی کرن سی جبریت اور کن سی مادی جدلیت (DIALECTIC MATERIALISM)

انسانی تاریخ کے اس عجوبے کو بیان کر سکتی ہے؟!

ایک حقیقت سے اس تاریخ کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ — جب انسان اللہ پر پکا سچا ایمان لے آتا اور اس کا دل عقیدہ سلیمہ سے لبریز ہو جاتا ہے۔ تو اس سے ایسے ہی معجزے رونما ہوتے ہیں! —

* * *

اسلامی تاریخ کا یہ دور۔ جو کوئی نظریاتی تصور نہیں۔ بلکہ فی الحقیقت تاریخی واقعات ہیں۔ اس اسلامی تاریخ نے مادی تعبیر کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں۔

اس اسلامی دور کی تعبیر وہ ہے جس سے مادیت انتہائی گریزاں ہے۔

اس اسلامی دور کی تعبیر یہ ہے کہ انسان اور اللہ کے درمیان تعلق ہے۔ اللہ کی تقدیر دنیا کے واقعات کی تشکیل کرتی ہے۔

اللہ کی تقدیر نے انسان کو آگ کی دریافت اور اوزار کی ایجاد کی جانب متوجہ کیا۔ اللہ کی تقدیر نے انسان کو آپس کی پہچان کے لئے شعوب اور قبائل میں تقسیم کر دیا۔ اس کا کوئی سبب نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ اللہ ایسا کرنا چاہتا تھا — اور

اللہ کی تقدیر نے انسان کو اسلام اور اسلام کی بنیاد پر ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے کی جانب متوجہ کیا۔ اس کا بھی اس کے سوا کوئی سبب نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرنا چاہتا تھا

اسلامی معاشرے کے قیام کا سبب نہ ذرائع پیداوار کا ارتقاء تھا۔ اور معاشرے کا
طبعی نصاب اگرچہ انسان کو اسلام کی طرف ہدایت اور ایک مثالی معاشرے کے قیام کی جانب
رہنمائی میں انسانی فطرت کے ان کمالات کو ضرور مد نظر رکھا گیا۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت کو
عطا کئے ہیں۔

تاریخ کی ہر وہ تعبیر جو اللہ، اللہ کی تقدیر اور انسانی زندگی میں اللہ کی تقدیر کی مداخلت
سے منکر ہو۔ اور انسان کی تعبیر ایک دائم بالذات حادثہ کی طور پر کرے۔ یا اس کے وجود کو
خالص مادی اسباب کا نتیجہ بتائے۔ ایسی ہر تعبیر غلط۔ اور حقائق وجود کی تعبیر سے ناظر ہے!
ڈارون کا یہ قول ایک حماقت ہے۔ کہ۔

”زندگی کے مسائل کی تعبیر اس طرح کرنا۔ کہ زندگی کا ایک صاحب ارادہ خالق ہے۔ ایسا
ہی ہے۔ جیسے خالص میکانیکی ڈھانچہ میں کئی خلافت طبیعت عنصر داخل کر دیا جائے۔“
جس کا جی چاہے۔ تاریخ، زندگی اور کائنات کی تعبیر اس خلافت طبیعت عنصر کے
بغیر کر کے دیکھ لے۔ کہ اس کی تعبیر چند قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے گی۔ کہ اس کا کھوٹ فوراً معلوم
ہو جائے گا!

اس خلافت طبیعت عنصر کی مداخلت سائنس، طبیعت، مادہ، اجتماعیات اور
معاشیات کے قوانین کو معطل نہیں کرتی۔ جیسا کہ مغربی سائنس سمجھتی ہے۔ بلکہ یہ تو ان قوانین
کو مکمل اور درست کر کے پوری طرح نافذ ہونے کا موقع دیتی ہے۔

* * *

علمی ارتقاء کی طرح، اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء بھی لوگوں کو ان کی فطرت

”اسلام کا مزاج“۔ میں ”فطرت کی رسائی“ کا باب۔ اور ”اسلامی نفسیات“
میں باب ”مذہب اور فطرت“ دیکھئے۔

سے دور نہیں لے جاتا۔ اور لوگ بہر حال اپنی فطرت کے تابع رہتے ہیں! جب بھی کوئی نئی ایجاد سامنے آتی ہے۔ لوگوں کے افکار اور مشاعر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے اور لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ دنیا بالکل بدل گئی ہے۔ اس میں ماضی کے شاعر اور تصورات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا پر نفس کا کوئی نیا پہلو غالب آ گیا ہے جس کا پہلے وجود نہ تھا!

کچھ وقت بعد زمیوں سے اس ایجاد کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ تو لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ اپنی فطرت اپنے غامض شائل، اور اپنی تمناؤں اور مخاوف کی دنیا میں لوٹ آتے ہیں!

اب ان کی وہ ہی تلاشِ رزق ہوتی ہے۔ وہ ہی باس، مکان اور عیس کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ پھر ملکیت، کشمکش، اور خود نمائی کی محبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ ہی موت کا خوف اب بھی دامن گیر ہوتا ہے۔ وہ ہی جینے کی آرزو اب بھی بے چین کتے رکھتی ہے۔ اسی طرح تمام اجتماعی، معاشی اور سیاسی تبدیلیاں لوگوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہیں اور ان کے افکار اور مشاعر کو نئی شکل دیدیتی ہیں — مگر لوگ بہر حال اپنی فطرت ہی پر رہتے ہیں! خاندان، قبیلہ، قوم اور انسانی معاشرہ۔

گدبان معاشرہ، زرعی معاشرہ اور صنعتی معاشرہ

باپ کی حکومت۔ مقدس بادشاہ کی حکومت۔ جمہوری حکومت۔ ایک طبقہ کی حکومت اور ایک پارٹی کی حکومت۔

ان تمام مراحل میں انسان اپنی وسیع فطرت سے نہیں نکلا ہے اس کا انفرادیت اور اجتماعیت کا جذبہ — اس کی آزادی اور پابندی کی خواہش اس کا سلبیت اور ایجابیت کا میلان — اور اس کی ملکیت، خود نمائی اور کشمکش کی محبت فطرت کے دائرے میں رہتے ہوئے نئے نئے روپ دھارتی رہتی ہے!

انسانی فطرت کی لچک اور اس کی وسعت، فطرت کے عدم وجود کی دلیل نہیں بن سکتی
جیسا کہ ڈرکایم صاحب سمجھ بیٹھے اور جیسا کہ تاریخ کی مادی تعبیر خیال کرتی ہے !

✓ | انسانی فطرت کے وجود کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب فطرت کے خلاف کوئی
بات انسان پر مسلط کی جاتی ہے تو انسان طبعی طور پر اس کے خلاف بغاوت کرتا ہے۔ جس کے
ظاہری اسباب کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی !

قرون وسطیٰ کے آخر میں یورپ میں غلاموں کی بغاوت کے اسباب تلاش کرتے ہوئے
تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ صنعتی معاشرہ کے وجود کارخانوں میں مزدوروں کی ضرورت اور
کارخانوں میں کام کے لئے غلاموں کی آزادی میں اس بغاوت کے اسباب پنہاں تھے۔

چلتے مان لیتے ہیں۔ کہ یہی اسباب تھے۔ اور یہ سبب نہیں تھا کہ انسانی فطرت
غلامی سے انکار کرتی ہے۔ خواہ اسے صدیوں غلام رکھا جائے۔ مگر —

اس مشہور غلاموں کی بغاوت کی کیا تعبیر کی جاتے جو رومی دور میں اسپارٹاکوس

(SPARTACUS · 71 · 80 c) کے زیر قیادت برپا ہوتی تھی۔ اور جس نے رومن ایمپائر

کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ حالانکہ اس وقت نہ صنعتی معاشرہ وجود میں آ رہا تھا۔ اور نہ ذرائع پیدا

میں ایسا کوئی تغیر تھا جو غلاموں کی آزادی کا متقاضی ہوتا !

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم صنعتی معاشرے کے وقت ظاہر ہونے والے

غلاموں کی آزادی کے براہ راست اسباب کو تسلیم نہیں کرتے ! بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ

ہم ان اسباب کو فطرت کا تابع بتاتے ہیں جو فطرت اپنے ظہور کے لئے مناسب موقع کی

منتظر رہتی ہے۔

اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ان حالات کی بناء پر یہ دوسری بغاوت کا میاب ہو گئی جب

کہ رومی سلطنت کی پہلی بغاوت ناکام رہی۔ مگر شکست و فتح فطرت سے مختلف ہوتے ہیں

✓ | فطرت ہر حال میں ایک ہی رہتی ہے !

تاریخ کی مادی تعبیر سامراج کے اسباب تلاش کرتی ہے۔ تو کہتی ہے کہ سامراج نے اس لئے جہنم لیا کہ لوگوں نے نفع کے ذریعہ سرمایہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور زائد پیداوار کو کھانے کے لئے مارکیٹ کی تلاش ہوئی۔

چلنے پر اسباب مان لیتے ہیں اور یہ بھی مان لیتے ہیں کہ سامراج کا سبب فطرت کا وہ انحراف نہیں ہے جس میں انسان دوسروں سے اقتدار غصب کرتا۔ اور خود نشہ اقتدار میں بدست ہو کر لوگوں کو ذلیل کرتا اور انہیں اپنے سامنے سزنگوں ہونے پر مجبور کرتا ہے؟
مگر اس مشہور رومی سامراج کی کیا تعبیر کیجئے گا۔ جس نے قوموں کو غلام بنا کر ان کا خون چوسا۔ اور ان کی محنت کی کمائی خود لوٹ کر انہیں فقر بیماری اور جہالت میں سسکا چھوڑ دیا۔ تاکہ رومی قوم حرام لذتوں، فحش کاریوں اور غیر رویوں کے بہتے ہوتے خون سے لطف اندوز ہو سکے؟

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم جدید سامراج کے براہ راست اسباب کو تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ہم ان اسباب کو فطرت کے انحراف کا تابع بتاتے ہیں۔ جو انحراف پہلے سامراج اور آج کے سامراج دونوں کا اہل محرک ہے!

اشتراکیت نے انفرادی ملکیت کو ختم کر کے انسانی فطرت کو بدلنے کی کوشش کی اور اس لئے ہر قسم کا تشدد، جاسوسی، اور پولیس کے تمام وسائل روا رکھے گئے۔ جس کا اٹالین کے مرنے کے بعد خرد شچیف نے اعتراف کیا ہے — مگر اس ساری کوشش کا نتیجہ کیا ہوا۔

کہ زائد زائد خود آمریت فطرت انسانی کی جانب لوٹنے لگی۔ چنانچہ ایک طبقہ میں ایک ہی عمل کی جبریں مختلف ہو گئیں۔ اور خرچ ہونے والی اشیائیں انفرادی ملکیت کی اجازت مل گئی۔ یہاں تک کہ خرد شچیف نے اعتراف کیا کہ اجتماعی کاشت سے مقررہ فوائد حاصل نہیں ہو رہے ہیں۔ اور اجتماعی کھیتوں سے اس قدر پیداوار ہو رہی ہے جس قدر انفرادی

کھیتوں سے ہو جاتی ہے ؟!

حقیقت یہ ہے کہ فطرت اپنے اعتدال اور انحراف کے ساتھ اجتماعی، معاشی اور سیاسی تغیر کی تجدید کرتی رہتی ہے اور اس تغیر و ارتقاء کو اس کے فطری نواز کے دوران اپنی لچک اور وسعت کی بناء پر متعدد شکلیں اختیار کرنے دیتی ہے مگر یہ تمام اشکال فطرت ہی کے دائرے میں محدود رہتی ہیں !

* * *

اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء کے بارے میں ہماری پیش کردہ بحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل حقائق ہیں۔

۱۔ اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء کبھی کبھی ذرائع پیداوار کے تغیر سے البتہ ہوتا ہے۔ مگر یہ وابستگی نتیجہ اور سبب کی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تعلق مصاحبت کا ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک تغیر دوسرے کے تغیر کا سبب بنتا ہے۔

۲۔ یہ ارتقاء دراصل انسانی فطرت میں موجود نشوونما کی خاصیت سے ہوتا ہے (جب تک اس خاصیت نما کے راستے میں کوئی طبعی رکاوٹ نہ آجائے)۔

۳۔ جس شکل میں بھی یہ ارتقاء ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ جبری نہیں ہے۔

۴۔ یہ ارتقاء اللہ تعالیٰ کی براہ راست تقدیر سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ مذاہب سماویہ کہتے ہیں جن کے سرفہرست اسلام ہے۔ اور یا بالواسطہ اللہ کی تقدیر کے مداخلت سے ظاہر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فطرت میں ارتقاء کی قوانین و روایت کر دی ہیں۔ مگر ہر حال میں ارتقاء کا مرجع انسانی فطرت ہی ہوتی ہے۔

ارتقاء و تغیر خواہ کیسی ہی شکل کیوں نہ اختیار کرے۔ وہ ظاہری صورت میں تغیر ہوتا ہے۔ انسان کے اصل جوہر میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

* * *

اب تک ہماری بحث کا مرکز ذرائع پیداوار کا ارتقاء اور اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء رہے ہیں۔ ان دونوں قسم کے ارتقاء کا مصدر ہم نے انسانی فطرت اور اس کی قوتوں کو قرار دیا ہے۔ ہم نے اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ ان سارے تغیرات کے باوجود بھی فطرت ثابت اور غیر متغیر ہے۔

اب ارتقاء کی باقی دو اقسام — نفسیاتی اور اخلاقی ارتقاء — کے بیان سے ہم ایک حقیقت کی وضاحت ضروری خیال کرتے ہیں۔

ہم علمی اور اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء کو بے اثر نہیں جانتے اور نہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس ارتقاء سے واقعاتی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اگر کوئی شخص ایسا کہتا ہے تو وہ عقل سے عاری ہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے۔ جیسے کوئی شخص کہے کہ شیر خوار بچہ تمام حالتوں میں ایک بڑے مرد کے برابر ہے! ہم تو اس ارتقاء کو زیادہ وضاحت سے پیش کر رہے ہیں اور اس کی حقیقت کو مدلل بیان کر رہے ہیں

ہمارے کہنے کا منشاء یہ ہے کہ ارتقاء کا مرجع انسانی فطرت ہے۔ اور انسانی فطرت کا مرجع اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہر نئی دریافت اور ہر ایجاد نو کے بعد زندگی کی شکل بدل جاتی ہے، اسی طرح ہر اجتماعی، معاشی اور سیاسی تغیر کے بعد بھی زندگی کی شکل متغیر ہو جاتی ہے۔ لوگ نئے نئے افکار اور تصورات اپنا لیتے ہیں۔ اور انہی افکار و تصورات پر لوگوں کے درمیان نئے رشتوں اور تعلق کی بنا پڑ جاتی ہے۔

مگر یہ بات ہم بار بار بتا چکے ہیں کہ زندگی کی شکل کے بدل جانے سے فطرت انسانی نہیں بدل جاتی۔ زندگی کی نوع تو بدلتی ہوئی اشکال و مراحل غیر متغیر فطرت کے رنگ ہیں۔ تغیر اور عدم تغیر دونوں کی اپنی اپنی حقیقت اور اپنا اپنا دائرہ اثر ہے۔ اس میں کوئی

تعارض نہیں ہے۔

اور حق میں تعارض صرف جزئیت پسند ذہنوں میں ابھرتا ہے۔ جن کے ذہن بعض جزا کے درمیان ربط و تعلق معلوم کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

(بچہ کے جسم اس کے نفس اور عقل کا نشوونما ایک حقیقت ہے۔ مگر اس کے باوجود بچہ میں کچھ فطری صفات اور میلانات وہی ہوتے ہیں جو ایک بڑے مرد میں ہوتے ہیں۔ ان کی صورتیں اور شکلیں بدل سکتی ہیں۔ مگر جوہر اور اصل ایک ہی ہوتے ہیں۔

بچہ خوف زدہ ہوتا ہے۔ اور ایک بڑا انسان بھی خوف زدہ ہوتا ہے۔ بچہ امید کرتا ہے۔ بڑا آدمی بھی امید کرتا ہے۔ بچہ کھانے کی جستجو کرتا ہے۔ بڑا بھی کرتا ہے۔ بچہ لڑتا ہے۔ بڑا بھی لڑتا ہے۔ بچہ سوچتا ہے۔ بڑا بھی سوچتا ہے۔ بچہ کاوش کرتا ہے اور بڑا بھی کاوش کرتا ہے۔

اپنی ابتدائی اور پوشیدہ شکل تمام اصلی فطری صفات اور محرکات بچہ کے نفس میں موجود ہوتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ یہ صفات و محرکات نما حاصل کر کے مکمل اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح انسانی زندگی مکمل طور پر اس کی فطرت میں پنہاں تھی۔ اپنے نشوونما کے مختلف مراحل میں مختلف اپنے وجود کو محقق کرتی رہی۔ اور زندگی کی ہر شکل اس کے وجود ذات کی تکمیل کرتی رہی۔

* * *

ارتقاء کی پہلی دو اقسام — ذرائع پیداوار کا ارتقاء اور علمی، اجتماعی، معاشی اور سیاسی ارتقاء کے بیان کے بعد اور ان کے درمیانی ربط اور اس کی گہرائی۔ اور ہر ایک کے بذات خود مستقل ہونے کو بیان کرنے کے بعد اب ہم باقی دو اقسام نفسیاتی اور اخلاقی ارتقاء کو بیان کرتے ہیں۔

یہ بھی ہر سکتا تھا کہ ہم دونوں اقسام کو یکجا بیان کر دیتے کیونکہ ان کے درمیان بڑا

گہرا ربط ہے۔ مگر پہلی دونوں اقسام کی طرح یہاں بھی ربط مکمل نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کا اپنا مخصوص پہلو بھی ہے۔

نفسیاتی ارتقاء سے ہمارا مقصد وہ تمام شاعر، افکار، تصورات، اقدار اور جذبات جو نفس سے متعلق ہیں۔ ان کا تا اور ان کی پختگی ہے۔

اخلاقی ارتقاء سے ہم اخلاقی اقدار کا ارتقاء مراد لیتے ہیں۔ اس طرح کہ یہ اقدار اعمال انسانی کے بارے میں بتائیں کہ کون سے غلط ہیں۔ اور کون سے صحیح۔ حلال ہیں۔ یا حرام بلند ہیں یا پست۔ اور انسان کس حد تک ان اقدار کا خیال رکھتا ہے۔

نفسیاتی پختگی اور اخلاقی پختگی میں صاف صاف ربط و تعلق محسوس ہوتا ہے۔ مگر ہر ایک کا ایک مخصوص پہلو بھی ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نفس شاعر کی قوت، ان کی گہرائی اور وسعت میں پختگی حاصل کرے مگر اس کے باوجود وہ اخلاقی بگاڑ سے دوچار ہو۔ یا ہو سکتا ہے کہ اخلاقی پختگی تو حاصل ہو۔ مگر نفسیاتی لحاظ نا پختہ ہو۔ اس لئے ہم نے دونوں قسم کے ارتقاء کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا مناسب خیال کیا۔

* * *

نفسیاتی ارتقاء

نفسیاتی ارتقاء فطری طور پر نفس کے تمام پہلوؤں کی تکمیل اور پختگی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جس طرح جسم میں نما ہوتا ہے۔ اسی طرح نفس میں یہ ارتقاء فطری تحریک کے طور پر ابھرتا ہے۔ اس کے لئے کسی خارجی تعبیر کی ضرورت نہیں ہے۔ سوائے اس تعبیر کے جو انسان اور کائنات کو شامل ہے۔ کہ وہ اپنی اس فطرت کے تقاضوں کے ماتحت کامزن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا کہ اس کو متعدد قوتوں اور صلاحیتوں سے بھر لو کر دیا ہے۔ اور اللہ کی اس تقدیر کے ماتحت کار فرما ہے جو تقدیر ان قوتوں اور صلاحیتوں کو نما اور حرکت بخشتی ہے۔

تاریخ کی مادی تعبیر مادی ترقی — اور ذرائع پیداوار کے ارتقاء کو نفسیاتی
— ارتقاء کا محور بتاتی ہے۔

اس سلسلہ میں مادی تعبیر ایک پرفریب منظر (PHENOMENON) کا سہارا لیتی
ہے۔ وہ یہ کہ علمی تقدم اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والا معاشی اجتماعی اور سیاسی ارتقاء
نفس کو مشینی انداز میں نمادیتا ہے۔ کیونکہ نفس مادی معیار کا عکس ہے۔ اگر مادی معیار ترقی کر
جائے تو نفس خود بخود ارتقاء کرے گا۔

یہ ایک پرفریب منظر ہے!

بے شک سائنسی ترقی پختگی حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔

بچہ جہاز بیسویں صدی — بالخصوص نصف آخر میں جنم لیتا ہے
جس کے گرد و پیش میں سینما، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ہیں۔ ہوائی جہاز اور راکٹ ہیں۔ ہتھیار
پیمپہ مشینیں ہیں۔ پیمپہ اجتماعی روابط ہیں۔ بین الاقوامی اور داخلی سیاست کے
گٹھ جوڑ ہیں۔ جو لحاظ بہ لحاظ بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی حالات جنگ کے سے ہوتے ہیں۔ اور
کبھی صلح کے سے — اس گرد و پیش اور اس ماحول میں جو بچہ جنم لیتا ہے وہ زیادہ
پختہ ہوتا ہے۔ اس کی معلومات زیادہ وسیع ہوتی ہے۔ اور اس کے بعض مشاعر، تصورات
اور افکار دسویں صدی یا بارہویں صدی کے ایک بالغ مرد سے زیادہ پختہ ہوتے ہیں۔
مگر یہ بات مضحکہ خیز حد تک غلط ہے۔ اگر ہم یہ تصور کریں کہ آج کا بچہ اس وقت
کے مرد سے اپنے مجموعی نفس کے لحاظ سے زیادہ پختہ ہے — کیونکہ یہ بہر حال بچہ
ہے جس کے ادراکات ابھی نشوونما پا رہے ہیں۔ وہ زندگی کو ایک بچہ کی نفسیات اور
بچکانہ مفاد اور تصورات کے ساتھ دیکھ رہا ہے — اور

اس وقت کا مرد بہر حال بالغ اور تجربہ کار تھا اور جہاں تک اس کا نفس پختگی
حاصل کر سکتا تھا۔ اس حد تک اس کا نفس بطور مجموعہ پختگی حاصل کئے ہوئے تھا۔

اس مثال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فی الحقیقت علمی ترقی نفس کے بعض پہلوؤں کو پختگی دیتی ہے مگر مروت علمی ترقی نفس کو مکمل طور پر پختگی نہیں دے سکتی کیونکہ جن پہلوؤں کو پختگی ملتی ہے اس قدر وسیع نہیں ہوتے کہ پورا نفس اس کے زیر اثر آجائے!

بیسویں صدی کی چکاچوند کر دینے والی علمی ترقیات نے لوگوں کو اس خیالِ خام میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ یہ صدی گزشتہ تمام تاریخی ادوار سے بہتر اور زیادہ علمی ترقیات کی حامل ہے اور آج کائنات کی قوتوں پر انسان کی گرفت زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔

آج کے انسان کو اسی خام خیال نے اپنے نفسیاتی اور اخلاقی عیوب کی جانب سے لاپرواہ کر دیا ہے!

انسان نے اس سائنسی ترقی کے دور میں جب کہ اس نے ایٹم کو ٹکڑے کر رکھا اور اکتوفونیا میں بند کر دیا۔ اور ستاروں پر کمندیں ڈال دیں۔ اس کے باوجود انسان زندگی کے بعض پہلوؤں میں بچوں کی نفسیات اور بعض دوسرے پہلوؤں میں قریب البلوغ جوانوں کی نفسیات کھتا ہے۔ بلکہ بعض پہلوؤں میں تو اس کی نفسیات حیوانات سے ملتی ہے اور حیوان والی ضبط کی جلی قوتوں سے محروم ہے۔

یہ سائنسی ترقی بنیہ اخلاقی اور نفسیاتی رہنمائی کے نفس کے فساد کو دور نہیں کر سکتی بلکہ نفس میں غرور پیدا کر کے فساد میں مزید اضافہ کر دیتی ہے کہ نفس ہر غلط اقدام کو بھی صحیح تصور کرتا،

تِلْكَ هَلَاكُكُمْ بِالْأَخْسَائِنِ أَعْمَالًا
الَّذِينَ صَلَّاتُكُمْ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ
يُقِيمُونَ صَلَاةً
اپنے ان سے کہیں کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ
بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خالص
میں ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی
محنت سب گئی گزری ہو اور انہی خیال

میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

والکف - ۱۰۳ - ۱۰۴

یہ ساری سائنسی ترقیات — برقی سرد خانے، کپڑے دھونے کی برقی مشین، مشین انسان اور الیکٹرونی داغ — ایک بٹن پر انگلی رکھ دیکھتے تو نہایت پچیدہ کل پرزے والا دیو ہیکل مشینوں والا پورا کارخانہ چل پڑے! یا بٹن دبا دینے سے تیار شدہ کھانا سامنے آجائے جیسے پرانی کہانیوں کا جن لایا کرتا تھا۔ یا بٹن دبا کر آپ پر کیفیت موسیقی سننا شروع کر دیں۔ یا بٹن دبا کر اپنے کمرے کو ایئر کنڈیشن کر لیں۔

یہ ساری سائنسی ترقی جو ایک لمحہ میں ساری دنیا کی سیر کر ادیتی ہے۔ آپ ایک لمحہ میں دنیا بھر کی خبریں سنتے، حالات کا مشاہدہ کرتے اور ان میں شریک ہوتے ہیں — ریڈیو، ٹیلیوژن اور ٹیلیفون آپ کا رابطہ پوری دنیا سے قائم رکھتے ہیں — گویا دنیا کی سمیت دریکے کھلے ہوئے ہیں۔ جن میں جہانک کر آپ دنیا کے بارے میں اس قدر معلومات حاصل کر سکتے ہیں جو آپ کو عمر بھر کے سفر سے حاصل نہیں ہو سکتیں اور یہ سب کچھ گھڑ بیٹھے ہو جاتا ہے جیسے قدیم جادوئی کہانیوں کا جن پوری دنیا کو ہتھیلی پر رکھ کر خواب گاہ میں لے آتا تھا۔ سائنسی ترقی جس نے کائنات کے آفاق تک رسائی کر لی۔ لاکھوں ستارے اور کواکب دیکھے۔ ان کی حرارت کی پیمائش کی۔ ان کے فاصلوں کو ناپا۔ اور انسان ان ستاروں تک پہنچنے کی جدوجہد کرنے لگا۔

اس ساری سائنسی ترقیات نے بیویں صدی کے انسان کی نفسیات کو کیا دیا — اس وقت ہم اخلاق کے بارے میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ انسانی شرافت کو بڑے گانے والی سطحیت! جس سطحیت کی بناء پر انسان اس قابل نہیں رہا کہ کسی بھی معززت، یا شعور یا سکریں گہرائی حاصل کر سکے بلکہ انسان تمام معاملات میں سطحی طور سے گذرتا ہے۔

معاملات پر حکم لگانے میں جزئیت پسندی اور کسی بھی مسئلہ پر مکمل نظر نہ ڈالنا۔ بلکہ تمام جزئیات کو علیحدہ علیحدہ اور مستقل طور پر دیکھنا۔ بغیر یہ غور رکھتے ہوئے کہ کائنات اور

واقعات کے لحاظ سے اس مسئلہ کی کیا حقیقت ہے۔

پست بینی انداز جس نے لوگوں کے شاعر، افکار اور اعمال کو بھی مشینی بنا دیا۔ کہ ایک ٹن دبائے سے اعمال صادر ہونے لگیں۔ دوسرا ٹن دبائے افکار ابھرائیں۔ اور تیسرا ٹن دبائے تو شاعر کا احساس ہو جاتے۔

ایسے شاعر جو جانوروں سے زیادہ قریب ہیں۔ بلکہ بسا اوقات۔ جانوروں سے بھی گتے گذرے۔ کیونکہ جانوروں کے شاعر تو اپنی مستقیم اور مضبوط فطرت کے تابع ہیں۔ گھبر بادیت۔ جس نے روح کو کچل کر اور اس کے پر نوح کر مٹی میں ڈال دیا۔ اور اب اس میں تاج پرواز ہی باقی نہیں رہی۔

مریضانہ واقعیت۔ جو انسان کو مجبور کرتی ہے کہ اس لمحہ کے بارے میں سوچے جس میں وہ اس وقت زندہ ہے اور کمال کے ہر تصور اور خیال اور اس کے حصول کی ہر کوشش سے گریز کرے۔

حسیت جس نے شاعر کو خالص جسمانی لذت میں بدل دیا اور اب یہ شاعر انسانی میلانات کی پکار پر لبیک نہیں کہتے۔

یہ ہے بیویں صدی میں نفسیاتی ترقی کا حاصل! — یاد رہے کہ ہم اخلاق کے بارے میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں!

یہاں مشین کا حاصل ہے۔ جس نے انسان کو بھی ایک ایسی مشین بنا دیا ہے جو صرف جس قریب کے دائرے میں سرگرم عمل ہوتی ہے۔

یہ ایسا نفسیاتی اختلال ہے جس کی کوئی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی!

تاریخ کی مادی تعبیر اس حقیقت کی مختلف تفسیریں اور عقلی توجہات کرتی ہے۔ ان میں سے کچھ توجہات فخریہ طور پر سامنے لائی جاتی ہیں۔ اور کچھ کو ذرا جھجکتے ہوتے۔
 بیسویں صدی میں انسان کی شکل جس طرح مسخ ہوئی ہے۔ اس سے خود مادی تعبیر بھی پریشان ہے!

یہاں پر مادیت کی پیش کردہ تفسیرات اور توجہات پر تنقید مقصود نہیں ہے بلکہ صرف اس حقیقت کو نمایاں کرنا مقصود ہے کہ سامانی ترقی کا انسان کی نفسیاتی وضع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سامانی ترقی کرتی رہے۔ اور اس کا ہر لمحہ ایک نئی ترقی کا ضامن ہو۔ مگر نفس بہر کیف اپنی روش پر قائم رہے گا۔ اگر نفس کو صحیح رہنمائی مل گئی تو شیک ہے ورنہ ساری سامانی ترقی اور ذرائع پیداوار کا تمام ارتقاء بھی مل کر نفس کے فساد کو دور نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس میں کچھ مزید اضافہ ہی ہوگا۔ — جیسا کہ آج بیسویں صدی میں صورت حال ہے۔
 اب ہم نفسیاتی ارتقاء کو زیر بحث لاتے ہیں۔

نفسیاتی ارتقاء کیا ہے؟

وہ کن سے عوامل ہیں جو اس ارتقاء پر اثر انداز ہوتے ہیں؟
 اور — انسانی فطرت پر یہ ارتقاء کیا اثرات مرتب کرتا ہے؟
 حیاتِ انسانی کے ہر جزو کی طرح — نفس انسانی بھی فطری طور پر نما حاصل کرتا ہے اور پختگی تکمیل چمپیدگی اور شمول اختیار کرتا جاتا ہے۔
 نشوونما کے دوران نفس اعتدال اور انحراف کی دونوں حالتوں سے گذرتا ہے۔ کیونکہ دونوں حالتیں انسانی طبیعت میں فطری ہیں۔ لہٰذا

۱۔ اسلامی نفسیات میں "نشوونما اور انحراف" کا باب دیکھئے۔

انسانیت اپنے ابتدائی ایام میں سادگی سے زیادہ قریب تھی۔ اس کی تعبیر سادہ اور براہِ راست تھی۔ اس کی ضبط کی قوتیں کمزور تھیں۔ ان قوتوں میں مغنویت سے زیادہ حیدت اور شمول سے زیادہ جزئیت تھی۔ یہ قوتیں زندگی کے برتنے اور امور زندگی کی تعبیر و دلوں میں جزئی تھیں۔

مگر اس کے ساتھ ابتدائے انسانیت میں انسانیت وسیع الخیال تھی۔ اس کا خیال ہر پابندی سے آزاد اور ہر شے کے تخیل پر قادر تھا۔ اور ہر شے کی باسانی تصدیق کر لیتا تھا۔ پھر انسانیت نے پختگی کی جانب قدم بڑھایا۔

کیونکہ نما اس کی فطرت میں شامل ہے اور کسی مزید عقلی توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر نفس کے نما کے لئے غذا ضروری ہے۔ ورنہ وہ کلا کر ختم ہو جاتے۔

جس خالق نے نفس کو پیدا کیا۔ اور اس کی فطرت میں نما کی صلاحیت رکھی۔ اسی خالق نے نفس کی غذا بھی تخلیق فرمادی۔ جیسے بچے کے لئے پستان تخلیق کیا۔ اور انسان کی ساری غذا سہل الحصول بنادی۔

نفسیاتی نما کی غذا تجربہ ہے۔ اور انسان کی فطرت میں یہ بات موجود ہے کہ وہ تجربہ کرے اور اس سے فائدہ اٹھاتے۔

دنیا تے جس نفس اور روح سے لے کر مادی اور معنوی کائنات تک — ساری زندگی انسان کی تجربہ گاہ ہے۔

جب بھی عقل انسانی مادی کائنات کو برتی ہے۔ اسے کوئی نہ کوئی تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انسان نے آگ دریافت کی۔ مادہ کے خواص دریافت کئے۔ اور موادِ نباتات اور حیوانات سے تعامل کا طریقہ سیکھا۔

مگر جب نفس انسانی کائناتِ مادی کو برتا ہے تو ایک دوسری نوعیت کا تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کن امور سے عاجز ہے اور کن امور پر اسے قدرت

حاصل ہے۔ اس عجز اور قدرت سے اس کے مشاعر عظامہ، اور انکار بنتے ہیں۔ پھر انسان عبادت کرتا ہے اور عقائد اختیار کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی سرکش و مغرور بن جاتا ہے۔ اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے عجز پر غلبہ پائے اور مزید قدرت حاصل کرے اس کوشش کے نتیجہ میں اس کے نفس عقل اور جسم کی پنہاں طاقتیں ابھرتی ہیں۔

پھر انسان لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ تو اسے ایک میرا تجربہ حاصل ہوتا ہے بلکہ متعدد تجربات ہوتے ہیں۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ اسباب کی بناء پر لوگوں سے محبت کرتا ہے اور کچھ لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔ نہ کبھی وہ دوسروں پر ظلم کرتا ہے تو یہ تو مظلوم ظلم کو برداشت کر لیتا ہے۔ یا اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ کبھی کوئی دوسرا ظلم کرتا ہے۔ تو یہ خود یا ظلم کو انگیز کرتا ہے۔ یا اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ کچھ لوگوں کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ اور کچھ سے وہ مستغنی ہوتا ہے۔ جھگڑتا ہے اور دوستی کرتا ہے۔ جنگ و صلح کرتا ہے۔ تعاون کرتا ہے۔ اور علیحدگی اختیار کرتا ہے۔ — ان تمام امور سے نظام ہائے زندگی، قوانین اور تعلقات بنتے ہیں۔

بعض جب بھی انسان کوئی قدم اٹھاتا ہے۔ ایک نئے تجربہ سے دوچار ہوتا ہے اور ان تجربات سے نشوونما اور وسعت حاصل کرتا ہے۔ اور اس کا قوام مضبوط ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ سادگی سے پیچیدگی کی جانب آتا رہتا ہے۔ وہ سادہ اور براہ راست تعبیر کی بجائے پختہ اور گہری تعبیر اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے نفس کے عضلات اور ان کے ضبط کی قوتیں طاقتور ہو جاتی ہیں۔ خیال واقع کے ساتھ مل کر عقلیت سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے مستقیم (NORMAL) نشوونما کے عمل میں یہ تمام امور بیک وقت تکمیل پاتے

۱۔ قرآن کہتا ہے کہ محبت و نفرت نفس میں ایک دوگانہ منظر ہے۔ جو بغیر کسی سبب کے رونما ہوتا

ہے۔ ہم اس قول پر اپنی کتاب اسلامی نفسیات میں بحث کر چکے ہیں۔

ہیں۔ تجربات بڑھتے اور آلات و اوزار اور ذرائع پیداوار بہتر ہو جاتے ہیں۔ اجتماعی ہسیا کی اور معاشی حالت ترقی پا جاتی ہے۔ اور نفس اپنی مجموعی حالت میں پختہ ہوتا اور گہرائی پاتا ہے مگر فردی نہیں کہ تمام امور ہر حالت میں مستقیم (normal) رہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی نفس یا زندگی کا ایک پہلو ناپا جاتا ہے اور باقی پہلو کمزور رہ جاتے ہیں۔ — اور فطری اور سلیم طریقہ پر تمام پہلو ناپا نہیں حاصل کر پاتے۔

اکثر مادی پیداوار یا نفسیاتی تجربہ یا فکری تجربہ بڑھ جاتا ہے۔ اور تمام تجربات نامکمل اور غیر مستقیم (AB - normal) رہ جاتے ہیں۔

تاریخ میں ایسی کئی مثالیں نظر آتی ہیں۔

یونانی اپنے دور میں فلسفہ اور فطریاتی علوم کے ذریعہ فکری ترقی میں انتہائی عروج پر پہنچ گئے تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کی زندگی میں بہت سے اختلال تھے۔ سب سے بڑھ کر روحانی پہلو خلل آتا تھا۔ کیونکہ ذہنی برتری اور عظمت نے روحانی عمل کو معطل کر دیا تھا۔

ہندو نے اپنے دور میں لہوت و عبادت کی نورانیت اور سارے وجود کو شمال روح کلی میں اپنے آپ کو فنا کر کے عظیم تر روحانی ترقی حاصل کر لی تھی۔ مگر ان کی زندگی میں بھی بہت سے خلل تھے۔ سب سے نمایاں خلل یہ تھا کہ ان کے مزاج میں سلبیت نے جنم لے لیا تھا۔ اور وہ مادی پیداوار سے قطعاً لاپرواہ ہو گئے تھے۔ کیونکہ بڑھتے ہوئے روحانیت کے رجحان نے زندگی کی ایجابیت کو پشیمردہ کر دیا تھا۔

رومیوں نے اپنے دور میں مادی ترقی حاصل کی۔ انھوں نے مذہبیت (civics) کو عملی طور پر نافذ کیا۔ راستے اور پل بنائے۔ حمام بناتے۔ بند باندھے۔ کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے انتظام کئے۔ حکومت صلح و جنگ کی سیاست کے لئے تنطیمیں بنائیں۔ اس کے باوجود ان کی زندگی میں بہت سے اختلال تھے۔ سب سے نمایاں خلل روحانی

اور اخلاقی خلل تھا۔ وہ حیوانات اور متاع زندگی میں کچھ اس طرح الجھ کر رہ گئے تھے جیسے خونخوار جانور اپنی خون آشامیوں میں مصروف ہوں۔ یا بغیر روح کے اجسام متحرک رہے ہوں۔

مصر لوں نے اپنے دور میں مادی اور روحانی دونوں ترقیات حاصل کیں۔ اس زمانے کی اقوام کی بہ نسبت ان کی عبادات اور عقائد بہت ترقی یافتہ تھے۔ ان کے پاس آسمانی مذاہب کے بھی کچھ باقی ماندہ اصول موجود تھے۔ اگرچہ ان میں کافی کچھ تحریف ہو چکی تھی۔۔۔۔۔ ان کی انجینیئرمنٹ تنظیمیں اور مادی پیداوار بھی ترقی پذیر تھی۔ اس کے باوجود ان کی زندگی میں کئی ایک اختلال تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انھوں نے فرعون کو خدا بنا کر اس کی پیشکش شروع کر دی تھی۔ اور اس کے ظلم و ستم کو انگریز کرنا ان کی عادت بن چکا تھا۔ یہ عیب ان کی پوری تاریخ پر چھایا ہوا ہے، وہ موت اور دوسری دنیا کے بارے میں بہت سوچ بچار کرتے۔ اور دنیاوی معاملات میں کمتر حدود پر اکتفا کر لیتے تھے۔ جس سے ان کا معیار زندگی بلند نہ ہوتا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ مذہبیت اور ترقی سے عاجز تھے کیونکہ ان کی وہ صنعتیں جو فرعون کے حکم پر انجام دی جاتیں خاصی بلند تھیں، بلکہ اس تناعت کی بناء پر جو ان کے مزاج کا حصہ بن گئی تھی۔ اور جس کی بدولت وہ ایک روٹی کے ٹکڑے اور ایک چٹائی پر تناعت کر لیتے تھے۔

ان تمام صورتوں میں زندگی کے تمام پہلوؤں کو ایک ساتھ ترقی نہیں ملی۔ جیسی کہ ملنی چاہیئے۔

یہ سب وہ حالات تھے جب انسانیت اپنے دور طفولیت سے گذر رہی تھی جب اسلام آیا تو انسانیت عقل و رشد کے دور میں داخل ہو گئی۔

انسانیت اسلام کی دعوت اور اس دعوت کو قبول کر کے اس وقت میں رشد کو پہنچی جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

طہر لیب
در عتق
رہلہ

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَيُكْمَلُ وَاسْتَبْرَأْتُ
 عَلَيْكُمْ بِنِعْمَتِ اللَّهِ وَسَمِعْتُ لَكُمْ
 إِلَّا سَلَامَ دِينِنَا
 آج کے دن تمہارے لئے تمہارے
 دین کو میں نے کامل کر دیا۔ میں نے تم پر
 اپنا انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام
 کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔ (المائدہ-۳)

اس دن انسانیت کا رشد مکمل ہو گیا۔ اور انسانیت نے روتے زمین پر خلافتِ راشدہ قائم کر دی۔

یہ رشد کیوں کر حاصل ہوا۔ اس کے مظاہر اور امتیازی علامات کیا ہیں؟
 رشد عقلی قرار۔ لام کی طبیعت ہی۔ سے نمایاں ہے۔ اسلام عقل کو مخاطب کرتا ہے اور
 اسے حسی معجزات کے تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اسلام عقل کو ہدایت دیتا اور اس کے سامنے
 راہیں روشن کرتا ہے۔ تاکہ عقل انسانی بذاتِ خود معلوم کرے کہ زمین اور آسمان کس "حق"
 سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور انسانی زندگی اور اس دنیا و آخرت کے تمام اعمال کون سے "حق"
 پر قائم ہیں۔

اسلام نے عقل کو اس کے تمام میدانوں میں آزادی دی ہے کہ وہ کائنات میں کبھی
 ہوتی اللہ کی نشانیوں پر غور کرے۔ قوانینِ طبیعت کا پتہ چلائے۔ قوانینِ نطرت معلوم
 کرے۔ تلاشِ رزق کے لئے دنیا میں سفر کرے اور کائناتِ مادی کو برت کر اس سے تو انین
 اخذ کرے۔ تاریخ کا مطالعہ کرے کہ اباب عروج و زوال اُمم تلاش کرے۔ اور اس مطالعہ
 سے اپنے حال اور مستقبل میں فائدہ اٹھائے اور قانون سازی کی حکمتوں کا مطالعہ کرے
 ہدایت اور نصیرت کے ساتھ سیاسی، معاشی اور اجتماعی تنظیمات قائم کرے۔

اسلام نے روحانی رشد عطا کیا تاکہ انسان اللہ کی ہدایت حاصل کرے۔ اسی سے
 اپنا رشتہ استوار کرے۔ اسی سے مدد حاصل کرے۔ اور اسی کی صحیح صحیح عبادت کرے۔ اللہ
 کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ اور اس کی عبادت کے سوا ہر گراہ عبادت کو چھوڑے

— ایک انسان دوسرے انسان کی عبادت کرے۔ نہ کوئی انسان کسی بت کی پرستش کرے نہ کائناتی قوتوں کی پوجا کرے۔ اور نہ ہی انسان اپنی خواہشات اور ہوائے نفس کا بندہ بنا رہے۔

اسلام نے حسی رشد عطا کیا۔ کہ لوگ مادی اور تہذیبی وسائل کی جستجو کر کے انھیں برو کار لائیں اور اس میں مفید اضافے کریں — چنانچہ اسلامی تہذیب کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

اسلام کا تربیت یافتہ انسان ایک راشد پنختہ اور مکمل وجود ہے۔ جس کے تمام پہلوؤں نے ساتھ ساتھ نہایت متوازن بھرپور اور ہمہ گیر نشوونما حاصل کیا۔

اسلام کا تربیت یافتہ انسان انسانیت کا عروج ہے۔
— امت راشدہ نے زندگی کے تمام پہلوؤں اور انسانی عمل کے ہر گوشہ میں بلند مثالیں (IDEALS) قائم کئے ہیں۔

مسلمانوں نے نہایت تیزی سے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ جن کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

انہماقی ثبات قوت اور پورے زور کے ساتھ اس وقت کی ساری دنیا کو عقیدہ کی روشنی سے منور کر دیا۔

اسلام نے شخصیات کے روپ میں ایسی مثالیں چھوڑیں۔ جن سے رہتی دنیا تک انسانیت استفادہ کرتی رہے گی — مثلاً خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ کی پیارا کردہ صحابہ کی جماعت۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، ابو عبیدہؓ، خالد بن ولیدؓ، سلمان فارسیؓ، مصیبؓ رومیؓ، بلالؓ، عمار بن یاسرؓ، اسماعیلؓ، عائشہ صدیقہؓ، فاطمہ زہراؓ — ام سلمہؓ سمیت اور نبیؐ اور اسی طرح وہ سینکڑوں اور ہزاروں انسان جو ہر طرح کے انقلابات کے باوجود آج تک تعمیر ہوتے چلے آ رہے ہیں۔!

✓ اسلام کو جس قدر وسائل مہیا ہوتے ان سب سے کام لے کر عظیم الشان تہذیب
ساتم کی۔

تجربہ اسکول کی بنیاد رکھی۔ جو آج تمام علوم جدیدہ کی بنیاد ہے۔ اور جس کے سہارے
سائنس نے دور جدید میں اس قدر ترقیات کی ہیں۔

✓ غرض اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کی ہے۔ یہ انسانیت کا عروج تھا۔

کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم لوگ اچھی جماعت ہو۔ کہ وہ

تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ

جماعت لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

ہے۔ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو

اور بری باتوں سے روکتے ہو۔ اور اللہ

(آل عمران - ۱۱۰) پر ایمان رکھتے ہو۔

مگر انسانیت نے اپنے اس عروج کی حفاظت نہیں کی۔

سائنس نے ترقی کی نفسیاتی تجربات بھی مختلف میدانوں میں آگے بڑھ گئے

مگر اختلال بھی رونما ہو گئے۔

✓ انسانیت کبھی روح کی جانب زیادہ مائل ہوتی ہے۔ کبھی عقل کی طرف جھکتی ہے اور

کبھی جسم کی طرف۔

مادی تہذیب کو اہمیت دیتی ہے اور روحانی تہذیب کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

سائنس ترقی پر توجہ دے رہی ہے۔ اور اخلاقی رہنمائی کو چھوڑ دیا۔

حیات دنیا کا اہتمام ہے۔ آخرت کی کوئی پروا نہیں۔

غرض انسانیت توازن اور اعتدال کھو بیٹھی ہے۔ اس کے تجربات میں یکسانیت اور

ہم آہنگی باقی نہیں رہی ہے۔ اس کا نفس مجموعی طور پر تنزل پذیر ہے اور اسی تنزل پذیر

نفس سے بیسویں صدی کی تہذیب نے جنم لیا ہے۔!

بحث کے اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد ہم اپنے زاویہ نظر یعنی فطرت کی رہنمائی کا اعادہ کرتے ہیں کیونکہ اسی زاویہ نظر سے ہمیں تمام موضوعات زیر بحث لانا ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ علمی ترقی فطرت کا جزو ہے۔ اور اس سے فطرت کا ایک پہلو وجود میں آتا ہے۔ ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ علمی ارتقاء اور معاشی اجتماعی اور سیاسی ارتقاء کسی بھی مرحلہ پر فطری حدود سے باہر نہیں نکلتے۔

یہاں ہم نفسیاتی ارتقاء کے بارے میں بھی یہی بتانا چاہتے ہیں کہ اس ارتقاء کا سارا عمل فطرت کے دائرے میں رہتا ہے۔

مگر یہاں واضح طور پر فطرت کے دو مقابل رخ ہیں — اعتدال۔ اور انحراف۔ علمی ترقی کی طرح نفسیاتی ارتقاء ہمیشہ بلندی کی جانب نہیں جاتا — اس کی بالکل فطری وجہ ہے!

علمی ترقی ہمیشہ آگے کی جانب بڑھتی رہتی ہے۔ کبھی پیچھے نہیں مٹتی۔ اس لئے کہ یہ بات انسان کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ معرفت حاصل کرے اور جو اشیاء اس کے پاس ہیں۔ انہیں بہتر بناتا رہا۔ یہ خوب سے خوب تر کا جذبہ انسان میں فطری ہے جس کی بناء پر انسان جذبہ معرفت، جمال اور کمال کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔ انسان اپنی راحت قوت و قدرت اور خود نمائی کے جذبہ کو بھی تسکین پہنچاتا ہے۔ ہر عمل تحسین کسی نہ کسی پہلو سے انسان کی راحت کا سبب بنتا ہے۔ (ایجاد کا ایک بڑا محرک زندگی کی سہولت کا حصول ہے) جس طرح ہر عمل تحسین انسان میں یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ وہ ایک نئے عمل پر قادر ہو گیا۔ جس سے وہ اپنی ذات کا اثبات اور اپنے وجود کو نمایاں کرتا ہے۔

غرض فطرت انسان کو علمی ترقی پر مجبور کرتی ہے۔ اس لئے تاریخ میں ہمیشہ پیش قدمی کرتا رہا۔ علمی ترقی کا اس کے سوا اور کوئی خارجی سبب نہیں ہے۔ جیسا کہ تاریخ کی مادی تعبیر دعویٰ کرتی ہے۔

تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے کہ انسان کی تاریخ دور و ٹی کی تلاش کی تاریخ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے شامل اور مکمل وجود کے ساتھ تاریخ کے تمام ادوار میں اپنے مکمل انسانی وجود کے اثبات کے لئے کوشاں رہا ہے۔ انسان کی تاریخ کسی ایک علیحدہ اور مفصل پہلو کی تکمیل کے لئے نہیں ہے۔

اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی ارتقاء ایک ہی پہلو میں آگے بڑھتا ہے۔ یعنی پیمیدگی پیوستگی، مضبوط روابط اور ان کا ایک دوسرے میں اختلاط — مگر کیفیت کے لحاظ سے یہ ارتقاء آگے نہیں بڑھتا بلکہ کسرش انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان حرکت کرتا ہے اس کی سب سے واضح مثال بیسویں صدی سرمایہ داری اور اشتراکیت ہے۔

اس ارتقاء کا مرجع بھی فطرت ہی ہے اور فطرت میں اعتدال بھی ہیں اور انحراف بھی۔ اس میں ایسی لچک بھی ہے جو مختلف اشکال اور متحد و متم کے دباؤ قبول کر سکے۔ مگر جب حالات اور ماحول اس کے مناسب نہ ہوں تو فطرت اس کے خللات بغاوت بھی کرتی ہے۔ فطرت کی ہر بغاوت ایک حالت سے دوسری حالت کی جانب ایک انتقال ہوتی ہے۔ اس کے بعد فطرت اپنے راستے پر گامزن رہتی ہے۔ حتیٰ کہ اس پر انحرافات کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ پھر کسی نئے انقلاب کی گھات میں بیٹھ جاتی ہے۔ یہ انسانی زندگی کی اجتماعی معاشی اور سیاسی تعبیر ہے۔ ذرا تلخ پیداوار کا ارتقاء اس کی تعبیر نہیں ہے جیسا کہ تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے۔

نفسیاتی ارتقاء کبھی بھی ایک خط مستقیم پر آگے نہیں بڑھتا؛ صرف ایک مرحلہ الیا آتا ہے جس میں ارتقاء واضح تھا یعنی انسانیت کے رشد تک پہنچنے سے پہلے کا مرحلہ۔

اس دور میں نشوونما بڑا واضح تھا۔ اور نفس پختگی تکمیل اور شمول کی جانب تیزی سے بڑھ رہا تھا مگر پھر بھی یہ خط تمام مراحل میں آگے کی جانب نہیں بڑھا۔ کیونکہ تاریخ میں بہت

سی تہذیبیں قائم ہوتیں اور انہیں زوال آیا۔ اور زوال پیچھے کی طرف ہٹتا ہے۔ گویا انہیں اتنا آگے بھی بڑھا اور پیچھے بھی ہٹا۔ اس لئے خطِ مستقیم نہیں رہا۔

ظہورِ اسلام کے موقع پر انسانیت نے رشد حاصل کیا۔ اور اس قدر بلندی پر پہنچ گئی کہ اپنی تاریخ میں کبھی نہ پہنچی تھی۔ مگر انسانیت اس بلندی پر زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی بلکہ رفتہ رفتہ لپٹی کی طرف آتی گئی۔

اسلام کے بعد بھی انسانیت کے نفس کے بعض اجزاء کو زہار حاصل ہوا۔ ان پہلوؤں میں جن میں علمی ترقیات اثر انداز تھیں۔ اور اجتماعی سیاسی اور معاشی نظام میں مزید پیچیدگی آتی گئی۔ (رتقی نہیں) مگر اس عروج کے بعد انسانیت نے اپنے مجموعی نفس سے کبھی اس قدر ترقی نہیں کی۔ بیسویں صدی کی تہذیب میں مسلسل نفسیاتی زوال ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔ تمام امور کی طرح یہاں بھی مرجعِ آخر فطرت ہی ہے۔

فطرتِ انسانی میں ارتفاع کے ساتھ منزل کی بھی صلاحیت موجود ہے۔ ارتفاع اور منزل کی دونوں صلاحیتیں فطری اور اصل ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صلاحیت نہ نفس کے باہر سے لی گئی ہے اور نہ نفس پر خارج سے مسلط کی گئی ہے۔

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا
فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ
مَنْ زَكَّاهَا وَخَذَ خَافَ
مَنْ دَسَّاهَا

اور قسم انسان کی جان کی اور اس
ذات کی جس نے اس کو درست بنایا۔
پھر اس کی پرہیزگاری اور بدکاری
دونوں باتوں کا اسے آقا کیا۔ یقیناً
وہ مراد کو پہنچا۔ جس نے اسے پاک کر
لیا اور نامراد ہوا۔ جس نے اس کو فحش

میں دبا دیا۔

(شمس - ۲ - ۱۰)

ہم نے انسان کو خوبصورت بنائے

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ

فِي آخِرِ قَفْوَيْهِ شَمَّ
رَدَّ ذَنَاهُ أَنْفَلَ مَا فِيلَيْنِ
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ

میں ڈھالا ہے۔ پھر ہم کو اس پستی کی
حالت دلوں سے بھی پست تر کر دیتے
ہیں۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور
اچھے کام کئے۔

(التین - ۳-۶)

نفس اپنی دونوں حالتوں میں اللہ کی پیدا کردہ فطرت ہی کے دائرے میں رہتا ہے۔
نفس کو ارتقاع یا تنزل کی فطرت کی جانب لئے جانے کے لئے رہنمائی کی ضرورت
ہوتی ہے۔

ارتقاع کی جانب اسلام کی رہنمائی۔ بلند تر رہنمائی ہے۔ اور اسلامی نظام وہ اعلیٰ تر
نظام ہے جو اس رہنمائی کے ثمرات کو بروئے کار لایا۔ اور انسانی نفس اپنی انتہائی بلندی
تک پہنچ گیا۔ اور بیسویں صدی کی رہنمائی اسلامی رہنمائی کے بالمقابل کم تر درجہ ہے اور
مغربی نظام اس رہنمائی کو مکمل کر کے اسے عالم واقع میں محقق کر دیا۔ اور نفس انسانی تنزل
کے انتہائی ادنیٰ تر درجہ پر پہنچ گیا۔

بیسویں صدی میں انسانی نفس جس تنزل کو پہنچا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ

انسانی شرافت کو بڑے لگانے والی عاجزی،

تمام امور میں انتہائی جزیت پسندی

انسانی عمل کا مشینی انداز

روح کے دریکے بند کرنے والی مادیت

ایک لمحہ زندگی کے اندر رہتے ہوئے مریضانہ واقفیت اور — شاعر کو جسمانی

لذت بنادینے والی حیثیت۔

مگر اب بھی اگر نفس انسانی کو بلندی و ارتقاع کی دعوت دی جائے تو اس میں اب

بھی صلاحیت موجود ہے۔

دونوں ہی حالتوں میں نفس فطرت کے دائرے میں رہتا ہے
اور فطرت اپنے دو متقابل رخ - اعتدال اور انحراف - اور تغیر اشکال کے
باجود غیر متغیر رہتی ہے۔ ۱۱

* * *

اخلاقی تغیر

اب ہم اخلاقی تغیر بیان کرنے والے ہیں۔ وہم اسے اخلاقی ارتقاء کہنے سے
معذور ہیں۔

نفسیاتی ارتقاء کو مد نظر رکھتے۔ انسانی تاریخ میں اخلاقی تغیر کی نشاندہی کرنا سہل
ہے۔ کیونکہ انسان کی دو گانہ فطرت اعلیٰ موقع پر آکر اپنے روشن معانی اور اپنے
واضح مظاہر کے ساتھ رونما ہو جاتی ہے۔

اگر علمی ترقی آگے ہی بڑھتی جاتی ہے اور پیچھے نہیں ہٹتی۔ اگر اجتماعی سیاسی اور
معاشی ارتقاء میں پیچیدگی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اور اگر نفسیاتی ارتقاء میں تبدیلیاں آتی
رہتی ہیں۔ تو انسانی زندگی کے اخلاقی پہلو میں سب سے زیادہ تبدیلیاں آتی ہیں۔ اور
یہ تاریخ کے کسی بھی دور میں ایک معین خط پر قائم نہیں رہتا۔

اجتماعی تاثر کے باوجود اخلاقی پہلو میں انفرادیت زیادہ نمایاں ہے۔ اور اس میں
انفرادی تخصیص ممکنہ حد تک واضح ہے۔ اگر علمی اور اجتماعی ارتقاء میں واضح طور پر اجتماعی
حالات اثر انداز نہ ہوتے ہیں۔ اگر نفسیاتی ارتقاء انفرادیت اور اجتماعیت کا آمیزہ ہے
تو اخلاق میں انفرادی پہلو نمایاں ہے۔ اگرچہ جس اجتماعی گرد و پیش میں فروزہ رہا ہوتا ہے
وہ یا تو فرد کی مدد کرتا ہے یا افراد کی طبیعتوں کے لحاظ سے ان کے اخلاقی نمایاں رکاوٹ

اخلاق تاریخ کے کسی دور میں بھی خطِ مستقیم پر آگے نہیں بڑھا۔ بلکہ ہمیشہ ترقی و تنزل کے دو نقطوں کے درمیان حرکت کرتا رہا ہے۔

جب کوئی نبی، مصلح یا قائد انسانیت کو ترقی کی جانب دعوت دیتا ہے تو انسانیت کچھ وقت کے لئے ترقی کرنے لگتی ہے اور جب ترقی کی لہر اوپر تک اٹھتی ہے تو معاشرے کے بیکار لوگ ذیل و خوار ہو کر تہہ میں پڑے رہ جاتے ہیں۔ پھر جب لوگ مزید ترقی نہیں کر پاتے یا ترقی کے حاصل شدہ معیار کو برقرار نہیں رکھ پاتے تو وہ پھر نیچے آنا شروع کر دیتے۔ اور معاشرے کے بیکار لوگ جب دباؤ میں کمی محسوس کرتے ہیں تو وہ تہہ سے ابھرنا شروع کر دیتے ہیں اور حرکت میں آ جاتے ہیں۔ اگرچہ ابتداً ان کی حرکت محدود ہوتی ہے۔ اور بڑی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ پھر ترقی کی لہر کچھ اور نیچے آ جاتی ہے۔ اور تہہ میں جمے ہوئے لوگوں پر سے دباؤ کم ہو جاتا ہے تو اچانک معاشرے کی یہ تلچھٹ ابھرتی ہے اور قیادت سنبھال لیتی ہے۔ کچھ لوگ بڑی جدوجہد کے ساتھ اپنے آپ کو بلند رکھتے ہیں۔ اور ترقی کی لہر پھر ایک دفعہ نیچے آتی ہے۔ اور آخر کار غائب ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد پھر نظرت، نفسِ انسانی میں جمے ہوئے فساد سے نفرت، کمنے لگتی ہے اور اس فساد کو دور کرنے کی جدوجہد شروع کر دیتی ہے۔ کیونکہ یہ فساد اپنی آخری حدود تک پہنچ چکا تھا۔ اور پھر کوئی نبی یا مصلح یا قائد آ جاتا ہے۔ اور انسانیت پھر ترقی کرنے لگتی ہے۔ یہ انسانیت کی تاریخ ہے۔

اگرچہ اجتماعی معاشی اور سیاسی ارتقاء مادی ارتقاء سے پیوست ہے مگر ایک طرح سے مستقل بھی ہے اور بغیر مادی مداخلت کے اجتماعی ارتقاء ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ زمانہ اسلام میں ہوا۔ اگر نفسیاتی ارتقاء کا مادی ارتقاء سے ربط بہت ہی کم ہے۔ اور اپنی جگہ مستقل ہے تو اخلاقی تغیر کے مادی ارتقاء سے ربط کے امکانات بہت ہی کم ہیں۔

تاریخ کی مادی تعبیر نے اخلاق کو ذرائع پیداوار کے ارتقاء سے منسلک کرنے کے لئے جو طویل کہانی گھڑی ہے۔ تاریخ کی گواہی اس کی تکذیب کر چکی ہے۔

تاریخ کی گواہی سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معاشرے کی دو انتہائی مشابہ حالتوں میں دو ہزار سال کا فصل ستھا اور یہ فرق تھا کہ پہلے معاشرہ میں ہاتھوں سے کام لیا جاتا تھا اور موجودہ حالت میں صنعت، زراعت، طب — اور لوگوں کی ہلاکت کے لئے ایٹم موجود ہے۔ اس لئے — اخلاق اور ذرائع پیداوار کا تعلق کمزور ترین تعلق ہے اس کے باوجود بھی ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسویں اور بیسویں صدی کے اخلاقی تغیر کے بارے میں مادی تعبیر کی تمام تفسیروں واقعیت سے دور ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام گمراہ کن تفسیروں ہیں۔ کیونکہ یہ صرف خارجی مظہر کو مد نظر رکھتی ہیں۔ اور فطرت کو ترک کر دیتی ہیں۔ — صنعتی انقلاب، ڈاروینیت اور یہودی رہنمائی کے زیر اثر جو اخلاقی تغیرات ہوتے ہیں۔ وہ جبری نہیں ہیں۔ — اسی مقام سے تاریخ کی مادی تعبیر اور انسان کی انسانی تعبیر کی راہیں مختلف ہو جاتی ہیں !

دور جدید میں یورپ کے داخلی حالات اخلاقی زوال کا سبب بنتے ہیں — نہ کہ طبیعت انسانی۔

ارتقاء مسلمانوں کی زندگی کا ایک دائمی عنصر رہا ہے مگر اس ارتقاء نے نہ مسلمانوں کے اخلاق میں فساد پیدا کیا۔ اور نہ ان کے نفوس میں خلل پیدا ہوا۔ ان کے اخلاق میں فساد اور ان کے نفوس میں خلل اس وقت پیدا ہوا تھا۔ جب ان کی زندگی میں نما اور تہجد کے محرکات بدل گئے اور وہ مجبور اختیار کرتے چلے گئے۔

صنعت کبھی مسلم معاشرے کا ایک اہم جزو تھی مگر صنعت نے نہ مسلمانوں کے اخلاق کو تباہ کیا اور نہ ان میں یہ جذبہ ابھارا کہ وہ آخرت کے بالمقابل دنیا کو ترجیح دینے لگیں اور لذت دنیا پر ٹوٹ پڑیں۔ — بلکہ مسلمان اس وقت تباہ ہوتے جب ان کی صنعتی دلچسپی

کم ہو گئیں۔ اور انہوں نے کم فائدہ والی پیداوار میں اپنے آپ کو محصور کر لیا۔
آزادی نسواں۔ نفیاتی اور انسانی لحاظ سے۔ اسلامی عقیدہ کا ایک
 جز رہے۔ اسلام نے دونوں صنفوں کو غیر اللہ کی عبودیت سے یککھت آزاد کر دیا ہے اور
 انسان کا براہ راست اللہ سے تعلق قائم کر دیا ہے۔ اور جب اللہ سے براہ راست تعلق قائم
 ہو جاتا ہے تو انسان دنیا کی ہر طاقت کو حقیر جانتا اور اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتا
 ہے۔ الایہ کہ یہ طاقت اللہ کی رہنمائی حاصل کر رہی ہو۔

نبی کریم کی بعثت کے ابتدائی مراحل ہی سے عورت کو انسانی، معاشی اور اجتماعی
 حقوق دے دیتے گئے۔ اس کا براہ راست اللہ سے تعلق قائم ہو گیا۔ اسے ملکیت نصرت
 نکاح اور طلاق کے حقوق مل گئے۔ اور وہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے لگی۔

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي
 تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي
 إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ
 اِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ

بیشک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات
 سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے معاملہ
 میں جھگڑاتی تھی اور اپنے رنج و غم کی اللہ
 سے شکایت کرتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ تم
 دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ اور اللہ سب
 کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ پھر
 عہدت کے ساتھ انعام کرنے اور اسے
 زندہ گی میں انسانی حقوق دینے کے بارے

(المجادلہ - ۱) میں وحی نازل ہوئی۔

مگر اس ساری آزادی نسواں نے مسلمانوں میں کوئی فساد برپا نہیں کیا۔ بلکہ مسلمانوں
 میں فساد اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے عورت کے وجود کے خلاف بغاوت کی
 اس کی آزادی کو کچل کر اسے غیر اللہ کی غلامی پر مجبور کر دیا۔ اور اس طرح اس کے تنزل اور

انحطاط کا سبب بنے۔

وہ تمام اسباب اور عوامل جن کی جانب تاریخ کی مادی تعبیر ایسویں اور بیسویں صدی کے اخلاقی تغیر کو منسوب کرتی ہے۔ یہ تمام اسباب کسی نہ کسی شکل میں اسلامی معاشرے میں موجود تھے۔ مگر ان اسباب کی موجودگی کے باوجود اسلامی معاشرے میں فساد و فتنہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اسباب بذاتِ خود اخلاقی عمارت کے استوار رکھنے کا سبب بنے رہے۔

یہ ہدایت یافتہ، راشد اور مومن قوم تھی۔ یہ قوم خبیث فریبی یہودی کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔ اس لئے مسلمان قوم ان عوامل کی موجودگی میں مضبوط و طاقت ور رہی، اور ترقی کرتی رہی۔

اگر صنعتی انقلاب (INDUSTRIAL REVOLUTION) اس مومن مسلمان قوم میں رونما ہوتا۔ تو اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور مضبوط ہو جاتے اور ان کی گرفت اور بڑھ جاتی نہ یہ کہ اخلاق کے سارے بندھن ایک ایک کر کے کھل گئے۔ اور نوجوان بھیکے ہوتے جانوروں کی طرح جننی تسکین کے لئے سڑکوں پر نکل آتے۔ بلکہ ان انسانوں سے تو حیوان ہی بہتر ہیں کہ وہ اپنی محکم فطرت اور طاقتور جبلت سے سرمہ انحراف نہیں کرتے!

ذرائع پیداوار اور تاریخ کی جبریت نہیں بلکہ یہ کہیں کہ مغرب کی ملحدانہ جاہلی تہذیب ان کا زوال اور انحطاط کا واحد سبب ہے!

بہر کیف تاریخ کی گواہی پیش کرنے کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی!

اس موقع پر سارے موضوع کی تلخیص ضروری ہے۔

ہم نے ارتقاء کی چار اقسام بیان کی ہیں۔ مادی ارتقاء — اجتماعی ارتقاء — نفسیاتی ارتقاء اور اخلاقی ارتقاء (یا تغیر)۔

ارتقاء کی ان چاروں قسم کے ارتقاء کا مرجع فطرت ہی ہے۔ اور فطرت مختلف اشکال رکھنے اور ان میں مستقل تغیر ہوتے رہنے کے باوجود غیر متغیر ہے۔ فطرت کے عدم تغیر کے بارے میں اس امر سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہم ارتقاء کو نظر انداز کر رہے ہیں۔

اگر ہم ارتقاء کو نظر انداز کر دیں تو فی الحقیقت ہم انسان ہی کو نظر انداز کر دیں گے۔ انسان تو ہمیشہ ارتقاء پذیر رہنے والی مخلوق ہے۔ اور ارتقاء انسان کی نمایاں خصوصیت اور اسے حیوان اور جامد فطرت سے ممتاز کرنے والی ہے۔

ہم دائمی ارتقاء کو غیر متغیر فطری جوہر کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ اور غیر متغیر جوہر اور نوبہ نوبتی ہوتی صورت دو متوازی حقیقتیں ہیں۔ یا ایک ہی مکمل حقیقت جو پورے انسانی وجود کی مکمل تعبیر ہے۔

اب ہم انسان کے ارتقاء کے بارے میں فطرت کے بتاتے ہوئے غیر متغیر مقیاس کو سامنے رکھتے ہیں۔ ظاہر میں اگرچہ یہ مقیاس خاما چمپہ اور حسابی محسوس ہوتا ہے۔ مگر اگر ہم اس مقیاس کے تحت گزشتہ بیان کردہ ارتقاء کی اقسام کی علیحدہ علیحدہ مثالیں دیدیں تو یہ مقیاس بڑا سادہ سا محسوس ہوگا۔

مقیاس ترقی

علمی ترقی کا فطری اور غیر متغیر مقیاس یہ ہے کہ یہ ترقی برابر آگے کی جانب بڑھتی ہے اس غیر متغیر مقیاس سے ہم انسان کا حساب کریں گے۔ ہر وہ انسان جو علم کی فطری اور علمی ترقی کے نتائج سے پوری طرح بہرہ ور ہوتا ہے۔ وہ انسان سلیم الفطرت ہے اور صحیح راستے پر گامزن ہے۔ اور جو انسان کسی بھی سبب کی بناء علمی ترقی سے مستفیض نہیں ہوتا

اس کی فطرت میں انحراف ہے۔ اور اس کے علاج کی ضرورت ہے۔

اجتماعی معاشی اور سیاسی ترقی کا فطری غیر متغیر مقياس یہ ہے کہ یہ ارتقاء مسلسل پیچیدگی اور پیوستگی کی طرف مائل رہے۔ اور انسانی قوتوں اور میلانات کے درمیان توازن برقرار رکھے۔

جس انسانی نسل میں یہ توازن پیدا ہو جائے گا۔ اور اس کا اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی نظام توازن اور اعتدال کے ساتھ مضبوط ہو جائے گا۔ — کہ فرد اور معاشرہ — مادی قوت اور معنوی قوت — اور سلبيت اور ایجابیت سب میں توازن اور اعتدال ہو۔ — تریسلسیم الفطرت اور صحیح راستہ پر گامزن ہوگی۔

اور ہر وہ نسل جو اجتماعی سیاسی اور معاشی پختگی اور توازن و اعتدال تک نہ پہنچ سکے۔ وہ پسماندہ یا منحرف ہے۔ اور اسے علاج کی ضرورت ہے۔

نقیسائی ارتقاء کے لئے فطرت کا غیر متغیر مقياس یہ ہے کہ نفس منسل پختگی تکمیل شمول اور اعتدال کی جانب نہ مائل ہو کر تیار ہے۔

ہر فرد یا نسل جو اس طرح نشوونما حاصل کرتی رہے۔ وہ سلیم الفطرت اور راہ حق پر چلنے والی ہے۔ اور اگر کوئی فرد یا نسل نما کے ایک متعین درجے پر کھڑی رہے۔ یا اس کے نفس کے بعض پہلو ترقی کرتے رہیں اور بعض جامد پڑے رہیں۔ اس طرح نفس اپنا اعتدال کھو بیٹھے تو یہ فرد یا نسل منحرف اور قابلِ علاج ہے۔

و محسوس واضح مقياس وہ ہے۔ جس تک انسانیت اسلام کی زیر ہدایت پہنچی۔ اس کے ساتھ موجودہ علمی ترقیات اور موجودہ معاشرتی ترقی کو بھی شامل کر لیا جائے، جو فی الحقیقت اسلام کا تقاضا ہے جو شخص اس پیمانے کے مطابق چلے وہ صحیح راستہ پر چل رہا ہے۔ اور جو اس مقياس سے منحرف ہے۔ وہ بیمار نفس کا حامل ہے،

اخلاقی پہلوئیں فطرت کا غیر متغیر مقياس یہ ہے کہ انسان کو انسان ہونا چاہیئے۔ یہ

مقیاس بالکل فطری ہے۔ کیونکہ انسان میں نغمہ روحانی اور غبارِ خاکی آپس میں دو مربوط اور ملے جلے عناصر ہیں۔ اس لئے انسان میں جسمانی محرکات اور روحانی اشتیاق دونوں موجود ہیں اس میں طعام و شراب، لباس و سکن، جنس، ملکیت، کشمکش اور خود نمائی کے فطری میلانات بھی ہیں اور اس کے پاس ایسی اقدار بھی ہیں جن کے تحت وہ اپنے تمام اعمال کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت متعین کر لیتا ہے۔ اور یہ غرض و غایت شعوری اور انسان کے مزاج کے مطابق ہوتی ہے۔ انسان کے اعمال بذاتِ خود کوئی مقصود نہیں ہوتے۔ جیسا کہ حیوانات کے ہوتے ہیں۔

پھر ان فطری محرکات کے ساتھ ساتھ انسان میں ضبط کی قوتیں بھی ہوتی ہیں، جو انسان کی فطری قوتوں کو بجلتے کچلتے اور ختم کر دینے کے انھیں پاک و صاف کر دیتی ہیں۔ یہ ضبط کی قوتیں بھی محرکات کی طرح فطری ہیں اور مستقیم۔ انسان ان قوتوں سے بالکل فطری طور پر کام لیتا ہے۔

اگرچہ ضبط کی قوتیں انسان پر خارج سے مسلط کردہ نہیں ہیں۔ مگر ان کی خارجی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے قدرتِ لفظی اور قدرتِ منشی انسانی جسم میں پوشیدہ فطری قوتیں ہوتی ہیں۔ مگر ان کو بروئے کار آنے کیلئے بیرونی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسان کی فطرت میں کچھ متضاد صفات موجود ہیں۔ جیسے خوف و رجاء، محبت و نفرت، حیثیت و معنویت، ایمان بالغیب اور ایمان بالمشاہدہ، واقعیت اور خیال، سلبیت اور ایجابیت — آزادی و پابندی — انفرادیت و اجتماعیت — یہ صفات دراصل انسان کے متعدد پہلوؤں کی شکل کرتی ہیں اور اس کے اعمال میں توازن پیدا کرتی ہیں۔

انسان کی فطرت کی گہرائیوں میں یہ بات بھی پیوست ہے کہ وہ اپنے خالق کی جانب متوجہ ہو کر اس کی معرفت حاصل کرتی۔ اور اس سے اپنا تعلق استوار کرتی ہے۔ اس کے نور سے روشنی حاصل کرتی۔ اس کی ہدایت پر چلتی اور اس کی عبادت کرتی ہے۔ — اسی

اسی بنیاد سے تمام اخلاقی اصول ابھرتے ہیں۔ جو شخص اس فطرت کے مطابق چلے وہ
 سلیم الفطرت اور صحیح راستہ پر چلنے والا ہے۔ اور جو اس سے کنارہ کش ہو وہ منحرف اور
 حیوانی درجہ تک گرا ہوا ہے۔

* * *

تاریخ کی مادی تعبیر کے پرستار فطرت کے ان اثرات اور خصوصاً فطرت کی اخلاقی
 رہنمائی سے بڑے برا فروختہ ہوتے ہیں۔ یہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز
 نہیں تیار ہو سکتے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے واقعات فطرت سے انحراف ہیں۔ وہ تو یہ
 کہتے ہیں کہ یہ تمام واقعات ارتقاء ہیں۔ جو درست بھی ہیں اور انسانیت کو آگے لے جانے
 والے ہیں۔

ارتقاء کے بارے میں ہم پہلے ہی تاریخ کی گواہی پیش کر چکے ہیں۔ جس سے ہمیں یہ
 معلوم ہو گیا تھا کہ دورِ جدید کے واقعات ارتقاء نہیں ہیں۔ اور نہ یہ موجودہ دور کے خاص
 حالات کی پیداوار ہیں بلکہ ان تمام واقعات کی ایک تصویر آج سے دو ہزار سال
 قبل یونانیوں اور رومیوں کی زندگی میں انسانیت کے سامنے آچکی ہے!
 اب ہمیں چاہیئے کہ فطرت کی رہنمائی کو سامنے رکھ کر اس ارتقاء کو دیکھیں کہ یہ
 فطرت سے انحراف اور مریضانہ حیوانیت کی جانب رجعت ہے — یا انسانی فطرت
 سے ہم آہنگ کئی صالح ارتقاء ہے۔

بلکہ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ کیا فی الواقع ایسی کسی فطرت کا وجود ہے جو اخلاقی
 مسائل کے لئے مقياس بن سکے — اور کیا یہ فطرت جامد ہے؟
 آپ جواب اثبات میں دیں یا نفی میں — مگر ہر کیف انسانی وجود میں کچھ جامد

یا تفصیل کے لئے اسلامی کفیات کا مطالعہ کیجئے۔

اور غیر متغیر اصول بھی ہیں۔
بہر صورت ہمیں بیویں مدی کی گراہی سننی چاہیئے۔

بیسویں صدی کی گواہی

پہلے ہم تاریخ کی گواہی پیش کر چکے ہیں جس سے معلوم ہوا تھا کہ آج بیسویں صدی میں جس شے کو اخلاقی ارتقاء کہا جاتا ہے اور جو ان کی نظر میں علمی صنعتی اور اجتماعی ترقی سے ابھرتا ہے — یہ ارتقاء تاریخ کا منفرد ارتقاء نہیں ہے بلکہ اس سے مشابہ صورت پہلے بھی گذر چکی ہے۔

اب ہم بیسویں صدی کی گواہی پیش کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کیا فی الواقع یہ ارتقاء ہے یا انحراف ہے!

مارکس، فرائڈ، ڈرکایم اور ان کے متبعین نے انسانیت کی موجودہ نسل کو یہ بات بخوبی ذہن نشین کرادی ہے کہ اگر وہ مذہب کی قید سے چھوٹ جائے، اخلاقی بندھن سے آزاد ہو جائے — بالخصوص جنس میں — اور ماضی کی کوئی قید باقی نہ رکھے تو وہ برابر ارتقاء و ترقی حاصل کرتی رہے اور اگے بڑھتی رہے۔

موجودہ نسل نے بھی یہ بات سمجھ لی ہے کہ اسے سب سے پہلے مذہب، اخلاق اور روایات جیسی چیزوں کو ختم کرنا ہوگا۔ جیت تک وہ ان چیزوں کو ختم نہیں کر دیتی اور انہیں جڑ سے نہیں اتار کھینکتی۔ وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی ہے۔ اسے چاہیے کہ اس "مقدس جنگ" میں رجحیت جمود اور پسماندگی کے خلاف، جہالت، خرافات اور دیوالاکی کہانیوں کی خلاف ورزی کی راہ میں ہر رکاوٹ کے خلاف کود پڑے۔

ہر جانب سے شیاطین نئی نسل کے کانوں میں یہی باتیں انڈیلتے رہے۔

جس نے نفسیات پر گفتگو کی۔ اس نے کہا کہ مذہب اخفار (SUPPRESSION) ہے۔ اسے ختم کر دینا چاہیئے تاکہ وہ فرد کے نفسیاتی وجود کے راستہ میں مزاحم نہ ہو! جو معاشیات پر لبلا۔ اس نے کہا کہ صنعتی اقتصادیات ایک آزاد معاشرے کا تقاضہ کرتی ہے۔ جو زرعی معاشرے کی موروثی قیود سے آزاد ہو۔ انہی قیود میں سے ایک تید عورت کا ماں کے فرائض کی انجام دہی ہے۔ صنعتی معاشرے کا تقاضہ ہے کہ عورت بھی کام کے لئے گھر سے باہر نکلے!

جس نے اجتماعیات پر قلم اٹھایا۔ اس نے ٹھٹھا اڑا کر کہا کہ عجب سادگی ہے کہ لوگ مذہب کو فطری خیال کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب آسمان سے نازل کردہ ہے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب لوگ جہالت و بیوقوفی کی زندگی گزارتے تھے۔ انہوں نے خود مذہب کو ایجاد کیا تھا۔ ذرا ان پسماندہ لوگوں کو دیکھو جو آج بھی افریقہ اور آسٹریلیا کے جنگلوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں میں بھی مذہب کی بنیادیں جہالت سادگی، خرافات اور دیومالائی کہانیوں میں موجود ہیں۔ اب تم ذرا اپنی بیسویں صدی کی تہذیبی ترقیات دیکھ لو۔ کیا تمہیں اس بات پر شرم نہیں محسوس ہوگی کہ تمہارے ضمیر میں وہ آثار نظر آئیں جو تمہیں جنگلی لوگوں سے ورثہ میں ملے ہیں!

جو شخص سائنس پر بولتا ہے۔ خالص سائنسی علوم پر۔ وہ بھی مذہب کو فراموش نہیں کرتا۔ وہ بتاتا ہے کہ جب لوگ مذہب پرست تھے۔ تو اپنی شدید جہالت کی بناء پر کائنات کے تمام واقعات کو اللہ کی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔ بھلا بتائیے! کس قدر جاہل تھے یہ لوگ! انہیں کائنات پر حکمران قوانین طبیعت تک کا پتہ نہ تھا۔ اب تو ہم بیسویں صدی میں ہیں۔ اور ان تمام حقائق سے واقف ہیں! جس نے آرٹ اور فن پر گفتگو کی۔ اس نے ان گزشتہ زمانوں کا ضرور مذاق

اڑایا۔ جن میں جنس کے بارے میں گفتگو اخلاق سے گری ہوئی حرکت اور عیب خیال کی طاق
 سکتی۔ کس قدر پیمانہ تھے۔ اس وقت کے لوگ۔ انہوں نے آخر میں اس خیرہ کن اور
 دلکش رنگارنگ جمال سے کس طرح آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اب تو ہم آزاد ہیں۔ ہم جنس کو
 بجاتے خود ایک آرٹ بنا دیں گے۔ ایک لمحہ جنس اپنے جلو میں پوری کائنات سمیٹے ہوئے
 ہے۔ آئیے ہم اس کائنات کی سیاحت کریں۔ آئیے ہم نفس میں پوشیدہ اور واقعاتی زندگی
 میں برستے کار جنس کا مٹا ہوا کریں۔ آئیے ہم اس کی دلکشی اور خیرگی کا نظارہ کریں۔ آئیے
 ہم مرد و زن کو برہنہ کر کے انہیں جنسی دلچسپیوں کے لئے آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور کیمبرہ کی
 آنکھ ان کی تصویر محفوظ کرتی رہے۔

جو شخص ارتقاء کے بارے میں گفتگو کرتا ہے وہ تو ہر سمت سے حملہ آور
 ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مذہب ایک تاریخی منظر ہے۔ انسانیت اپنے طبعی دور میں
 مذہب اپناتی ہے۔ جب وہ دور گزر جاتا ہے تو وہ مذہب سے بری ہو جاتی ہے
 (جیسے بچوں کو چھپکپکلی آتی ہے) مگر جب انسانیت ایک دفعہ مذہب سے بری ہو
 جاتی ہے۔ تو وہ مذہب کے خلاف قلعہ بند ہو جاتی ہے۔ اور کبھی مذہب کی جانب
 نہیں لوٹتی!

مذہب کے خلاف اصلی ڈھال علم اور معرفت ہے جو اللہ کی مدد سے
 یا شیطان کی مدد سے — ہر جگہ موجود ہے۔ اسکول میں، سینما میں، ریڈیو، ٹیلی
 ویژن پر، صحافت میں، ادب میں، آرٹ میں غرض ہر جگہ انسان کو مذہب سے بچاؤ
 کی یہ ڈھال میسر آجائے گی!

موجودہ نسل کے دلوں میں یہ بات ابھی طرح بٹھادی گئی ہے کہ زندگی کے
 دو ہی راستے ہیں — یا تو مذہب، رجعت، تاخر، معاشی اور اجتماعی پس ماندگی اور
 خرافات — یا — بے قیدی، آزادی، عمل، حرکت، معرفت، علمی، اقتصادی

اور اجتماعی ترقی — اور لادینیت! (SECULARISM)
اب ترقی کی پیروی نہ کرنی دیکھ کر کون شخص اپنے آپ کو تاریکیوں میں گرا نا پسند
کرے گا؟

ظاہر ہے کہ کوئی پسند نہیں کرے گا — اور — اگر کوئی شخص اپنے مزاج
کے انحراف کی بناء پر مذہب پسند ہو بھی جاتے تو ہو جانے دیکھتے — یہ آزادی کا دور
ہے اور آزادی کا تقاضا ہے کہ ہر شخص کو اس کے مزاج کے مطابق آزاد چھوڑ دیا جائے۔
اگرچہ وہ منحرف ہی ہو — جی ہاں یہی آزادی کا تقاضا ہے۔ اگر کوئی شخص مذہب
پسند بنا چاہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بس ہمیں یہ چاہیئے کہ معاشرے کو مذہب کے مہلک
جراثیم سے محفوظ رکھیں رجحیت کی اس ہلاکت خیز و بار سے بچاؤ کے لئے کوئی نہ کوئی رکاوٹ
کھڑی کرنی ہوگی — لہذا ہم ایسی عملی تنظیمیں بنادیں کہ رجحیت کا وجود محال ہو جاتے
اور اگر اس کے پھیل جانے کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ اگر وسیع پیمانے پر اختلاط مرد و زن کو
روا رکھا جائے تو یہ مذہب جیسی لعنت کے لئے تباہ کن ہوگا۔

لمحہ اختلاط، ہیجانانات، گرم گرم سانس، لپکتے ہوئے شعلے، چپکے ہوئے جسم، بھڑکتے
ہوئے جذبات، خلوت و جلوت ہمہ عریاں — ایسے فتنہ پرور لمحات میں کسی شخص کے
دل میں مذہب کا سودارہ جاتے گا؟

کیا ایسے وقت میں وہ مذہب کا خیال لا کر اپنے آپ کو ان لذتوں سے محروم کر لیا
کوئی بھی اس حماقت کا ارتکاب نہیں کر سکتا!

مذہب کو اپنی غلطیوں کے لئے اٹھا رکھتے۔ ان ساعتوں کے لئے چھوڑ دیں گے۔
جن ساعتوں میں اگر مذہب ہمیں ہماری لذتوں سے محروم نہ کر سکے — مثلاً مذہب
کو کلیسا کے لئے چھوڑ دیں گے!

مگر کلیسا کے اندر، روحانی ساعتوں میں بھی شیاطین نوجوانوں کو نہیں چھوڑتے

چنانچہ امریکی کلیسا میں جوں ہی پادری دغظ ختم کرتا ہے۔ بڑی بڑی روشنیاں
گل کر دی جاتی ہیں۔ اور چھوٹے چھوٹے بلب روشن کر دیئے جاتے ہیں۔ اور نوجوانوں
کے رقص کے لئے ریکارڈ بجنا شروع ہو جاتے ہیں۔ تاکہ وہ ترقی کریں !

اب بتائیے کہ کیا مذہب معاشرے سے علیحدہ زندہ رہ سکتا ہے ؟
وسیع پیمانے پر اختلاط مذہب کے خلافت ایک بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے اور
مذہبی جراثیم کو اس طرح ختم کر دیتا ہے۔ جیسے جراثیم کش محلول (ANTI-BIOTICS)
جراثیم کو ختم کر دیتا ہے !

اختلاط مذہب کو نفس کی گہرائیوں سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔ اور اس کی جگہ جدید
بھڑلور اور سخت شہوانی لذت رکھ دیتا ہے، جو انسان کو بے لگام بنانے میں بڑی
فعال ہے۔

اس لئے وسیع پیمانے پر اختلاط موجودہ ترقی پذیر معاشرے کا شعار بن جانا
چاہیئے۔

ہر جگہ یہی سوال دھرایا جانا چاہیئے۔ آپ کا معاشرہ مخلوط معاشرہ ہے یا
رجعت پسند ؟ !

اس کا ردِ عمل یہ ہوگا کہ لوگ رجعت کی اس معیوب تہمت سے بچنے کی فکر
کریں گے اور کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کہ اسے رجعت پسند یا بد حال کہا جائے
اور اس کے نام کو بیٹہ لگے۔

یونیورسٹیوں میں اختلاط، یونیورسٹی اسپرٹ کے طور پر مڑنا چاہیئے۔ جہاں تک
ممکن ہو طلبہ اور طالبات اختلاط کرتے رہیں۔ طالبات۔ اپنے آپ کو ان طلبہ کے بچوں
کی ماں بننے سے بچائیں۔ اور ان کے ساتھ یونیورسٹی کے سبزہ زاروں اور ریفریٹیشن روم
میں ملتی رہیں۔ پھر تعلیمی سال ختم ہو جائے گا۔ اور دونوں کو جہاں جانا ہوگا چلے

جائیں گے ؟

۱ عورتوں کو کارخانوں، دکانوں اور دفاتر میں ملازم رکھا جائے، تاکہ اختلاط معاشرے کی ایک مانوس عادت بن جائے۔ اس کے جبری نتائج کے طور پر مذہب کا خبیث و ملعون چرٹرمہ مرجھاتے — مذہب کا جرٹرمہ ملعون اس وجہ سے ہے کہ جب یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مرجھکا ہے۔ تو اچانک پھر زندہ ہو جاتا ہے !

ادب، فن، ریڈیو، سینما، ٹیلی ویژن اور صحافت کے جس قدر وسائل "دعوت" ہیں اور جس قدر ان کے پاس شوق کو بھڑکانے والے ذرائع ہیں۔ ان سب کو اسی مقصد کے لئے استعمال ہونا چاہیئے۔

اختلاط، خوشی، لذت، آزادی — کیا مردان لذت کو ناپسند کرتا ہے۔ اور کیا عورت اپنی ذات کا اثبات نہیں چاہتی ؟

اے عورت! تو بڑی دلکش، دلفریب اور فتنہ انگیز ہے۔ — تو اپنا جا دو کیوں نہیں جگاتی ؟ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اگر تو حسین ترین لباس زیب تن کرے، اور خوب بناؤ سنگار کر کے مرد کے سامنے آئے تو وہ تیری طرف متوجہ ہوگا۔ تجھے پسند کرے گا اور اپنے بھرپور جذبات سے تیری جانب متوجہ ہوگا۔ اور تجھ سے شادی چاہیگا۔ اگر یہ شخص رضا مند نہیں ہوتا۔ تو یہ کم بخت رجعت پسند ہے — کسی اور کو آزما کر دیکھ یہ شخص ضرور رضا مند ہو جائے گا — ات! اے عورت تو کس طرح دلوں کو جیتی ہے۔ تو نے اپنی ذات کا اثبات کر لیا۔ تو آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ تجھے اب پیچھے نہیں ہٹنا چاہیئے۔

اے نیشن ہاؤس، اے سامانِ زینت کے کارخانوں! اے مراکزِ حسن! — (BEAUTY CENTRES) دیکھو! اس بھرپور ہوتی آگ کے شعلے سرد نہ ہونے پائیں! دیکھو! تم فتنہ انگیز اشیاء کے رواج دینے سے غافل نہ ہو جاؤ! چہ خوش!

لوگوں کی عقلوں کو ضبط کرنے والے اسکرٹ۔ کون اس فتنہ سامانی کے بالمقابل ٹھہر سکتا ہے؟ عریاں سینہ — کون اس فتنہ کو روک سکتا ہے؟ برہنہ ٹانگیں، رقص، چال میں لچک۔ مترنم سر ملی آواز!

اے لڑکی! دیکھ کہیں تیرا باپ تجھے تیری ذات کے اثبات سے روک دے
تجھے تیرے باپ سے کیا واسطہ! تو اس کی بوسیدہ روایات اس کے منہ پر پھینک مار
اور خود آزادی کی راہ اپنا لے۔ تجھے اپنے باپ سے کہنا چاہیے۔ تو رجعت پسند نسل سے
تعلق رکھتا ہے۔ اور میں ایک ترقی پذیر نسل کی فرد ہوں۔

اے نوجوان! کیا تو مذہب پسند بن جاتے گا؟
پاگل ہے! کیا تو اپنے آپ کو محروم کرے گا! زندہ رہ اور مزے کر! آگے بڑھ
لذات دنیا تیری منتظر ہیں۔ آگے بڑھ کر اپنی ذات کا اثبات کر!

* * *

اس طرح اخلاقی اباحت کے چاروں طرف نظریہ آزادی کا ایک جال سا بنا
دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اسے اباحت نہیں کہتے۔ بلکہ اسے ارتقاء کہتے ہیں
تاکہ اس کے اثرات بدستور قائم رہ سکیں۔

ارتقاء کے معنی ہیں۔ مذہب، اخلاق، روایات اور ہر قسم کی انسانی قیود سے
آزادی!

اگر کوئی بیوقوف آزادی اور اباحت کے اس طوفان کو روکنے کے لئے کھڑا ہو
جلتے تو ہر سمت سے ہزاروں لوگ اس پر آوازے کیسے گے۔ اس کا مذاق اڑائیں گے
اور ہر بدترین تہمت اس کو لگائیں گے۔ تاکہ وہ اپنی حرکت سے باز آجائے اور تاکہ ارتقاء
کے اثرات بدستور باقی رہ سکیں۔

یہ بیوقوف رجعت پسند، متاخر، جامد، جاہل، پاگل اور مجنوں چاہتا ہے کہ گھڑی کی

سوتیاں پیچھے کر دے اور ترقی کی گاڑی کا پیہر روک دے۔
 ترقی کا پیہر اس بے وقوف کو کچل ڈالے گا۔ یہ ارتقار جبری ہے۔ کہیں ایسا نہ
 ہو کہ پاگلوں کی ایک جماعت بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ دکھانے لگے۔
 اس لئے کسی ایسی جماعت کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔ جو نصیحت ملوں جرثومہ
 کو پھر زندہ کر دے۔ اس جرثومہ کے بارے میں جب یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مر چکا ہے یہ
 پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

اگر وسیع پیمانے پر اختلاف مذہب کے خلاف عملی زندگی میں رکاوٹ ہے تو
 ارتقار کی جبریت فکری محاذ پر مذہب کے خلاف رکاوٹ ہے۔
 اب ہم نے فکری محاذ اور دنیا کے عمل میں ہر طرف سے مذہب کی آمد پر پورے
 بٹھادیئے ہیں۔ اب بھی اگر کوئی تاریخ کی جبریت اور ارتقار کی جبریت کے بالمقابل کھڑا
 ہوتا ہے۔ وہ خود ہی ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے گا۔

x x x

ارتقار کی یہ طوفان برودش فوج راستے کی ہر شے نگلی چلی گئی۔ اور فی الحقیقت
 جبری اور زبردستی گئی!

یورپ اور امریکہ میں ایک مطلوبہ نسل ابھرائی جس کو جنس کے سوا کسی مذہب، اخلاق
 اور روایات سے واسطہ نہیں ہے۔ کوئی شے اسے روکنے والی نہیں ہے۔ ہر شے
 اسے آگے بڑھانے والی ہے۔

تمام توجہات، تمام تنظیمات، اور تمام محرکات جنسی بے قیدی کی راہیں ہموار کر رہی
 ہیں اور اسے مزین کر کے پیش کر رہی ہیں۔

اب یہ بالکل آسان، معروف اور طبعی طریقہ ہے کہ ہر لڑکی کا ایک مرد دوست
 (BOY FRIEND) ہو اور ہر لڑکے کی ایک خاتون دوست (GIRL FRIEND) ہو۔

ہر۔ اور اس طرح وہ جس طرح چاہیں اپنی جنسی ضروریات پوری کریں۔۔۔۔۔ مانع حمل
دوائیں اس امر کو اور بھی سہل بنا دیتی ہیں۔

اس کھلے بندوں اختلاط کے نتائج یورپ اور امریکہ کے سامنے آچکے ہیں۔ اور
لوگ یہ محسوس کرنے لگے کہ یہ آزادانہ اختلاط کوئی قابل اعتراض شے نہیں ہے۔
کیا فی الواقع اس طرز عمل پر کوئی مانع موجود ہے؟

مذہب تو بوسیدہ قدیم خرافات ہے۔ مذہب ترقی کی رفتار روکنے سے عاجز
ہے۔ مذہب تاریخ کی جبریت کو روکنے سے قاصر ہے۔ — بیچارے مذہب کی تو آواز
بھی گھٹ چکی ہے۔ اس عاجز کاہم کیا کریں گے؟

رہ گیا اخلاق — اخلاق پرانی نسلوں کا قائم کردہ ہے۔ یہ نسلیں اب ختم ہو چکی
یہ اب زندہ ہونے سے رہیں؟ مرنے کس طرح زندوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں؟ کیا
ہم زندہ نہیں ہیں؟ اور کیا یہ زندگی ہماری نہیں بلکہ یہ ان مردوں کی ہے۔ جو زندگی میں
اپنا کردار ادا کر چکے ہیں؟ وہ لوگ اپنے حالات کے ماتحت زندگی گزار رہے تھے۔
اور ہم اپنے حالات کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔

غرض اس اختلاط سے کوئی بھی مانع نہیں ہے۔ معاشرہ روز بروز آگے بڑھ
رہا ہے۔ روزی نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ سائنس کے سامنے نئے افق ابھر
رہے ہیں۔ پیداوار بڑھ رہی ہے۔ وسائل راحت بڑھتے جا رہے ہیں۔ گویا انسان بغیر
رکاوٹ بغیر قید اور بغیر رجعت کے خود اپنے آپ کو بنا رہا ہے۔

زندگی ایک تجربہ ہے اور بیسویں صدی کا تجربہ تاریخ انسانیت کا سب سے اچھا
تجربہ ہے۔ یہ تجربہ انسان نے اللہ کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر کیا ہے۔ انسان اب

ڈاکٹر امریکی مصنف گورڈن چائلڈ (GORDON CHILDE) کی کتاب کا عنوان ہے

"MAN MAKES HIMSELF"

عسلا می سے آزاد ہو چکا ہے۔ اسے اللہ اور مذہب کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنا خدا آپ ہی ہے۔ وہ موروٹی مذاہب کی ہدایات سے دور رہ کر اپنا مذہب خود ہی بنا رہا ہے۔ اب اسے تاریک دور اور قرون وسطیٰ کے مذہب کی ضرورت نہیں رہی ہے۔

جنس دہکتے ہوئے شعلوں کے دوران جنہیں شیطان پھونکیں مار مار کر سبوتا کر رہے تھے کسی کو بھی یہ خیال نہ آیا کہ انسانی فطرت اس مجنونانہ انحراف سے بیزار ہے۔

مگر فطرت کی جانب کون متوجہ ہوتا — کیا اس سانس، ترقی، بے قیدی اور آزادی کے بعد بھی کوئی فطرت کے بارے میں گفتگو کر سکتا ہے۔ کیا آپ نئے تاریخ کی مادی تعبیر نہیں پڑھی کہ کوئی ایسا غیر متغیر وجود نہیں ہے۔ جسے انسان کہا جاسکے۔ انسان تو اپنے اقتصادی، اجتماعی اور مادی حالات کا نتیجہ ہے۔ آج کے حالات کل کے حالات سے قطعاً مختلف ہیں۔ اور ان کے نتائج بھی مختلف ہیں۔ ماضی کے تجربات بیسویں صدی کے انسان کے لئے غیر مفید ہیں۔ ماضی سے آج کے اعمال پر بندش نہیں قائم ہو سکتی۔ آج کا دستور العمل دور جدید کی حالت کے تابع ہے!

اور — اگر آپ فطرت جیسے رجعت پسندانہ لفظ کا استعمال ناگزیر خیال کرتے

نہ جویان ہکے (JULIAN HUXLEY) اپنی کتاب "تجدید کا انسان"

(MAN IN THE MODERN WORLD) میں لکھا ہے۔

پچھلے زمانوں میں انسان اپنا سارا بوجھ کسی ایسے مقدس وجود پر ڈال دیا کرتا تھا جو پرامر و طہ پر

تمام معاملات کو چلاتا تھا۔ مگر چونکہ اب انسان کو کائنات کے بارے میں زیادہ معرفت حاصل ہو گئی ہے۔ اس

لئے اب اسے یہ حرکت نہیں کرنی چاہیئے اور جو بوجھ وہ پہلے خدا پر ڈال دیا کرتا تھا۔ اب وہ اسے خود اٹھانا چاہیئے

۔ د عرب ترجمہ ص۔ ۲۲۲

ہیں۔ تو یہ فطرت بذاتِ خود اسے بے قیدی پر لگاتی ہے۔ جس ایک حیاتیاتی عمل ہے اس کا اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہی فطرت کی منطق ہے۔ کیا ایک کتا اور کتیا ملاپ کے موقع پر کسی ایسی چیز سے واقف ہوتے ہیں۔ جس کا نام اخلاق ہو۔ انسان بھی ایک کتے سے زیادہ نہیں — اخلاق وغیرہ مذاہب کے تراشیدہ ادھام ہیں؟!

* * *

غرض بے راہ روی کا سیلاب سر سے گزر گیا۔ کوئی چیز اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ اور نہ ہی کوئی طاقت اسے انسان کی تباہی سے باز رکھ سکی۔

یہ تو جبریت ہے۔ جبریت کو کون روک سکتا ہے۔ اور کیوں روکے؟ جب کہ ترقی کے زیر سایہ زندگی پر کیفیت ہو گئی ہے۔ بے قید چھوٹ۔ غیر محدود آزادی — اور لذات!

اور اس سیلاب کو کون روکے؟

کیا وہ متنازل لٹ کی جو اپنی ذات کا اثبات اور اپنے وجود کو محقق کرنا چاہتی ہے؟ کیا سہل الحصول لذتوں میں غرق نوجوان جنہیں لذتوں کے حصول کے لئے چند پیسے بھی خرچ نہیں کرنے پڑتے؟

کیا نیشن ہاؤس — کیا سینا — یا وہ لوگ جو اس کا روبرو سے لاکھوں روپے روٹے ہیں؟

کیا ادیب اور فنکار — جن کی کتابیں اور جن کی تخلیقات اسی مٹی ہیجان کی بناء پر رواج پاتی ہیں؟

یا وہ شیاہلین جو انسانیت کو کٹاں کٹاں تباہی کے کنارے پر لا رہے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! ان میں سے کوئی بھی اس سیلاب کو روکنے والا نہیں ہے

* * *

اس صورت حال کے باوجود کچھ لوگ برابر خطرے سے آگاہ کر رہے ہیں۔ !
 کچھ لوگ سیخ سیخ کر کہہ رہے ہیں کہ اب انتہا ہو چکی اور ہماری گمراہی حد سے
 گزر چکی ہے۔ !

کچھ لوگ برابر صد انگارے ہیں کہ نظرت کی طرف واپس آ جاؤ ! اخلاق کی جانب
 لوٹ آؤ۔ ! ضبط کی قوتوں کو کام میں لاؤ ! تم اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہو !۔ تم
 مستقبل کو تباہ کر رہے ہو ! تم انسانیت کی ہلاکت و بربادی کے لئے سامان سیٹھ رہے ہو !
 یہ آوازیں مختلف سمتوں سے آرہی ہیں، اور یہ باتیں کہنے والے غریبی لوگ نہیں
 بلکہ سائنس دان، سیاست دان، فلسفی اور ملحد دانشور ہیں !

یہ گواہیاں اب متواتر سامنے آرہی ہیں

———— اور یہ بیویں صدی کی شہادتیں ہیں !

* * *

الکس کاریل اپنی کتاب "انسان نامعلوم" میں کہتا ہے۔

"موجودہ تہذیب ایک نازک مقام پر کھڑی ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے مزاج کے
 مطابق نہیں ہے۔ یہ ہماری طبیعت کی حقیقت سمجھے بغیر وجود میں لائی گئی ہے۔ یہ تہذیب
 سائنسی اکتشافات لوگوں کی خواہشات، ادا نام نظریات اور رغبات کے نتیجے میں وجود میں
 آئی ہے۔ اگرچہ یہ تہذیب ہماری ہی جدوجہد کا حاصل ہے۔ مگر یہ ہمارے مزاج
 کے مطابق نہیں ہے۔" (ص - ۳۸)

"انسان کو ہر شے کا معیار بننا چاہیئے۔ لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے۔ انسان تو خود
 اپنی ہی دنیا میں اجنبی ہے۔ انسان اپنی دنیا خود نہیں بنا سکتا کیونکہ اسے اپنی طبیعت
 کے بارے میں کوئی عملی معرفت نہیں ہے۔ حیاتیاتی علوم کے بالمقابل علوم جمادات میں
 جو عظیم ترقی ہوئی ہے۔ وہ انسانیت کے لئے ایک مصیبت سے کم نہیں ہے۔ ہم سبھی بڑے

بذریعہ ہیں۔ ہم اخلاقی اور عقلی طور پر زوال پذیر ہیں۔ وہ ہی جماعتیں اور قومیں جو صنعتی تہذیب میں بے پناہ ترقی حاصل کر لیتی ہیں۔ وہ قومیں پہلے کمزور ہو جاتی ہیں اور دوسری قوموں کی نسبت زیادہ جلدی بربریت اختیار کر لیتی ہیں۔ (ص - ۴۳ - ۴۴)

موجودہ تہذیب انسان کے عقلی اعمال کے لئے کوئی مناسب ماحول پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔ گری ہوئی اخلاقی اور روحانی قدریں اکثر لوگوں کے نفسیاتی تقاضوں کا سبب بن رہی ہیں۔ کیونکہ مادہ کی برتری اور صنعتی مذہب کے اصولوں نے ثقافت جمال اور اخلاق کو تباہ کر دیا ہے۔ (ص - ۱۲۲)

”موجودہ معاشرے کی ایک بھیاں تک غلطی یہ ہے کہ اس میں بچوں کی تربیت تمام تر اسکولوں کے ذمہ عائد کر دی گئی ہے۔ مائیں بچوں کو پرورش گاہوں میں چھوڑ کر خود اپنے کام کا ج یا کسی اجتماعی مصروفیت یا ادبی اور فنی مشاغل یا اپنی دلچسپیوں، یا برج کھیلنے یا سینا دیکھنے نکل جاتی ہیں۔ اور اس طرح اپنا وقت ضائع کر دیتی ہیں۔ خاندانی وحدت اور بچوں بڑوں کی باہمی نشست کے بارے میں عورتیں جواب دہ قرار پاتی ہیں۔ بچے اپنے بڑوں کی صحبت میں بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں۔ کتوں کے پٹے جو اپنے ہم عمروں کے ساتھ کسی بارے میں رہ رہے ہوں۔ وہ اس طرح بھرپور طریقے پر نہیں بڑھتے جس طرح وہ پٹے بڑھتے ہیں۔ جو اپنے ماں باپ کے ساتھ لگے پھرتے ہیں۔ یہی حال ان بچوں کا ہے جو بہت سے بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ کیونکہ بچے اپنے عضوی عقلی اور میلانی عمل کو اس قالب کے مطابق انجام دیتا ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہم عمر بچوں سے بہت کم سیکھتا ہے۔ اور اگر اسکول میں صرف بچوں کے ساتھ رہے تو یہ بچہ ناممکن رہ جاتا ہے گا۔ ایک فرد کو اپنی بھرپور صلاحیتوں کے حصول کے لئے کسی تدریج اور کسی حد تک خاندانی اجتماعیت چاہیئے ہوتی ہے۔ (ص - ۳۱۸ - ۳۱۹)

”یہ بات واضح ہے کہ جنسی افراط عقل اور عمل میں تعطل پیدا کرتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے

کہ عقل بہتر ناپاٹے ہوئے جنسی غدود کی محتاج ہے۔ اور یہ کہ کچھ وقت کے لئے جنسی عمل کو روکا جائے تاکہ وہ اپنی پوری قوت حاصل کر لے۔ فرائیڈ نے شعوری عمل کے گوناگوں پہلوؤں میں جنسی محرکات کی اہمیت بالکل صحیح واضح کی ہے۔ مگر اس کی منکر کے نتائج عام طور پر مرلیضوں سے متعلق ہیں۔ اس لئے اس کے نتائج عام لوگوں پر منطبق نہیں کئے جاسکتے۔ اور خاص طور پر وہ لوگ جو طاقت ور عصبی نظام اور اپنے نفس پر قوت رکھتے ہیں۔ جب کہ کردار اور بیمار اعصاب والے غیر متوازن لوگوں میں جنسی قوت کو کچلنے سے شدید مزید بڑھ جاتا ہے۔ مگر قوی اعصاب والے جنس کو کنٹرول کر کے مزید قوت حاصل کرتے ہیں۔ (ص - ۱۸۴)

آج کا انسان وراثتاً ماحول اور زندگی کی ان عادات کا پروردہ ہے جو آج کے معاشرے نے اس پر تسرین کی ہیں۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ عادات کس طرح اس کے جسم اور شعور پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ انسان اپنے آپ کو اس ماحول کے مطابق بنانے سے قاصر ہے۔ اور جس کو آج کی تکنالوجی نے بنایا ہے۔ اس ماحول نے انسان کو اباحت پسند بنا دیا ہے۔ سائنس اور تکنالوجی کو موجودہ صورت حال کا ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا بلکہ اصل ذمہ دار ہم خود ہیں۔ کیونکہ ہم جائز اور ناجائز میں امتیاز کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں | ہم نے قوانین طبیعت کی خلاف ورزی کر کے ایک بڑی غلطی کی ہے۔ اس غلطی پر ہمیشہ سزا ملتی ہے۔ جب انسان دوسرے ستیاردوں تک پہنچنے کی کوشش کی تو زندگی نے اسے کمزور بنا دیا۔ چنانچہ تہذیب دوبہ زوال ہے۔ (ص - ۳۲۲)

* * *

امریکی فلسفی ول ڈیورانٹ (WILL DURANT) اپنی کتاب نیرنگی فلسفہ میں کہتا ہے۔

”ہماری آج کی ثقافت سطحی اور ہمارا علم خطرناک ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس آلات اور شینیں تو بہت ہیں۔ مگر مقاصد کا فقدان ہے۔ توازن عقل جو پہلے مذہب

ا کی ایمانی حسرت سے پیدا ہوا کرتا تھا۔ اب ختم ہو چکا ہے۔ اور سائنس نے ہم سے
 ا بند اخلاقی اصول چھین لئے ہیں۔ ساری دنیا ایک عجیب انفرادی اضطراب کا شکار ہے
 جو حقیقت ہماری اخلاقی پراگندگی کا آئینہ دار ہے۔ ہم بھی آج اسی شکل سے دوچار
 ہیں جس سے سقراط دوچار تھا۔ کہ ہم وہ طبعی اخلاق کہاں سے لائیں۔ جو ان آسمانی تہنیتات
 کی جگہ لے سکیں۔ جن کا اثر انسانی زندگی میں باطل ہو چکا ہے؟ اس فساد و جنوں کا شکار
 ہو کر ہم نے اپنی اجتماعی میراث کو تباہ کر لیا ہے۔ فلسفہ کے بغیر ہمارے سامنے ایسا کوئی کلی نظریہ
 نہیں رہ سکتا جس سے مقاصد میں اتحاد اور خواہشات میں یکسانیت پیدا ہو سکے۔

(صن - ۶ - جلد - ۱ -)

”مانع حل ادیر اور ان کی اشاعت ہمارے اخلاقی تغیر کا براہ راست سبب ہیں پہلے
 قانون اخلاق جنسی تعلق کو پابند نکاح رکھتا تھا، کیونکہ نکاح کا مطلب باپ بنا ہوتا ہے
 ان دونوں امور میں کوئی فصل نہیں ہے۔ باپ بچہ کا ذمہ دار اسی وقت ہوتا تھا جب وہ
 بطریق نکاح ہو۔ آج جنس اور نسل کا تعلق ختم ہو چکا ہے۔ اور ایسا موقف سامنے آگیا ہے
 جس کی ہمارے باپ دادا توقع بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اب اس موقف کے زیر اثر مرد و
 زن کے تعلقات تغیر پذیر ہیں مستقبل کے قانون اخلاق پر یہ لازم ہے کہ وہ آج کی ایجادات
 کے نتیجہ میں پیدا شدہ سہولتوں کو مد نظر رکھے تاکہ تباہ شدہ رغبات بڑے کارآمد آسکیں“

ما مصنف یہ قرار کرتا ہے کہ حسرت ایمانی پہلے عقل میں توازن پیدا کیا کرتی تھی
 مگر حریت ایمانی کو دوبارہ وجود میں لانے کے لئے نہیں کہتا۔ بلکہ گم کردہ عقلی توازن کیلئے فلسفہ
 کا سہارا لیتا ہے۔ فلسفہ ہمیشہ ٹھنڈے ذہن کی پیداوار رہا ہے۔ اس میں یہ صلاحیت نہیں کہ گرم جوش
 انسانی زندگی پر اثر انداز ہو سکے۔ انسانی زندگی صرف عقیدے سے متاثر ہوتی ہے۔ مگر امریکی
 مصنف اس کمزور حل کا سہارا لیتا ہے۔ کیونکہ وہ کلیا سے فرار چاہتا ہے!

جب کہ لوگوں کے لئے جنسی تعلق کی ہر سہولت اور ہر قسم کی انگینت موجود ہے۔ تو شہری زندگی بھی نکاح کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہی ہے۔ اب جنسی ناپہلے کی بہ نسبت جلد ہی ہو جاتا ہے۔ جب کہ معاشی ناکافی تاخیر سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر زرعی نظام میں خواہشات کا کچلنا کوئی معقول عمل تھا۔ تو آج صنعتی تہذیب میں جنس نے تیس سال کی عمر تک لوگوں کے لئے نکاح مشکل بنا دیا ہے۔ یہ مرد شوار اور غیر طبعی ہے! اس لئے جسم کا بھڑک اٹھنا اور ضبط نفس کی قوت کا کمزور پڑ جانا یقینی ہے۔ جو عفت پہلے فضیلت تھی۔ وہ اب مضحکہ خیز شے ہے۔ اب جمال افزا حیار کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ مرد اپنی غلطیوں کو کو بطور فخر گناہے ہیں۔ اور عورتیں ان معاملات میں مرد سے مساوات چاہتی ہیں اب نکاح سے پہلے ہی طوط ہونا جانی پہچانی بات ہے۔ اب فحاشی کے اڈے پولیس سے بچاؤ کے لئے نہیں بلکہ عاشق مزاج عورتوں کی کثرت کی بنا پر پوشیدہ رکھے جاتے ہیں۔ زرعی اخلاق ختم ہو گیا۔

اب شہری زندگی پر اس کی حکمرانی باقی نہیں ہے۔

”اس اجتماعی برائی کا ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہے۔ جسے ہم تاخیر زواج کا سبب بتا سکیں۔ یا یہ کہ اس برائی کا مرجع ہماری غیر مہذب تعداد ازدواج کی عادت ہے۔

مگر گمان غالب یہ ہے کہ دور جدید میں معاشرے کی برائی کا بڑا سبب ازدواجی زندگی میں غیر ضروری تاخیر ہے۔ نکاح کے بعد کی اباحت دراصل پہلے ہی کی تعداد

۱۔ مصنف تاریخ کی مادی تعبیر کا سہارا لے کر اخلاقی تغیر کی وجہ معاشی ترقی بتاتا ہے ہم

ان اقتباسات پر تنقید کے بجائے صرف انہیں نقل کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام حضرات

ایک خاص نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ یہ کہ ترقی ————— یا جو کچھ بھی اس کا نام ہو —————

انسانیت کو تباہی سے ہمکنار کرنے والی ہے۔

ازدواج کی عادت کا نتیجہ ہے۔ کبھی ہم اس تانباک صنعتی دور میں حیاتیاتی اور اجتماعی رجحانات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کبھی یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اب اس دنیا سے کوئی راہ فرار نہیں ہے۔ جس کو انسان نے خود تخلیق کیا ہے۔ اور دور جدید کے اکثر مفکرین کی یہی رائے ہے۔ باقی یہ بات انتہائی شرمناک ہے کہ ہم خوشی خوشی نصف ملین امریکی لڑکیوں کو اباحت کی قربان گاہ پر قربان ہوتا دیکھیں۔ یہی لڑکیاں ہمارے سامنے ڈراموں اور عریاں لڑکیوں میں پیش کی جاتی ہیں۔ اس لڑکی پر کے ذریعہ صنعتی ابتری کے شکار اور نکاح و صحت سے محروم مرد و زن میں صنعتی انتشار پیدا کر کے دولت کمائی جاتی ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ بھی کم اندوہناک نہیں ہے جس شخص کی ازدواجی زندگی میں تاخیر ہوتی ہے وہ راہِ حلقی بتزلزل لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ اور تجربہ کے اس دور میں مرد کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے نئی نظام جدید ترین سہولتوں سے آراستہ اور اعلیٰ ترین اداروں کی شکل میں منظم ملتا ہے۔ اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے دنیا میں خواہشات کو براہِ نیکی نہ کرنے اور ان کی تکمیل کے تمام طریقے اختیار کر لئے گئے ہوں۔

(ص ۱۲۷ - ۱۲۸)

”غالب گمان یہ ہے کہ لذت پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان نے مذہبی عقائد پر حملہ آور ہونے میں ڈارون کی بڑی مدد کی ہے۔ جب نوجوان کو یہ علم ہوا کہ مذہب ان کی لذتوں کو برا خیال کرتا ہے تو اسخوں نے بھی سائنس کی مدد سے مذہب کی برائی کے لئے ہزاروں اسباب ڈھونڈ لئے۔“ (ص ۱۳۲)

جدید معاشرہ میں چونکہ مرد و زن صحیح نکاح سے وابستہ نہیں ہوتے، بلکہ ایک طرح سے جنسی تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے بنیادی باقی نہیں رہی۔ جس پر نکاح قائم ہوتا، اور نہ ہی زندگی کے مقومات باقی رہے۔ لہذا یہ نکاح جلد ہی ختم ہو جاتا ہے

اور زوجین علیحدہ سے ایک دوسرے سے کٹے کٹے رہنے لگتے۔ پھر اس اجنبیت کی انتہا یہ ہوتی ہے کہ مرد میں تنوع کی خواہش ابھرتی ہے۔ کیونکہ بیوی کے پاس مرد کے تنوع کی خواہش کی تسکین کے لئے کچھ نہیں! (ص - ۲۲۵)

ذرا ہمیں باخبر لوگوں سے اپنے تجربہ کے نتائج سننا چاہتیں۔ یہ کوئی خوش کن نتائج نہیں ہیں۔ ہم تغیر کا اس طرح شکار ہیں کہ اس کے جبری نتائج تک پہنچ کر رہیں گے عادات روایات اور نظاموں کی اس کثرت کا کیا نتیجہ ہوگا۔ بڑے بڑے شہروں میں گھریلو ماحول ختم ہو چکا ہے۔ اور ایک زوجی اپنی اہمیت کھو چکی ہے۔ بغیر میڈیٹیشن نسل کو مد نظر رکھتے ہوئے صنعتی تعلقات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور ہر جائز یا ناجائز طریقے پر جنسی تعلقات قائم کئے جا رہے ہیں۔ اگرچہ اس سلسلہ میں مرد کو زیادہ آزادی حاصل ہے۔ مگر عورت بھی اس صورت کو اس نہایتی سے بہتر خیال کرتی ہے جس میں اس کا کوئی عاشق نہیں ہوتا۔ "ازدواجی" معیار ختم ہو جائے گا۔ اور عورت مرد کو ہر شے میں زواج سے پہلے تجربہ پر آمادہ کرے گی۔ طلاق بڑھ جائے گی۔ اور شہر مطلقہ عورتوں سے بڑھ جائیں گے! پھر نظام زواج کو کوئی ایسی شکل دی جائے گی جس میں سہولت زیادہ ہو۔ جب منع حمل ہر طبقہ کی عورتوں کی عادت بن جائے گا۔ تو عورت کی زندگی میں حمل ایک عارضی سی بات رہے گی۔ اور بچوں کی تربیت بجائے گھروں کے زمریوں میں ہونے لگے گی۔ بس یہی کچھ ہونا ہے! (ص - ۲۳۵ - ۳۶)

* * *

۱۔ مصنف نے یہ کتاب ۱۹۲۹ء میں لکھی تھی۔ اور جن برائیوں کی اس نے پیش گوئی کی تھی۔ امریکی معاشرے میں وہ سب رونما ہو چکی ہیں۔ پھر یہ متعدد بیماریوں کی طرح ان ترقی پذیر معاشرہ میں پہنچ رہی ہیں جو مغربی تہذیب کو اپنا رہے ہیں۔

روزنامہ اخبار الیوم کے ۱۲ مئی ۱۹۶۳ء کی ایک اشاعت میں نوجوان نسل تباہی کے کنارے پڑنے کے عنوان سے ایک اخباری جائزہ شائع ہوا ہے جس کی ابتدا ان جملوں سے ہوتی ہے۔

”آج کی نوجوان نسل کا رخ کس طرف ہے؟“

امریکی نوجوانوں میں انحراف تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ برطانیہ میں نشہ کرنے والے نوجوانوں کی انجنینس تشکیل پا رہی ہیں۔ روس میں ایوان بالا کے نمائندے روسی نوجوانوں کے انحراف کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔ ”اخبار العالم“ نے تمام دنیا میں مقیم اپنے نمائندوں کو تار دیئے کہ وہ موجودہ نوجوان نسل کے انحراف کا مکمل جائزہ اس سال کریں۔ چنانچہ — لندن سے زغلول سید لکھتے ہیں۔

برطانوی نوجوان خواہ وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق ہوں۔ اکثر جرائم کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں — طبقاتی نظام کے بارے میں دنیا میں سب سے زیادہ حساس برطانیہ ہے۔ برطانوی اخبارات روزانہ ملک میں ہونے والے جرائم کی تفصیل شائع کرتے ہیں ان جرائم کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ بعض نوجوان سینما دیکھنے گئے مگر فلم اسٹیفن سپنڈر آیا۔ تو اسٹیفن نے سیٹوں کو چھریوں سے کاٹ ڈالا۔ اور اسکرین بھی پھاڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں سینما بند ہو گیا۔ اور یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں بلکہ اس قسم کا واقعہ تیسری بار پیش آیا تھا۔

انجمنوں کے حملے

کچھ ہی دن گزرے نوجوانوں کی چند انجمنوں نے ایک دوسری انجمن پر حملہ کا پروگرام بنایا۔ اور اس کے دس افراد کو چھری مار کر زخمی کر دیا۔ حملہ کی تیاری اس طرح کی گئی تھی جیسے جنگ کی تیاری ہو رہی ہو۔ پہلے مرسول پارٹی نے بعض افراد کو خبریں لینے کے لئے

بھیجا۔ اور پھر سب کے سب چھریاں، لاشیاں، لوہے کی سلاخیں اور شیشے کے ٹکڑے لے کر حملہ آور ہو گئے۔ دوسری طرف پارٹی کے لوگ میونسپلٹی کے میدان میں ٹوٹ کر رہے تھے کہ اچانک مرسیل پارٹی ان پر ٹوٹ پڑی۔ رقص میں شریک لڑکیوں کی چنجیں نکل گئیں اور ہر طرف خون بہنے لگا۔

نچلے طبقے کے جرائم

نچلے طبقے کے افراد جن جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ بہت ہی بھیانک اور ہولناک ہوتے ہیں۔ اس طبقے کے منحرف نوجوان بڑی بڑی ٹولیوں میں جمع ہو کر ریہات اور چھوٹے چھوٹے شہروں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور وہ تمام حرکات کرتے ہیں جو وہ فلموں میں دیکھتے ہیں۔

پانچ نوجوان عدالت کے سامنے

گزشتہ ہفتہ پانچ نوجوان انخرف اور کاہلی کے الزام ہیں، ویسٹ لنڈن کے جسٹس سیمور کولنیز کے سامنے پیش ہوئے جسٹس نے جان بومونٹ (۲۳ سال عمر) سے کہا کہ تم نوجوان ہو اور بڑے اچھے امکانات سے نائدہ اٹھا سکتے ہو۔ تم کیوں خواہ مخواہ سستی اور کاہلی سے اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہو۔ ایک وقت آئے گا کوئی تمہاری مدد نہیں کرے گا۔

مشر جسٹس نے بال ایوا (۲۳ سال عمر) سے کہا۔ کیا فی الواقع تم یہی سمجھتی ہو کہ تمہارے کاموں کے لئے ایک خدمتگار مقرر ہو جائے۔ اور تم اپنے بال پیشانی اور گردن پر ڈالے پھرتی رہو۔

مشر جسٹس نے چارلیس ویٹ وڈ (۲۱ سال عمر) سے کہا

تمہیں اپنے آپ کو ایک مہذب انسان بنانے کے لئے محنت کرنا پڑے گی۔

میں کالج چھوڑ کر ادارہ گردی کیوں کرنے لگا؟

میں سلکم ڈریک ۲۳ سال عمر (کتا بے کمرے والدین نے مجھے حاسی تعلیم لاتی لیکن میں نے کالج میں حصول تعلیم کے دوران سوچا کہ میں مستقبل میں کیا بنوں گا؟ — اور اس سوال کے جواب میں میں نے چشم تصور سے سارا سارا دن کسی بینک کی کرسی پر جے ہوئے دیکھا — اور مجھے زندگی کی اس طرز میں کوئی خوشی نظر نہ آئی۔ بلکہ اس طرز زندگی میں بیماریاں، دوائیں اور مسکن گولیاں نظر آئیں — یہ سب کچھ سوچ کر میں نے کالج چھوڑ دیا۔ اور میں آزاد زندگی گزارنے کے لئے لندن اور پیرس کی سڑکوں پر نکل آیا!

زندگی کی تحقیر

نوجوان نسل زندگی کو حقیر خیال کرتی ہے، اور ان میں بہت سے بھوک کے مارے سڑکوں پر دم توڑ دیتے ہیں۔ اور بہت سے تقریباً تیس سال سے لندن میں بیکاری کی زندگی گزارتے آرہے ہیں۔ کیونکہ معاشرہ کسی نہ کسی طور ان کی مدد کرتا رہتا ہے۔ چارلس ویسٹ وڈ بتاتا ہے کہ انہیں پیسے کس طرح میسر آتے ہیں۔

ہماری ہفتہ وار آمدنی تیس اور چالیس شلنگ کے درمیان ہے۔ اور یہ پیسے ہمیں ان لوگوں سے حاصل ہوتے ہیں — ہم پر رحم کھانے، اور ہمیں دیکھ کر خوش ہونے والی لڑکیاں۔ وہ سیاح جو ہماری تصویریں لینا چاہتے ہوں۔ لندن کے وہ لوگ جو شہر کے خفیہ ٹھکانوں کا پتہ لگانا چاہتے ہوں۔ وہ دانشور جو رات بھر ہم سے بحث میں سرگرم کھیلتے ہیں۔ یادہ لوگ جو تنہا ہوں اور کسی ساتھی کی تلاش میں ہوں۔ غرض ہر اس

ذریعے سے پیسے آجاتے ہیں۔ جو جات تو ہو مگر کچھ کرنا نہ پڑے۔

بھنگ کا استعمال

متوسط طبقہ کے نوجوانوں میں بھنگ کا استعمال تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اس فتنہ میں نوجوانوں کی طرح لڑکیاں بھی مبتلا ہیں۔ چونکہ لڑکیوں کے لئے بھنگ کا حصول مشکل ہے۔ اس لئے وہ مخدر گولیاں استعمال کرتی ہیں۔ یہ گولیاں چوری چھپے ہوٹلوں اور بار روم میں ملتی ہیں۔ ایٹ بورن میں پولیس نے معلوم کیا کہ اسکول کی لڑکیاں بھی یہ گولیاں استعمال کرتی ہیں۔ ان لڑکیوں نے بتایا کہ وہ ان گولیوں کو اس لئے استعمال کرتی ہیں کہ وہ زندگی سے فرار چاہتی ہیں۔

جرم اور انحراف کے لحاظ سے ہوسو کا علاقہ بدترین علاقہ ہے۔ یہاں جگہ جگہ نشہ خانے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں ساری ساری رات لڑکیاں ٹوٹ کر رہتی ہیں۔ مخدر کے استعمال سے ان کی عقلیں خبط ہو چکی ہیں۔

اب انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ کیا ہو رہا ہے، اور کیا ہو گا؟

جرائم کا مقابلہ

سوال یہ ہے کہ برطانیہ نے جرائم کے بڑھتے ہوئے رجحان کے خلاف کیا اقدامات

ماڈرٹکن، ہر جنوری سلسلہ کے مندرجہ ذیل مضامین میں مخدرات استعمال کرنے والے نوجوانوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ نوجوان کہتے ہیں کہ بھنگ کے استعمال سے ہم اپنے نفس کی تعبیر کرتے ہیں اور ایک تباہ معاشرے اور بے رنگ دنیا میں اپنا مقام متعین کرتے ہیں۔ ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم نے خیال انسانی کے ادراک کا دروازہ کھول دیا ہے۔

کہتے ہیں؟

میں وزارت داخلہ سے متعلق منہج نوجوانوں کے دفتر گیا۔ اور اس شعبہ کے ڈائریکٹر مسٹر دیوان سے ملا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ہر طبقہ میں جرائم کے اسباب مختلف ہیں۔ بدترین منہج نوجوان نچلے طبقہ سے متعلق ہیں۔ تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ ان نوجوانوں کے اعمال کی ذمہ داران کی غلط تربیت ہے۔ جنگ کا بھی بڑا اثر ہے۔ کیونکہ جنگ کے دوران بہت سے خاندان ہجرت کر گئے اور بہت سے یتیم بچے چھوڑ گئے۔ وہ ہی بعد میں جرائم کا ارتکاب کرنے لگے۔

سینا اور ٹیلی ویژن نے بھی بڑے خراب اثرات ڈالے ہیں۔ ایک تیرہ سالہ بچہ نے اپنی ماں کی جراب سے اپنے دوست کا گلہ گھونٹ دیا۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا میں نے ٹیلی ویژن پر ایسے ہی دیکھا تھا۔

تدارک

جو فلم اور ڈرامے ٹیلی ویژن پر پیش کئے جاتے ہیں۔ حکومت نے ان کے بارے میں تحقیقات کا حکم دیا ہے۔ مگر نوجوانوں میں جرائم کے پھیلنے کا یہ واحد سبب نہیں ہے۔ مسٹر دیوان نے مجھے بتایا کہ حکومت ایسی سہولتیں بہم پہنچانے سے قاصر ہے۔ جن کے تحت نوجوان اپنے فرصت کے اوقات خوشی سے گزار سکیں۔ اس لئے اب حکومت بڑی تعداد میں انجمنیں اور نہانے کے تالاب اور دوسرے تفریح کے مقام بنانے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔

ساتھ ہی ڈاکٹروں، ماہرین اجتماعیات اور ماہرین تربیت کی ایک بڑی جماعت نوجوانوں کے انحرافات ان کی ضرورتوں اور ان کی مشکلات پر غور کر رہی ہے۔
مسٹر رلینڈ سے ابراہیم سعدہ لکھتے ہیں۔

”اس وقت رات کا ایک بجایا ہے۔ تمام سڑکیں خالی پڑی ہیں۔ سردی اعضاء کو نمند کئے ہوئے رہی ہے۔ اور رگوں میں خون کی گردش رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ اچانک ایک قدیم طرز کی کھلی ہوئی کار آتی ہے۔ ساری کار بڑی طرح طبعی اور غیر طبعی رنگوں سے بٹی ہوئی ہے۔ کار کے ڈھانچے، کھڑکیوں غرض ہر مقام پر کسی پکاسو کے مقلد نے عجیب عجیب تصویریں بنائی ہوئی ہیں۔ جن کے نقوش کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس کار میں سات آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔

آپ لڑکے لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں محسوس کر سکتے۔ ایک ہی قسم کی نہایت تنگ پتلون۔ جو جسم کو چھپانے کے بجائے اس کی ساخت کو نمایاں کرتی ہے۔ ایک ہی قسم کا سرخ، ہرا اور لال بلاؤز (BLOUSE) پہنے ہوئے ہیں۔ اور لمبے لمبے بال کٹھڑی اور گردن تک پڑے ہوئے ہیں۔

ہال میں

پھر یہ کار بحیرہ جنیوا (GENEVA) کے ساحل پر پھیلی ہوئی کوٹھیوں میں سے ایک میں چلی گئی۔ اور یہ سب تالا کھول کر ایک بڑے ہال میں چلے گئے۔ لائٹیں روشن ہو گئیں۔ اور تیر اور دھکی کو ایک بڑے برتن میں ڈال کر ٹیل بنالی گئی۔ گراموفون پر یکاڑنگ شروع ہو گئی، اور پورے ماحول میں موسیقی بکھر گئی۔ پھر بڑی لائٹیں گل ہو گئیں اور رنگین لب روشن ہو گئے۔ صوفوں، پردوں اور کھڑکیوں کی پوشیدہ لائٹیں (HIDDEN LIGHTS) روشن کر دی گئیں۔ ہر شخص نے سگاریا سگریٹ منہ کو لگا لیا ہے۔ اور دھواں کمر کی چھت میں گردش کرنے لگا۔ اس مجلس کی تکمیل کے لئے قص بھی ضروری ہے۔ کسی کو یہ خبر نہیں کہ صبح کے تین بجنے والے ہیں۔ بلکہ راک اینڈ رول اور ٹوٹلٹ کے ریکارڈ لگائے گئے۔ پھر یہ لوگ بدست ہرگز زمین پر ہاتھ پیر مارنے لگے۔ اس کے بعد سب کوتاہ

تقسیم کئے گئے۔ اب پہلا شخص دوسرے سے ایک پتہ لیتا ہے۔ اگر وہ اس کے پاس بھی ہو
ہے تو دونوں پتے زمین پر ڈال دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح کھیل جاری رہتا ہے۔ جب کسی
کے ہاتھ میں ایک ہی پتہ رہ جاتا ہے تو وہ ہار جاتا ہے۔ اور ہارنے والے کو سزا دی جاتی
ہے۔ وہ یہ کہ اپنے تمام کپڑے اتار دے۔ چنانچہ وہ پہلے جیکٹ ماتی اور جوتے
اتارتا ہے۔ — غرض یہ کھیل جاری رہتا ہے۔ حتیٰ آنکہ سب اپنے کپڑے اتار کر مادر زاد
برہنہ ہو جاتے ہیں۔ پھر تہقے لگاتے ہیں۔ چیتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو پھڑپھڑاتے ہیں
اور اگر اس پارٹی میں لڑکیاں بھی شامل ہوں تو حد سے زیادہ شور کرتے ہیں۔“

دوسری کہانی

جب اخباروں نے ان نوجوانوں کی خبریں شائع کیں تو اس پر ان کے گھر والوں
نے کوئی نوٹس نہیں لیا، اور نہ انہیں اس ٹولی کے کپڑے جانے کے واقعہ پر کوئی تاسف
ہوا۔ — وجہ یہ ہے کہ اب سوئٹزرلینڈ میں بلوئر بلک انجینیں قائم ہو چکی ہیں۔ یہ دباؤ
پیرس سے آتی ہے۔ والدین کی دسترس سے بھاگ کر آنے والے نوجوان سڑکوں چائے
خانوں اور بخش خانوں میں بے معنی بزمی زندگی (BOHEMIAN LIFE) گزارتے
ہیں۔ یہ نوجوان اسی طرح نٹ پاستا اور چائے خانوں میں اس وقت تک پڑے رہتے
ہیں جب تک وہ پڑے پڑے تنگ نہ آجائیں۔ پھر وہ اس تنگ دلی اور بد حالی سے
بچنے کے لئے کوئی ایسا عجیب کام کرتے ہیں کہ لوگ ان کی جانب متوجہ ہو جائیں اخبار
میں ان کی تصاویر شائع ہوں۔ ان کے نام اخباروں کے پہلے صفحہ پر آئیں۔ اور ہر
جگہ ان کے تذکرے ہوں۔ نوجوان بے لگام ہو چکے ہیں۔

یہ صورت حال صرف سوئٹزرلینڈ ہی کی نہیں ہے بلکہ پورا یورپ اس مصیبت
سے دوچار ہے۔ ویسے اس بیماری کی ابتداء پیرس سے ہوتی ہے۔ اخباروں نے کہا

کہ پیرس کے نوجوان مظلوم ہیں۔ یہ سب کچھ امریکی فلموں کا کیا دھرا ہے۔ یہ امریکی فلمیں جو مار دھاڑ سے بھر لو رہا اور چپرواہوں کی زندگی دکھاتی ہیں۔ انہوں نے نئی نسل کے اخلاقی کوتاہ کر دیا ہے۔ فریج نوجوان کا پونی کی تقلید کرتے ہیں۔ اور یہ خواب دیکھتے ہیں کہ جس وقت کسی بینک کے سامنے پولیس موجود نہ ہو۔ وہ امریکی طرہیت پر بینک کو لوٹ کر راتوں رات امیر بن جائیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ امریکی فلمیں اس کی ذمہ دار نہیں ہیں۔ فریج نوجوانوں کے انحراف کا سبب خود معاشرے کی اباحت، خاندانی روابط کا عدم وجود، اور بچوں کی تربیت میں والدین کا لاپرواہی برتنا ہے۔

غیر تربیت یافتہ نوجوان زندگی میں قدم رکھتے ہی حیرت و تعجب سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ فلمیں بھی اثر انداز ہوتی ہیں اور نوجوان غلط تصرفات میں ایڈرنچر (ADVENTURE) محسوس کرنے لگتے ہیں۔

شب بیدار محفلیں — اور ہزاروں ڈالر

پیرس میں تقریباً ہر ماہ نوجوانوں کی شب بیدار محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ جن میں جان ہو لڈے گاتا ہے۔ اس نوجوان کی عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہیں۔ جسے پرائمری اسکول سے نکال دیا گیا تھا۔ اور جو آج لاکھوں ڈالر کا مالک ہے۔ ٹکٹوں کی قیمت انتہائی زیادہ ہونے کے باوجود تقریباً دس ہزار لڑکے اور لڑکیاں اس گلوکار کو سننے آتے ہیں۔ یہ محفل رات کے نو بجے منعقد ہوتی ہے اور اس وقت ختم ہوتی ہے جب خون بہہ جاتے ہیں۔ دیواروں پر قتل اور زخمی ہو جاتے ہیں۔ اور پولیس، فائر بریگیڈ اور ای پارٹیاں اور والدین پہنچ جاتے ہیں

سنسز شپ

ماہرین نفسیات حفاظتی علاج تجویز کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں فلموں پر سختی سے سنسر کیا جاتے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی میں بننے والی اباحی فلمیں فوراً بند کر دی جاتیں کسی خاص عمر پر محدود کرنے کے بجائے ان کی نمائش قطعاً روک دی جاتے ٹیلیوژن پر غیر اخلاقی رقص بند کر دیئے جاتیں۔ بے راہ رجوان ہائیڈے اور اس جیسے دوسرے نوجوانوں کو پکڑ کر تربیت گاہوں میں چھوڑ دیا جاتے۔

وشنگٹن سے فریڈ زوسی لکھتے ہیں۔ نوجوانوں میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جرائم کی رفتار تقریباً ۱۲ سال سے بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ادراپ عدالتوں میں پیش ہونے والے نوجوانوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ جب کہ ۱۹۵۹ء میں نوجوانوں کے عدالتوں میں پیش ہونے والے مقدمے صرف ۷۳ تھے۔

نوجوانوں کا مسئلہ امریکی قوم کو پریشان کئے ہوئے ہے۔ ادویہ بیماری اب معاشرے کے اعلیٰ تر افراد میں سراپت کر چکی ہے۔ نوجوان لڑکیاں بھی اس انحراف سے دوچار ہیں جس سے یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ ان سے کیا برتاؤ کیا جائے۔ کیونکہ نوجوانوں کی تنظیمیں لڑکوں کے لئے مخصوص ہیں۔

پولیس نے ایک ٹولی پکڑی جن کی عمریں ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ سال کے درمیان ہیں۔ اور جو کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان لڑکوں پر ۱۱ چوریاں، ۴ مرتبہ لوگوں کے گھروں میں گھسنے، ایک موٹر چرانے اور دس مرتبہ تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزامات ہیں۔

نیوجرسی میں پولیس نے ۱۷ نوجوانوں کی ایک ٹولی کو چوری کے الزام میں پکڑا انھوں نے تقریباً ۱۰ ہزار ڈالر کی قیمتی اشیاء چرا کر انھیں سستے داموں فروخت کر دیا

انہوں نے اعتراف کیا کہ انہیں ان کے والدین اتنے پیسے دیتے ہیں کہ انہیں چوری کی ضرورت نہیں ہے مگر چوری ذرا ایک ایڈ ونچر سٹم کی شے ہے۔

نیویارک کے ویسٹ سسٹر کے والد علالتی میں پبلک پروسیکیوٹر (PUBLIC PROSECUTOR) نے ۲۵۰ نوجوانوں پر مخدرات بیچنے اور انہیں استعمال کرنے کا الزام لگایا ہے۔ حالانکہ یہ نوجوان خاصے دولت مند گھرانوں سے متعلق ہیں۔ ان میں سے اکثر نوجوان جونیورسٹیوں کے طالب علم بھی ہیں۔ ان مخدرات کے عادی بن چکے ہیں۔

امریکی کانگریس کا منظور کردہ قانون

امریکی کانگریس نے چھ سال کی بحث کے بعد ۱۹۶۱ء میں نوجوانوں کے جرائم کا قانون پاس کیا جس پر صدر کینیڈی نے دستخط کئے۔ نوجوانوں کے جرائم کے خلاف یہ قانون بڑا اہم خیال کیا جاتا ہے۔ اس منصوبہ میں آئندہ تین سالوں کے لئے تیس بلین ڈالر رکھے گئے ہیں

چونکہ بیکاری نوجوانوں کے انحراف کا ایک بہت بڑا سبب ہے جس کے لئے کینیڈی حکومت نے ان نوجوانوں کو کام پر لگانے کے لئے ایک عظیم منصوبہ بنایا جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ سے باہر امن فورس قائم کی جاتے۔

ایک بین الاقوامی مسئلہ

نوجوانوں کے جرائم مرتب امریکہ تک محدود نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ایک بین الاقوامی مسئلہ بن چکا ہے۔ چنانچہ لندن میں ۱۹۶۱ء میں جرائم کی روک تھام اور مجرموں کی اصلاح کے لئے جواقوام متحدہ کی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس میں تمام دنیا کے مندوبین نے شرکت کی تھی اور روسی نمائندے بھی موجود تھے۔

سب سے آخر میں دنیا کی دو عظیم حکومتوں کے صدور کی گواہی سنئے۔ وہ دو حکومتیں جو روئے زمین کی مالک اور دنیا میں اپنا حلقہ اقتدار متعین کرنے کے لئے باہم دست و گریباں ہیں۔

۱۹۶۲ء میں دو بیانات شائع ہوئے جن کے قائلین میں مذہب سیاست اور وسائل کا اسی قدر اختلاف ہے جس قدر خود اشتراکیت اور سرمایہ داری میں ہے مگر دونوں بیانات میں ایک قدر مشترک موجود ہے۔ دونوں اپنے وطن کے نوجوانوں کو متنبہ کر رہے ہیں کہ ان کی اباحت حد سے بڑھ چکی اور وہ تباہی کے کنارے پر آگئے ہیں۔

نروٹھیٹ کہتا ہے

اشتراکی نوجوان مغرب ہو رہے ہیں۔ انہیں آسائشات نے تباہ کر دیا ہے ان نوجوانوں میں اباحت، اور انتشار سرایت کر گیا ہے۔ سوویت حکومت اس بے راہروی کو ختم کرنے کے لئے پولیس کو کھلی چھٹی دے دے گی اور ان مغرب نوجوانوں سے چھٹکارا پانے کے لئے سائبریا میں نئے کیمپ بناتے جائیں گے۔ کیونکہ نوجوان روس کے مستقبل کے لئے خطرہ ہیں!!

کینیڈی نے کہا

امریکی نوجوان اباحت پسند عیاش، آسائش پسند اور شہوتوں میں غرق ہیں ہر سات نوجوان جو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے آتے ہیں ان میں سے چھ اپنی شہوت پسندی کی بنا پر اس قابل نہیں ہوتے۔ یہ نوجوان امریکہ کے لئے خطرہ ہیں۔ علماء اور مصلحین کو چاہیئے کہ وہ اس خطرے کو محسوس کر کے اس کے علاج پر غور کریں!

★ ★ ★

وہ بدنام زمانہ واقعہ بھی آپ کے ذہن سے نہ اترتا ہوگا جس میں برطانیہ کے

ذہریجگ نے نہایت اہم جنگی راز ایک فاحشہ کے ساتھ شہوت رانی کی نذر کر دیئے
یہ فاحشہ کئی ایک امر اور دزدانہ کی منظور نظر تھی

اس کے علاوہ جنون، خودکشی، نفسیاتی اور اعصابی امراض اور خون کے دباؤ
کے بڑھتے ہوئے امراض جس کی کئی دوسری مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔!

* * *

بیسویں صدی کی گواہی کافی اہم امور کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۱۔ یہ اخلاقی اباحت ترقی نہیں بلکہ انحراف ہے۔

۱۲۔ یہ انحراف انسانی وجود کے لئے نقصان دہ اور ہلاکت کا باعث ہے

۱۳۔ فطرت انسانی کا وجود ہے۔ اور یہ فطرت اپنی طبیعت کے خلاف

امور سے اذیت پاتی۔ اور ان امور کے تواتر سے بیمار ہو جاتی ہے۔

۱۴۔ فطرت غیر متغیر ہے۔ جو امور آج سے دو ہزار سال قبل فطرت کی

اذیت اور ہلاکت کا سبب تھے۔ وہ آج زمانے گزرنے کے بعد اسی طرح فطرت

کے خلاف ہیں۔ ایسی کوئی ترقی نہیں ہوتی کہ جو امور پہلے فطرت کے لئے ضرر رساں

تھے۔ وہ آج اس کے لئے مفید ہو گئے ہوں بلکہ آج بھی اسی طرح ضرر رساں ہیں۔

۱۵۔ انسانی زندگی کا اخلاقی پہلو کم از کم تمام نسلوں کے لئے غیر متغیر

پیمانہ ہے۔ جو امور لوگوں کے تعلقات اور منفی تعلق میں آج سے دو ہزار سال

قبل درست و صحیح تھے۔ وہ آج بھی صحیح ہیں۔ اور جو اس وقت غلط اور انحراف

تھے۔ وہ تمام تر سائنسی ترقی، اجتماعی معاشی اور سیاسی ارتقاء اور ہزاروں

لوگوں میں نفسیاتی تبدیلی کے بعد آج بھی اسی طرح غلط اور انحراف ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر انسانی زندگی کے نظام کو اخلاق کے اس غیر متغیر مقیاس

کو ضرور اپنے نظام کا جز بنانا ہو گا۔ اس کے بعد مادی، معاشی، اجتماعی اور سیاسی

پہلوؤں میں خواہ کتنی ہی بچا رہے۔ کیونکہ ان پہلوؤں کو نما حاصل کرنا ہے۔ اور ان کا
 نما زندگی کے ہر صالح نظام کے زیر سایہ ہونا چاہیئے۔
 اس لئے ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہم انسانی زندگی کے بارے میں اسلام کا موقف
 واضح کریں۔

انسانی زندگی کے بارے میں اسلام کا موقف

اسلام مذہبِ فطرت ہے۔ اور اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ فطرتِ انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ اور اس سے ہر طرح مطابقت رکھتا ہے۔ میں نے اپنی دو گزشتہ تصنیفات میں اس تطابق کی کیفیت واضح کی ہے۔ چنانچہ ”اسلامی تربیت کے منہاج“ میں میں نے انسانی نفس کی تربیت کے بارے میں اسلام کے طریقہ تربیت، نفس کے تمام پہلوؤں کو محیط اور شامل ہے۔ انسانی وجود کے بارے میں اسلامی تربیت کا طرغیتہ کاریہ ہے کہ وہ اس کا مکمل اور مثالی علاج کرتی ہے۔ اور کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرتی۔ جسم، عقل، روح مادی اور معنوی زندگی، غرض انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اسلامی تربیت اپنے دائرہ اثر میں لے لے ہوئے ہے۔

اسلامی تربیت پورے انسانی وجود کو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ فطرت کے مطابق مد نظر رکھتی ہے۔ نہ فطرت کے کسی پہلو کو نظر انداز کرتی ہے۔ اور نہ کوئی بات خارج سے اس پر مسلط کرتی ہے۔

اسلامی تربیت فطرت کا نہایت عمیق جائزہ لے کر مضارب فطرت کے ہر تار پر ضرب لگاتی اور اس سے ابھرنے والے نغمے کو پوری طرح ہم آہنگ بناتی ہے۔ اسلامی تربیت ہر تار پر علیحدہ ضرب نہیں لگاتی کہ اس طرح بے ربط نغمے ابھر

ہیں۔ اور ایسا بھی نہیں کرتی کہ بعض تاروں پر مسلسل ضرب لگاتی رہے اور بعض کو مسلسل نظر انداز کئے رکھے۔ لیکن اگر اس طرح نغمہ ناقص رہتا ہے۔ اور بھرپور اور دلکش آواز۔ جو اپنی دلکشی میں معجزے کا درجہ رکھتی ہو۔ کا اظہار نہیں کر پاتا۔ بلکہ اسلامی تربیت ایک ہی وقت میں تمام تاروں پر یکساں ضرب لگاتی ہے۔

اور میں نے اپنی کتاب اسلامی نفسیات میں نفس انسانی کے کمونات اور ان کے علاج میں اسلام کا طریقہ بتایا ہے۔ اور خاص طور پر انسانی وجود کے باہمی ربط پر زور دیا ہے۔

انسان کا منفرد اور جداگانہ وجود دوگانہ طبیعت کا مالک ہے۔ اور اس کے دونوں عناصر میں ربط و ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ انسان اپنی اس دوگانہ طبیعت کی بناء پر فرشتوں اور حیوانات کے اعمال انجام دیتا ہے۔ مگر وہ ان اعمال کو اپنے مخصوص انسانی طریقہ پر انجام دیتا ہے۔ جن میں وہ کبھی فرشتہ سے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی حیوان سے۔ مگر پھر بھی وہ فرشتے اور حیوان سے ممتاز ہے!

یہی نہیں۔ بلکہ انسان اپنی دوگانہ طبیعت کے باوجود بھی ایک موحد اور منفرد وجود ہے۔

✓ اس منفرد وجود سے صادر ہونے والے اعمال پیچیدہ اور باہم پیوست ہیں
✓ انسانی اعمال اگرچہ بعض اوقات علیحدہ علیحدہ محسوس ہوتے ہیں۔ مگر ان میں بڑا گہرا ربط ہوتا ہے۔

مادی، معنوی، عملی، تعلیمی، معاشی، اجتماعی، سیاسی، فکری، روحانی۔
غرض انسانی زندگی کے تمام اعمال بظاہر واضح اور مخصوص نوعیت کے حامل نظر

آتے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انسان زندگی کے ایک ہی پہلو کو علیحدہ سے انجام دے رہا ہو اور اس کا کسی دوسرے پہلو سے کوئی تعلق نہ ہو۔

مگر یہ صرف وہم ہے — جیسے جسم اور روح کا علیحدہ ہونا ایک خیالی تہ ہے اس وہم کی وجہ یہ ہے کہ کسی وقت انسانی زندگی کا ایک پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا پہلو اس قدر نمایاں نہیں رہتا۔ بلکہ ذرا اوجھل ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم اس موضوع کو ایک دوسرے زاویہ سے زیر بحث لارہے ہیں یہ کہ انسانی وجود میں کون سے امور غیر متغیر ہیں۔ اور کون سے ارتقار پذیر اور اس موقع پر نفس انسانی کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے۔

* * *

انسانی وجود ایک ایسی وحدت ہے جس میں غیر متغیر پہلو بھی ہیں — اور ارتقار پذیر پہلو بھی ہیں۔ یا یہ کہتے کہ صورتیں متغیر ہوتی رہتی ہیں۔ جو ہر غیر متغیر رہتا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ انسان میں غیر متغیر اور ارتقار پذیر اجزاء مل کر ایک ہی وحدت بناتے ہیں۔ ایسی وحدت جو مربوط، پیوستہ اور متحد ہے اور جس کے اجزاء کو علیحدہ علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

عقل انسانی ترقی پذیر ہے۔ اور ہمیشہ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ نئی نئی معلومات تجربات اور تصورات حاصل کرتی رہتی ہے۔ مگر اس سارے ارتقار کے باوجود عقل انسانی وجود اور انسانی نفس سے علیحدہ تنہا ترقی نہیں کرتی۔ بلکہ اس کا نما اور ارتقار انسان (خواہ وہ فرد ہو یا جماعت) کے پورے داخلی وجود ہی کے اندر رہتے ہوئے ہوتا ہے۔

عقلی ارتقار کے نتیجہ میں رونما ہونے والی تمام مادی اور سائنسی ترقیات بھی ہمیشہ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ مگر انسانی وجود سے علیحدہ رہ کر نہیں۔ بلکہ ان کا اصل مقام

انسان کا وہ ہی غیر متغیر داخلی وجود ہوتا ہے جس سے انسان تشکیل پاتا ہے۔
 معاشی اجتماعی اور سیاسی ارتقاء اور نفس نما بھی آگے بڑھتا اور ترقی پاتا ہے
 مگر انسان کے اس غیر متغیر داخلی وجود میں رہتے ہوئے جس پر یہ تغیرات اثر انداز نہیں
 ہوتے ہیں۔

انسان کی اس دو گانہ طبیعت کو اسلام مد نظر رکھتے ہوئے اس کی بنیاد پر انسانی
 زندگی کے لئے ایک مکمل نظام حیات تشکیل کرتا ہے۔

* * *

<p>شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو۔ جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا۔ اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور</p>	<p>بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یٰۤاٰیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمْ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۖ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَکُمْ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَنِسَاءً</p>
--	---

(النساء-۱) عورتیں پھیلائیں۔

اس دلکش آیت میں چار مسائل انسانی زندگی کے غیر متغیر پہلوؤں کی نشاندہی
 کر رہے ہیں۔

”اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔“ ایک جاندار سے ”اس
 جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں
 پھیلائیں۔“

یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ اس ایک چند کلمات والی آیات میں چار مسائل بڑے
 سادہ اور سہل انداز میں سموریتے گئے! گویا ایک آیت بطور معجزہ بڑے اختصاراً

کے ساتھ ساری انسانی زندگی کی تاریخ بیان کر رہی ہے! قرآن کریم میں اور بھی کئی آیات ہیں جو اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کر رہی ہیں اور جب ہم اس مسئلہ یا ان چاروں مسائل کے بارے میں تفصیلی بحث کریں گے تو وہ آیات پیش کریں گے۔ مگر یہاں ہم اس ایک چند الفاظ والی آیت پر روشنی ڈالیں گے جس میں بڑے سادہ انداز میں انسانیت کے بنیادی حقائق بیان کئے گئے ہیں۔

”رَبُّبیتٌ وَحَدیثُ الْاِنْسَانِ“ ”صُنْفِی وَحَدیثُ الْاِنْسَانِ مَعَاشرہ“ — یہ چاروں مسائل وہ ڈھانچہ بنا رہے ہیں جس میں رہ کر انسانیت زندگی گزارتی ہے۔ اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا“ یہ ربوبیت اور تخلیق کا مسئلہ ہے۔ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہمیشہ سے غیر متغیر رہا ہے اور تاریخ کے سارے درجہ ذرا اس میں کوئی تبدیلی نہ پیدا کر سکے۔ اور نہ تاریخ کے تغیرات اس کی اہمیت میں کوئی کمی پیدا کر سکے۔ اس لئے اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ اللہ سے ڈرا جائے۔ اسی مقام سے انسانی زندگی کا اولین مسئلہ یعنی عقیدہ کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

ایک جاندار سے۔ یہ مسئلہ بتاتا ہے کہ پوری انسانیت ایک نفس سے اور ایک اصل مشترک سے پیدا ہوئی ہے۔ اور ایک ہی وجود ان کو آپس میں ملاتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی نہ تاریخی انقلابات سے بدلا۔ اور نہ اس کی اہمیت میں کوئی کمی واقع ہوئی اس پر انسانی اخوت کی بنیاد ہے۔

”اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا“ یہ صنفی مسئلہ ہے۔ مرد اور عورت ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اور عورت مرد ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس مسئلہ میں تاریخی تغیرات سے نہ کوئی تبدیلی ہوتی اور نہ ہی اس کی اہمیت میں کوئی کمی واقع ہوتی۔ اس سے انسان کی دونوں صنفوں میں مساوات اور دونوں صنفوں کے درمیان ایک غیر متغیر

تعلق کا پتہ چلتا ہے۔

”اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں“

یہ افراد سے ابھرنے والے معاشرے کی نشاندہی ہے۔ سب انسان ایک نفس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس میں کبھی تاریکی تغیرات نے نہ کوئی تبدیلی کی ہے۔ اور ان کی اہمیت میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے۔ اور اسی لئے معاشرے کی تنظیم انہی حقائق پر ہوتی ہے۔ —

اخوت — وحدت تخلیق — اور وحدت نفس انسانی —

کیا یہ حقائق ذرائع پیداوار کے تغیر — یا سائنسی ترقی سے بدل گئے ہیں — یا ان حقائق کی تاثیر میں کوئی تبدیلی آئی ہے ؟

اپنی ابتدا سے لے کر انتہا تک یہ حقائق ناقابلِ تغیر رہے ہیں کیونکہ یہ تاریخی حقائق ہیں جن کی تبدیلی ناممکن ہے !

ان چاروں غیر متغیر حقائق پر، اور کئی حقیقتیں، قوانین اور ترجیحات قائم ہیں۔ اور چونکہ وہ حقائق غیر متغیر ہیں اس لئے ان پر مرتب ہونے والے قوانین بھی ناقابلِ تغیر اور رہتی دنیا تک رہنے والے ہیں۔

اب ہم اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے زیر بحث لائیں گے

* * *

ربوبیت

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔“

اسلامی تصور میں ربوبیت کا مسئلہ بنیادی مسئلہ اور اولین حقیقت ہے۔ اس ایک حقیقت سے مندرجہ ذیل حقائق ابھرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔ اسی نے کائنات کو پیدا کیا۔ اور اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اس لئے وہ ہی رب ہے۔ اور تنہا اس کی عبادت کرنی ہے۔

یہ ایک ناقابلِ تغیر حقیقت ہے۔ تمام مادی علمی، معاشی، اجتماعی اور نفسیاتی تغیرات کے نتیجہ میں کوئی ایسا نیا خالق رونما نہیں ہوا۔ جس کی جانب کائنات کی تخلیق منسوب کی جاسکے۔ اور بالخصوص انسان کی تخلیق!

دو تے زمین پر انسان جو بھی تغیر و ارتقاء کرتا ہے۔ جو بھی بناء سنوار کرتا ہے اور جو بھی ہلاکت و تباہی پھیلاتا ہے۔ اس سے اس اذلی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور نہ زمین یا آسمان میں اللہ کے سوا کوئی نیا خالق پیدا ہو گیا ہے۔

جولیان کسے (JULIAN HUXLEY) جیسے ملاحضہ (ATHIESTS)

جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کو اب وہ ذمہ داریاں خود ہی سنبھالنی چاہئیں۔ جو وہ اپنے جہل اور عجز کی بناء پر پہلے اللہ کے کاندھوں پر ڈالا کرتا تھا۔ یہ ان ملاحضہ کی یادہ گوئی اور عقل دشمنی ہے۔ اگرچہ یہ لوگ بقول بعض دانشوروں کے اپنے الحاد میں مخلص ہیں! یہ ملاحضہ درحقیقت زندگی کے حقائق کی غلط تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اس کو خلافت عطا فرمائی ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

جَبَّحَا بِكَ رَبِّ نَعَمْ ۖ قَالَ ثُمَّ لَا نَمُنُّ بِكَ ۖ قَالُوا لَا تَنْفِرْ فِي الْأَرْضِ ۖ فَخَرَّ السَّجْدَ وَسَجَدَ لِرَبِّهِ ۖ وَكَانَ مِنَ الْغٰثِیْنَ

جَبَّحَا بِكَ رَبِّ نَعَمْ ۖ قَالَ ثُمَّ لَا نَمُنُّ بِكَ ۖ قَالُوا لَا تَنْفِرْ فِي الْأَرْضِ ۖ فَخَرَّ السَّجْدَ وَسَجَدَ لِرَبِّهِ ۖ وَكَانَ مِنَ الْغٰثِیْنَ

(البقرہ - ۳۰)

اس خلافت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کے حکم سے زمین میں کچھ اشیاء حالات اور واقعات کو برے کار لاتے۔ پیداوار حاصل کرے اور عملِ بہیم میں لگا رہے اور موجود اشیاء میں تغیر کر کے انہیں مسلسل نئی تسکین دیتا رہے۔ یہی خلافت

کے معنی ہیں۔ کیا اس حقیقت سے انسان کو یہ دھوکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی حقیقت
فراموش کر کے اللہ ہی سے برتر پیکار ہو جائے۔

أَوَلَمْ يَخْلُقْنَا إِنْشَاءً
خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا
هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے
اس کو نطفہ سے پیدا کیا۔ سو وہ
علامہ اعتراض کرنے لگا۔

(یس - ۷۷)

وہ کہن کی شے ہے جو انسان نے اللہ کے قانون کے برخلاف بنالی ہو۔
کیا انسان کا ہر عمل، ہر پیداوار، ہر انشاء اور ہر تغیر اس قانون الہی کے مطابق
نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے فطرت کے لئے متعین فرما دیا ہے۔ انسان کا سارا
کام یہ ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ قوانین طبیعت یعنی اللہ کی سنت کا پتہ چلائے۔ اس
معرفت میں جو قوت اللہ نے رکھی ہے، اسے اس کا علم ہو جائے۔ پھر جس قدر اللہ
تعالیٰ نے اسے قدرت دی ہے۔ وہ اپنے علم و معرفت کو قوانین طبیعت پر منطبق
کرے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقہ کار سے انسان کا کوئی بھی عمل خارج ہے؟
بے شک یہ ملاحظہ یا وہ گوتی اور عقل دشمنی سے کام لے رہے ہیں۔ اور
جہالت کے اندھیرے میں اسفین ناموس فطرت نظر نہیں آتی!
اللہ کے سوا آسمان و زمین کا کوئی خالق نہیں ہے۔

یہ ایک ایسی سائنٹفک حقیقت ہے جس سے کائنات کے تمام حقائق
وابستہ ہیں

جب وہ ہی ایک الہ ہے تو تمام بندوں کو اسی کی عبادت کرنی چاہیے
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي

اور میں نے جن اور انسان کو

وَالْإِنْسَى إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

عبادت ایک مکمل وسیع اور محیط لفظ ہے۔ یہ صرف محصور اور محدود معنی میں عبادتی شعاstr کا نام نہیں ہے بلکہ ہر شے عبادت میں شامل ہے۔ بندوں کا ہر عمل عبادت ہے کیونکہ انسانوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان جو کبھی عمل کرتا ہے۔ وہ عبادت ہے۔ انسانی عمل اور عبادتی شعائر اسلام کی نظر میں ایک ہی شے ہیں جب اللہ ایک ہے تو اس کی وحدانیت کا تقاضا ہے کہ اس کی عبادت کی جاتے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جاتے۔ اس کے بھی محدود اور تنگ معنی مراد نہیں ہیں کہ انسان کسی کو رکوع اور سجدہ نہ کرنے۔ یہ مفہوم عبادتی شعائر کا تنگ اور محدود مفہوم ہے۔

عبادت کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ انسان کے وہ تمام اعمال عبادت ہیں جو صرف اللہ کے لئے کئے جائیں۔ اور اللہ کے سوا کسی اور کے لئے ہرگز نہ کئے جائیں اس لئے تمام انسانی عمل عبادت ہے۔ اور سارا عمل صرف اللہ کے لئے ہے۔ انسان کا کھانا پینا، رہنا سہنا، لباس، بقائے نوع کا جذبہ، ملکیت، قتال اظہار ذات کا میلان، محبت و نفرت سب اللہ کے لئے ہیں۔ اور یہی عبادت کا وسیع تر اور حقیقی مفہوم ہے۔

اللہ کی وحدانیت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ صرف اسے حاکمیت اور قانون سازی کا حق ملنا چاہیئے۔۔۔ کیونکہ حاکمیت الوہیت ہے۔ اور حاکمیت کی اطاعت عبودیت ہے۔

جو بھلا انسان لوگوں کے لئے قانون بناتا ہے۔ اسے یہ خیال ضرور ہوتا ہے

کہ لوگوں کو اس قانون کی اتباع کرنی چاہیے نہ کہ کسی دوسرے قانون کی۔ مطلب یہ کہ لوگ قانون سازی کی عبادت کریں۔ اگر لوگ اس کے قانون کی اتباع نہیں کرتے تو وہ اس کے لئے سزائیں متعین کرتا ہے۔ گویا وہ انہیں اپنا غلام بناتا ہے اور جب لوگ برضا و رغبت اس کی اتباع کرتے ہیں تو گویا وہ خود اس کی عبادت کرتے ہیں۔ قانون ساز ایک فرد ہو یا ایک جماعت — وہ اپنے لئے یہ حق مقرر کر لیتے ہیں کہ لوگوں کے لئے جائز و ناجائز امور متعین کریں۔ اور مخالفین کے لئے سزائیں تجویز کریں۔ گویا یہ فرد یا جماعت الہ کے حقوق خود لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور لوگوں سے چاہتے ہیں کہ وہ ان کی جانب ایسے ہی متوجہ ہوں۔ جیسے وہ اللہ کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ اور جب تک یہ خود الہ اور خالق نہ بن بیٹھیں انہیں یہ حق نہیں مل سکتا۔ یہ اسلامی تصور کا اولین اصول ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے۔ طاقت صرف ایک اللہ کے لئے ہے۔ اور قانون سازی کا حق صرف ایک اللہ کو حاصل ہے۔ یہ مسئلہ ایک ازل اور ساتمٹک حقیقت پر مبنی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنے لئے قانون بناتے۔ اور اپنی زندگی کے اصول متعین کرے۔ یہی لوگ نہایت واضح الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ پہلے انسان جو ذمہ داریاں اللہ پر ڈال کر تاتا تھا۔ وہ اب اسے خود اٹھانی چاہتے ہیں۔ چونکہ وہ خدا بن چکا ہے! ۱

اس ازل حقیقت کے متوازی ایک اور حقیقت بھی ہے اور وہ یہ کہ انسانی فطرت اللہ کی عبادت کی جانب متوجہ رہتی ہے۔

انسان فطرتاً

بذریعہ ان کے ”دورِ جدید کا انسان“

وَرَاذَ أَخَذَ مِنْ بَيْنِ
 آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمَا
 ذَرِّيَّتَهُمَا وَأَنشَدَهُهُمَا
 عَلَىٰ أَنفُسِهِمَا أَلَسْتَ
 بِرَبِّكُمْ فَاتَّبَعَ أَسْبَلِي
 شَهِدْنَا !

میں نے بنی! یاد دلاؤ لوگوں کو وہ تبت
 جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم
 کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا
 تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گراہ
 بنا کر پوچھا تھا: کیا میں تمہارا رب نہیں
 ہوں؟ انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے
 رب ہیں۔ ہم اس پر گراہی دیتے ہیں۔

(اعراف - ۱۷۱)

یہ ایک علمی حقیقت ہے جس کی تائید تاریخی واقعات کرتے ہیں۔
 انسان تمام ادوار اور مراحل میں اللہ کی عبادت کرتا رہا ہے۔ مگر کبھی اس
 عبادت میں ہدایت پر رہا۔ اور کبھی گمراہ ہوا۔ کبھی صحت و درستگی کے ساتھ اللہ
 کی عبادت کی۔ اور کبھی منحرف صورتوں میں۔ یا اللہ کی عبادت کرتا رہا۔ اور اس کے
 ساتھ دوسرے معبودان باطل کو بھی شریک کرتا رہا۔
 مگر بہر کیف ہر حالت میں انسان اللہ کی عبادت کرتا رہا۔ اس اللہ کی جس نے
 اسے پیدا کیا۔ اور جس نے کائنات اور زندگی کو تخلیق کیا۔
 اللہ کی عبادت کے لئے فطرت کو کس رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ فطرت
 گمراہ طریقہ پر یا ہدایت یافتہ طریقہ پر اللہ کی عبادت کی جانب خود بخود متوجہ رہتی ہے
 البتہ کائنات کے مختلف تاثرات انسان کی خوابیدہ فطرت کو بیدار کر کے اللہ کی
 طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

انسانیت خواہ کتنی ہی قوت و طاقت کیوں نہ حاصل کرے۔ وہ اپنے نفس
 کی گہرائیوں میں اپنے آپ کو عاجز محسوس کرتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ اسے

۱۔ ہر شے پر قدرت حاصل ہو جاتے۔ اور وہ اپنے آپ کو اس سے عاجز محسوس کرتا ہے۔ انسان ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش کی تکمیل سے عاجز ہے۔ غیب کی معرفت سے عاجز ہے۔ انسان اللہ بننے سے عاجز ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے غذا لباس اور صنفی تعلق کسی شے کی ضرورت نہ رہے۔ !!

انسان عظیم ترین کائنات۔ اور اس کے نظام کی دقت پر ہمیت محسوس کرتا ہے۔ اس کائنات میں بڑے عظیم اجسام بکھرے ہوتے ہیں۔ جن کی جزئیات و تفصیلات، جن کی تنظیم اور جن کی اپنے مدار میں گردش دقیق اور معجزانہ ہے! انسانی احساسات موت سے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اور انسان زندگی کے عطا کرنے والے کی تلاش میں بہرگرواں ہو جاتا ہے

تنوع اور گوناگوں واقعات، گردش لیل و نہار، تغیر زمان و مکان، کشمکش موت و حیات، صحت و مرض، امارت و غربت، لذت و الم، سعادت و شقاوت یہ سب احساس انسانی کے وہ تار ہیں۔ جن پر ضرب لگا کر کائناتِ فطرت کو بیدار کرتی اور اللہ کی طرف بلائی ہے۔

اسلام اپنے نظام کی بنیاد انہی دو متوازی حقیقتوں کو بناتا ہے۔ یعنی خالق کا وجود اور فطرت کا اس کی طرف متوجہ رہنا۔

اسلام انسان کو اللہ پر ایمان کا وہ عقیدہ دیتا ہے جو انسان کی اللہ کی طرف متوجہ ہونے والی فطرت کے پیکار کا جواب ہے۔ اسلام فطرت کو بھی گمراہی سے بچاتا اور صحیح راستہ پر قائم کرتا ہے۔ یہ عقیدہ انسان کی اللہ کی جانب متوجہ ہونے کی فطری ضرورت کی تکمیل کرتا ہے۔ اللہ کی عبادت کی فطری ضرورت کو پورا کرتا ہے

یا اسلامی نفسیات میں بابِ مذہب اور فطرت دیکھئے۔

اور اس کی اس فطری ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ کائنات اور زندگی میں انسان کا کیا مقام ہے اور فطرت انسانی اور اللہ کے درمیان کیا ربط و تعلق ہے۔

دوسری جانب — عقیدہ انسانی زندگی کو اللہ کی عبادت اور اللہ کی حکمت کے مطابق منظم کرنا ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کے تمام قوانین اور دستور حیات عقیدہ سے روشنی حاصل کرتا، اور اللہ کی عبادت سے مربوط و متعلق رہتا ہے۔ اور تیسری جانب عقیدہ استحکام و غیر ہر حالت قانون اور نظام زندگی کو انسانی فطرت سے ہم آہنگ کر دیتا ہے۔ اور عقیدہ اور فطرت ہر پہلو سے متوازی ہو جاتے ہیں۔

جن نظام ہائے حیات نے اس اذنی حقیقت کی خلاف ورزی کی ہے۔ ذرا دیکھئے ان میں انسان پر کیا کچھ بیت گئی؟ ہر طرح کی برائیاں پھیلیں — انسانوں نے وطنی حدود میں اور پوری دنیا میں دوسرے انسانوں کو غلام بنایا۔

طبقہ حاکم نے تمام طبقوں کو نظر انداز کر کے اپنے مفاد کی خاطر قانون سازی کا حق اپنے لئے رکھ لیا۔ گویا وہ باقی لوگوں کے خدا بن گئے۔ اور دوسرے تمام لوگ ان کے غلام۔

تاریخ کے تمام ادوار میں فرد حاکم طاغوت ہی رہا ہے۔ یہ تو وطنی حدود میں صورت حال ہے — مگر پوری دنیا میں ایک قوم پوری قوم کو غلام بناتی ہے۔ دونوں ہی صورتیں اللہ کے خلاف بغاوت ہیں۔

علاء اسلام اور اسلام کا مستقبل مطالعہ کیجئے۔

ان باطل نظاموں نے انسانوں کو خواہشات کا بندہ بنا دیا۔ کیونکہ جب انسان اللہ کی صحیح اور سچی عبادت سے باغی ہو جاتا ہے تو اس پر اس کی شہوتیں اور خواہشات نفس مسلط ہو جاتی ہیں۔ اور انسان اپنی خواہشات کا ذلیل غلام بن جاتا ہے۔

یہ تمام نظام انسانی فطرت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ تمام نظام انسانی فطرت کے بارے میں بڑی گمبھیر جہالت میں مبتلا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان باطل نظام ہلے جیات سے روئے زمین فساد اور بد بختی سے بھر گئی ہے۔

ان باطل نظاموں نے انسان کی فطری ضرورتوں کو دو حصوں میں بانٹ دیا ہے ایک انسان کی عقیدے کی ضرورت اور دوسری انسانوں کے امن و راحت کے لئے ضروری تنظیموں کا قیام۔ اور یہ دوسری ضرورت غیر اللہ کی مدد سے پوری کی گئی جس سے انسان کی فطری ضروریات میں تضاد، اس کے شعور میں پراگندگی پیدا ہو گئی۔ اور وہ خود خون اور اضطراب کا شکار ہو گیا۔ اب —

یہ باطل پرستانہ نظام — انسانیت کو تباہی سے ہمکنار کیا چاہتے ہیں (جیسا کہ ہم اس کتاب میں بیسویں صدی کی گواہی کے زیر عنوان بتا چکے ہیں) لے

* * *

اللہ کا عقیدہ غیر متغیر ہے۔ کیونکہ جس بنیاد پر یہ عقیدہ قائم ہے۔ یعنی خالق کا وجود اور مخلوق کا وجود — وہ غیر متغیر ہے۔

اسی لئے اللہ کا نازل کردہ عقیدہ تاریخ کے تمام ادوار میں غیر متغیر رہا ہے کوئی تبدیلی اس میں نہیں ہوئی۔

طائر

سید تطیبؒ کی اس مہم اور تہذیبی مسائل دیکھتے۔

نَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ

ہم نے نوح کو اس قوم کی طرف بھیجا۔ اس نے کہا۔ اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

(۱۵۹-۱۵۸)

وَإِلَىٰ عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ

اوسعاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

(۱۶۵-۱۶۴)

وَإِلَىٰ شُعَيْبًا أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ

اوسود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

(۱۷۳-۱۷۲)

وَإِلَىٰ مَذْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ

اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ اس نے کہا۔ اے برادرانِ قوم اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

(۱۸۵-۱۸۴)

ایک ہی دعوت ہے جو تاریخ کے ہر دور میں دی جا رہی ہے۔

مگر تاریخ کے ہر دور میں عقیدہ کا بھی ایک پہلو ارتقاء پذیر رہا ہے۔ یعنی قانون سازی اور تنظیم کا پہلو تاکہ وہ اس وقت کی قوم کے نفسیاتی، اجتماعی اور عقلی معیار کے مطابق ہو سکے۔

مگر جب انسانیت اپنے ”رشد“ اور بلوغ کو پہنچ گئی تو عقیدہ بھی اپنی آخری اور غیر متغیر صورت میں نازل ہوا۔ اور اسی عقیدے میں آنے والے تغیرات کے مطابق مناسب لپک رکھی گئی۔ دائرہ باب میں یہ موضوع تفصیل سے بیان ہوگا۔

آج کے دن میں نے تمہارے	الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ
لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور	دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ
تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں۔ اور	نِعْمَتِي وَرَضْتُ لَكُمْ
تمہارے لئے اسلام کو دین پسند	الْإِسْلَامَ دِينًا
کر لیا۔	(مائہ ۳)

* * *

مغربی اجتماعیات کا یہ کہنا کہ خود اللہ کے عقیدہ میں تغیر و ارتقاء ہوتا رہا ہے۔ ایک دھوکہ اور مغالطہ ہے اور مقصد اس فریب سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ خبیث تصور پیدا کرنا ہے کہ عقیدہ ایک انسانی معاملہ ہے جسے انسان نے دورِ جہالت میں اپنا یا تھا۔ اور اب روشن دور میں اس سے چھٹکارا مل جانا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے عقیدے میں کوئی ارتقاء نہیں ہوا ہے بلکہ اللہ کے عقیدے میں انحراف ہوا ہے۔

جب انسانیت باپ کی عبادت کی۔ جب اس نے طوطم کی پرستش کی۔ جب اس نے بتوں کی پوجا کی۔ اور جب اس طبعی قوتوں کو معبود جانا۔ اور تمام مرحلوں پر انسانیت اللہ کے عقیدے میں منحرف تھی اور اللہ کے بارے میں نت نئے منحرف

تصورات سے دوچار تھی۔ اللہ کے بارے میں انسانیت کے تصورات معلومات کے ارتقار کے ساتھ بدلتے رہے۔ اور اجتماعی معاشی اور سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ بدلتے رہے۔ مگر ان میں سے کسی بھی مرحلہ پر انسانیت اللہ کے دین پر نہیں چلی ہی تھی تاریخ سے ایک اور حقیقت واضح ہوتی ہے۔ جس سے مغربی اجتماعیات نے عمداً گریز کیا ہے۔ وہ یہ کہ انسانیت پے درپے اور تغیر پذیر انحرافات کے باوجود رسولوں کی آمد اور ان کی ہدایت پر کچھ وقت کے لئے صحیح عبادت کی طرف لوٹتی رہی۔ مغربی علم اجتماعیات عقیدے کے منحرف تصورات کی تبدیلی اور ارتقاء سے جو نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ وہ ہرگز اس امر کی دلیل نہیں بننا کہ مذہب اللہ کا نازل کردہ نہیں ہے۔ بلکہ انسانوں کی ایجاد ہے۔ عقیدے کا انحراف اس بات کی بھی دلیل نہیں ہے کہ اللہ کا عقیدہ کوئی تغیر پذیر عنصر ہے۔ جو وقت آنے پر لوگوں کے دلوں سے محو ہو جاتے۔ اور اس کی جگہ کوئی اور عقیدہ۔ یا مطلقاً عدم عبادت کا تصور آجائے گا۔!

بلکہ یہ نوبہ نو بدلتے ہوئے انحرافات، شیطانوں کے من گھڑت اجتماعیات کی تردید کرتے ہیں۔!

یہ انحرافات تو خود عقیدے کے عدم تغیر کی دلیل ہیں۔ چنانچہ تمام زمانوں اور تمام اقوام میں اللہ کا عقیدہ موجود رہا ہے۔ یہ عقیدہ اپنی متعدد صورتوں میں ہدایت یافتہ رہا ہو یا گمراہ مگر ہر حال اللہ ہی کا عقیدہ رہا۔ اس لئے عقیدہ انسانی وجود میں غیر متغیر ہے!

بیسویں صدی اور بیسویں صدی کے شیطان و سائنسدان ان انحرافات سے اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ بیسویں صدی کے لوگ آزاد ہیں۔ انھیں اللہ کی عبادت کی ضرورت نہیں ہے! یا اللہ کی عبادت چھوڑ دینا

انسانیت کا ایک منظر ہے۔ جس کا وقت اب بیویں صلیبوں میں آیا ہے۔
 | لاکھوں سال سے فطرت جس بات کا اٹل فیصلہ دیتی رہی ہے۔ اس کو بیویں
 صدی کے شیطانوں کے لئے منہز و واقعی زندگی نہیں بدل سکتی۔ ان شیاطین
 کی فطرت میں فساد پیدا ہو گیا۔ اور وہ آدمیت کے معیار سے گر گئے!

* * *

وحدت انسانی

”اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جاندار سے پیدا کیا۔“
 خالق کی ربوبیت اور بندوں کی عبودیت کے بعد قرآن کریم دوسرے مسئلوں
 کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔

”تمہیں ایک جاندار سے پیدا کیا۔“

یہ ایک ایسی غیر متغیر حقیقت ہے۔ جسے سارے معاشی، اجتماعی اور سیاسی
 تغیرات اور ذرائع پیداوار کا ارتقاء بھی نہیں بدل سکتے۔ ان میں سے کوئی بھی
 تغیر کوئی بھی ارتقاء یہ نہیں کہتا کہ انسان کی تاریخ اس کی اصلیں مختلف ہی ہیں۔
 یہاں تک کہ ڈارون کی بیان کردہ حیوانی تعبیر جنس انسانی کی متعدد اصلیں
 | نہیں بتاتی۔ بلکہ یہ بتاتی ہے کہ بالآخر نوع انسانی اپنی ایک اصل سے مل جاتی ہے
 اس حقیقت سے کئی امور سامنے آتے ہیں۔

انسانیت کی وحدت و اخوت ایک علمی حقیقت ہے جس سے لوگوں کے تعلقات
 کے بڑے اہم امور وابستہ ہیں۔ ان امور کو انسانیت کے تمام باطل نظاموں نے نظر انداز
 کر دیا ہے۔ مگر اسلام نے ان کو مد نظر رکھا ہے۔

ہم پرانے نظاموں کا تذکرہ نہیں کرتے۔ جنہوں نے لوگوں کو اچھوت بنا کر

ان کے حقوق غصب کر لیتے تھے۔ اور ان کو ایسا کر چھوڑا تھا کہ وہ آدمی بھی باقی نہیں رہے تھے۔ بلکہ ہم بیسویں صدی کے جدید ترین اور ترقی یافتہ نظاموں کا تذکرہ کر رہے ہیں بیسویں صدی کے تہذیب یافتہ امریکہ اور برطانیہ (اور جنوبی امریکہ) اور دوسرے ممالک میں نسلِ عصبیت کی بناء پر زمین کا چہرہ کس قدر سرخ ہو کر رہ گیا ہے اور انسانیت کی وحدت و اخوت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی ہے!؟

آج کے متکبر اللہ کی عبادت سے باغی باطل نظاموں میں یہ حقیقت کس قدر واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ یہ نظام انسانیت کی اخوت و وحدت کو نظر انداز کرتے ہوئے ہیں۔ جب کہ ان نظام ہاتے باطلہ کا دعویٰ ہے کہ وہ اب غلامی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اسفین اب اللہ اور اس کے رسولوں کی رہنمائی کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ وہ اب سائنس، ترقی اور تمدن کا دود گزار رہے ہیں!؟

کیا یہ ہی انسانی اخوت و وحدت ہے کہ جب تہذیب یافتہ سفید نام کسی سیاہ نام کو پکڑ لیتے ہیں تو اس کو اس قدر مارتے ہیں کہ وہ مر جاتا ہے۔ پھر وہ اس کی لاش درخت پر لٹکا دیتے ہیں۔ اور اس بے چارے کا گناہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کالا ہے۔ اور سفید نام پولیس کھڑی تاشہ دیکھتی رہتی ہے۔ اور اس کی آنکھوں کے سامنے یہ بھیانک جرم کیا جاتا ہے۔ مگر وہ کوئی مداخلت نہیں کرتی یہ تہذیب ہے! ترقی یافتہ تہذیب ہے! جو مذہب کے مقابلہ میں بڑی متکبر ہے۔ جو کہتی ہے کہ اللہ پر عقیدہ رکھنا رجوعیت تاخر اور انحطاط ہے!

* * *

۱۔ اسلام نے انسانیت کی وحدت و اخوت کو اپنے ہر قانون میں مد نظر رکھا ہے۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا
ہم نے تمہیں شعوب اور قبائل

وَقَبَائِلَ لِيَتَعَارَفُوا
إِنَّ أَكْثَرَكُمْ عِندَ اللَّهِ
أَتَقَاكُمْ

بنایا تاکم ایک دوسرے کو
پہچان سکے۔ اللہ کے نزدیک تم میں
زیادہ برگزیدہ وہ ہے جو خدا سے

(الحجرات - ۱۳) قُدرنے والا ہے۔

قرآن نے یہ نہیں کہا کہ سفید نام لوگ یا زیادہ تہذیب یافتہ لوگ اللہ کے
ہاں زیادہ معزز ہیں۔ وہ اہل تہذیب جو رنگداروں کو اس لئے قتل کرتے ہیں کہ وہ
رنگ دار ہیں۔ اور کسی رنگ دار قتل کے بچوں کو ان کے اسکولوں میں تعلیم کا حق مل
جاتے۔ جو انسان کا ایک عام حق ہے۔ تو وہ ایک شدید ظلم و
احتجاج برپا کر دیتے ہیں۔

”کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ سوائے تقویٰ کے“ (بطبری)
سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تمہارے اوپر کسی ایسے حبشی غلام کو عامل بنا
دیا جائے۔ جس کا سرکش کی طرح ہو۔ جب تک وہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے
کرنا رہے۔ (بخاری)

اسلام نے وحدت و اخوت انسانی کو واقعتاً زندگی میں بھی برپا کیا
چنانچہ فتح مکہ کے دن مؤذن رسول حضرت بلالؓ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے۔ اور
اذان دی۔ اور کعبہ کی جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں عظمت کی جاتی تھی ایک
حدیث میں نبی کریمؐ نے عمارؓ اور ابن مسعودؓ کا تذکرہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ
کے ساتھ کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

”مجھے نہیں معلوم کہ میں تم میں اب کتنا عرصہ رہوں گا۔ میرے بعد ان لوگوں کی
اقتدا کرنا۔۔۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ عمارؓ
سے ہدایت حاصل کرنا اور ابن مسعودؓ جو کہیں اس کی تصدیق کرنا (ترمذی)

اخوت و وحدت انسانیت اسلام میں غیر مسلموں کے لئے بھی ملحوظ رکھی گئی
کیونکہ وہ بھی بہر حال انسان ہیں۔

”اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جاندار سے پیدا کیا۔“
اگر کافر منافقین الارض مسلمانوں سے جنگ اور ان کو ان کے دین کے بارے
میں نہ بہکاتیں تو اسلام نے ان سب سے صرف انسانیت کی بنیاد پر معاملہ کیا ہے

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ
الَّذِي تَقَالَى تَم كَوَان لَوُكُونِ كِ

كَمْ يَفْقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ
سَاتِحَ احْسَانِ اِدْرَالِصَاتِ كَابَرْتَاوْ

وَكَمْ يُخَيِّرُكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ
رُكْنِ سَعِي نَعِي نَحِي كَرْتَا۔ جَوْتَمِ نَعِي نَحِي

اَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ
كِ بَارِ سَعِي نَحِي نَحِي لُطِ سَعِي اِدْر تَم كِ

اِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ
تَمْبَارِ سَعِي نَحِي نَحِي نَحِي نَحِي نَحِي

تَعَالَى اَنْصَاتِ كَابَرْتَاوْ كَرْنِ وَاَلُو

سے محبت رکھتے ہیں۔

(مختصرہ)

بلکہ اسلام نے اخوت و وحدت انسانیت کا خیال ان کافروں کے بارے
میں بھی رکھا۔ جو اسلام کے بالمقابل قتال کے لئے آتے۔! سوائے مسلمانوں کی جنگوں
کے تاریخ اس انسانی کریمانہ معاملہ سے واقف نہیں ہے!

جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جو مسلمان نہیں بننا چاہتے۔ وہ صلح

و جنگ میں اپنے وحشیانہ پن، نسل ظلم و ستم قتل اور بڑے پیمانہ پر تباہی کے لئے

تاریخ کی مادی تعبیر اور انسان کی حیوانی تعبیر سے اپنے بدترین افعال کے جواز تلاش

کر سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں کو بھی جواز مل سکتا ہے۔ جو آج کے آزادی، ترقی و

اللہ کی عبادت سے تکبر کے دود میں اپنی الوہیت اور اپنی حکمرانی نافذ کرنے کے لئے

لوگوں کو وحشیانہ سزائیں دیتے ہیں!

اخوت و وحدت انسانیت کا تصور پورے اسلامی قانون میں اس طرح واضح طور پر جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔
اس تصور سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ انسانیت کا اولین اصول صلح ہو چاہئے کیونکہ ایک نفس سے پیدا شدہ تمام اولاد کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ صلح و آشتی سے رہیں۔

اے ایمان والو! اسلام میں
پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ
كَافَّةً

(البقرہ - ۲۰۸)

اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل
ہوں تو تم بھی اس کے لئے
جھک جاؤ۔ اور اللہ پر
بھروسہ کرو۔

وَإِنْ جَاءَكُمْ لِلْسِّلْمِ فَأَجْنَحْ
لَهَا وَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ

(الانفال - ۶۱)

پہلی بات جو مومنین سے کہی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ سب کے سب سلامتی
میں آجائیں۔ وہ اس طرح کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کریں۔ تاکہ ان کی فطرت ان
کے ماحول اور ان کے آپس کے درمیان سلامتی چھا جائے۔ اور وہ اس طرح انسانیت
پر متمادت راشدہ بن جائیں۔

اور ہم نے تم کو ایک ایسی

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ

اُمَّةٌ وَسَطًا يَتَكُونُوا
شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُونَ الشَّرُّ سَوِيًّا
عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

جماعت بناد یا ہے۔ جو ہر پہلو سے
نہایت اعتدال پر ہے۔ تاکہ
تم مخالفت لوگوں کے مقابلہ میں
گواہ ہو۔ اور تمہارے لئے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں۔

(البقرہ - ۱۴۳)

وہ امت جو اپنے آپ کو انسانیت کے لئے نمونہ بنا کر پیش کر رہی ہے۔ اسے
پوری اور سچی طرح شرابی مفہوم کا ترجمان ہونا چاہیئے۔ اور اس ترجمانی میں وہ
مخلص بھی ہو۔

دوسری آیت میں امت مومنہ اور دیگر اقوام کے درمیان تعلق بتایا گیا ہے
کہ اگر وہ مائل بصلح ہو جائیں۔ اللہ کی دعوت کا راستہ نہ روکیں۔ اور لوگوں کے اسلام
قبول کرنے میں عارج نہ ہوں۔ تو مسلمانوں کو بھی حکم ہے کہ وہ بھی صلح کے لئے جھک
جائیں۔ کیونکہ ان کے اور لوگوں کے درمیان اسلام کی دعوت کے راستے کھلے ہوئے
ہیں۔ اور زمین میں اللہ کے نظام کو بغیر روک ٹوک برپا کر سکتے ہیں۔ تاکہ زمین میں سلامتی
پھیل جائے۔ اور ایک نفس انسانی سے ابھرنے والی اخوت برتنے کا آجائے۔

اور اگر دعوت اسلامی یا مسلمانوں کے خلاف یا اسلامی نظام کے خلاف کسی
نہ کسی صورت میں کوئی سرکشی کی جائے۔ خواہ یہ سرکشی دعوت حق کو روک کر یا اللہ کے
قانون پر قائم شدہ نظام سے جنگ کر کے۔ یا مسلمانوں کو ان کے دین سے درغلا
کر کسی بھی شکل میں کی جائے۔ تو اس نظام سرکشی کی روک تھام کے لئے مسلمانوں
کو جنگ کا حکم دیا گیا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
تَمَّ اللَّهُ لَكُمْ رُحْمًا

تم اللہ کی راہ میں لڑو۔ ان لوگوں

الَّذِينَ يُقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَلَا يُعْتَدُوا فَإِنَّ اللَّهَ
لَاجِبُ الْمُعْتَدِينَ

کے ساتھ جو نقص عہد کر کے
تمہارے ساتھ لڑنے لگیں۔ اور
ان خود عد معاہدہ سے نہ نکلے۔ اور
واقعی اللہ تعالیٰ حد (قانون شرعی)
سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

(البقرہ - ۱۹۰)

فَإِنْ أَنتَهُوا فَلَا
عُدَّةَ لَهُمْ إِلَّا عَلَى
الظَّالِمِينَ

اور اگر وہ لوگ (کفر) سے
باز آجائیں تو سختی کسی پر نہیں ہوا
کرتی۔ بجز بے انصافی کرنے والوں کے

(البقرہ - ۱۹۳)

مندرجہ بالا تصور سے یہ مفہوم رونما ہوا کہ

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

(البقرہ - ۲۵۶)

بُنیک اسلام ہی ہدایت ہے اور مسلمان ہی ہدایت یافتہ اور امت راشدہ
ہیں۔ مگر اس کے باوجود انہیں یہ اجازت نہیں ہے کہ اپنے انسانی بھائیوں کو
دین حق کی اتباع پر مجبور کریں۔ ان کا سارا کام یہ ہے کہ وہ ان کو ہدایت کی طرف بلاتے
اور اچھی طرح اور حسن طریقہ پر بلاتے۔ جیسا کہ اخوت کا تقاضا ہے۔

اے نبی! اپنے رب کے راستے

کی طرف دعوت دو۔ حکمت اور

عمرہ نصیحت کے ساتھ۔ اور

لوگوں سے باعثہ کردہ ایسے

أُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ

بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

طریقہ پر جو بہترین ہو۔

(النحل - ۱۲۵)

اسلام میں جنگ اس لئے نہیں ہے کہ لوگوں کو دین حق ماننے پر مجبور کیا جائے | اسلام کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ دین میں اکراہ نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں جنگ اس لئے ہے کہ ان ظالم قوتوں کو ختم کیا جاسکے۔ جو لوگوں کو ہدایت سے روکتے ہیں۔ اگر یہ ظالم و سرکش قوتیں مائل بصلح ہو جائیں۔ اور اس بات کا اقرار کر لیں کہ وہ حق کی دعوت میں روڑے نہیں اڑکائیں گے۔ تو پھر جنگ نہیں ہے۔

اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی کہ مومنین اور دوسرے مذاہب والوں کے درمیان مودت کا تعلق ہونا چاہیئے۔

وَمَطْعَامُ الَّذِينَ أُذْتُوا	اور جو لوگ کتاب دیتے گئے
الْكِتَابِ حِلٌّ لَكُمْ وَ	ہیں۔ ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے
طَعَامُكُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ	اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے
الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ	اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان
مِنَ الَّذِينَ أُذْتُوا الْكِتَابِ	ہوں اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں
مِنْ قَبْلِكُمْ	سے بھی جو تم سے پہلے کتاب
	دینے گئے ہیں۔

(المائدہ - ۵)

یہ تعلق نل جل کر کھانے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے اور باہمی نکاح و بیاہ کرنے کا تعلق ہے۔ جو مضبوط ترین تعلقات میں سے ایک ہے۔

اسی وحدت و اخوت انسانی سے یہ امر بھی ابھرا کہ انسانوں میں انصاف انسانیت کی بنیاد پر ہونا چاہیئے۔ انصاف کی خاطر کسی اور بات کو مد نظر نہ رکھا جائے

اُ خواہ یہ دوسری بات تو میں دشمنی ہی کیوں نہ ہو۔!

چنانچہ اس خبیث سُر جنگ کے دوران جو یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کے مرکز میں برپا کی ہوئی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ عقیدے کی جڑیں پھیلنے سے پہلے ہی اسے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ اور مومنین کے قدم ڈگمگا جائیں۔ وہ مکر و فریب سے کام لے کر انواہیں پھیلا رہے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کر رہے تھے۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی عزت کے بارے میں یادہ گوئی کر کے انہیں تکلیف پہنچا رہے تھے۔ اور —————

اس سُر جنگ کے ساتھ باقاعدہ جنگ بھی جاری تھی۔ جس میں ہتھیار بھی استعمال ہو رہے تھے۔ عہد و پیمان توڑے جا رہے تھے۔ اور حرمتیں لٹ رہی تھیں۔ اس نازک ترین مرحلہ پر بھی اسلام ایک یہودی پر ہونے والے ظلم کو برداشت نہیں کر سکا۔ اس یہودی پر غلط تہمت لگائی گئی تھی۔ اور اس کی سزا کا فیصلہ ہوا چاہتا تھا۔ کہ اس یہودی کی برأت میں وحی نازل ہو گئی۔ —————

بے شک ہم نے آپ کے پاس

یہ نوشتہ بھیجا ہے۔ واقع کے موافق

تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے

موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو بتلادیا ہے، اور آپ

ان خاتون کی طرف داری کی بات

نہ کیجیے۔ اور آپ استغفار فرمائیے

بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت

کرنے والے بڑے رحمت والے

إِنَّا أَنشَأْنَا لَكَ إِلَٰهًا مِّنْ دُونِكَ

بِالْحَقِّ يَخُفُّ عَلَيْكَ بَيْنَ النَّاسِ

بِمَا أَرَادَ اللَّهُ، وَلَا تَكُنْ

لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا وَاسْتَغْفِرْ

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَفَّارٌ

غَفُورٌ شَاحِصٌ، وَلَا

تُجَادِلْ عَنِ الْبَيِّنَاتِ

يَخْتَلِفُونَكَ أَنْفُسُهُمْ

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن

كَانَ خَوَاتِنًا أَتَمًّا
يَسْتَحْفُوتُ مِنَ النَّاسِ
وَلَا يَسْتَحْفُوتُ مِنَ اللَّهِ
وَهُوَ مَعَهُ إِذْ يُبَيِّنُكَ
مِمَّا لَا يُرْضَى مِنَ
الْقَوْلِ وَكَانَ
اللَّهُ بِمَا يَفْعَلُونَ
مُحِيطًا، هَآ أَنْتُمْ
هَؤُلَاءِ جَبَادِلُكُمْ
عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ
اللَّهُ عَنْهُمْ يَوْمَ
الْقِيَمَةِ، أَمْ تَكُونُ
عَلَيْهِمْ وَكِيلًا؟
وَمَنْ يَفْعَلْ سَوْئًا
أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ
يَسْتَخْفِرِ اللَّهَ يَحْجِدِ اللَّهُ
عَفْوَ سَرَّاسٍ هَيَّامًا، وَمَنْ
يَكْذِبْ إِثْمًا فَإِنَّ اللَّهَ
يُنْصِبُ عَلَى نَفْسِهِ
وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا

ہیں۔ اور آپ ان لوگوں کی طرف
سے کوئی جواب دہی کی بات ■
کیجئے۔ جو کہ اپنا ہی نقصان کرتے
ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص
کو نہیں چاہتے۔ جو بڑا خیانت کرنے
والا بڑا گناہ کرنے والا ہو۔ جن
لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ آدمیوں
سے تو چھپاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ
سے نہیں شرمائے۔ حالانکہ
وہ ان کے ساتھ ہے۔ جب کہ
وہ فلاں رضی اللہ عنہ کے
متعلق تدبیریں کرتے ہیں۔ اللہ
تعالیٰ ان کے سب اعمال کو
اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں
ہاں تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی
زندگی میں تو ان کی طرف سے
جواب دہی کی باتیں کر لیں۔ سو
خدا تعالیٰ کے دو برو قیامت کے
روز ان کی طرف سے کون جواب
دہی کرے گا۔ یا وہ کون شخص ہو
گا۔ جو ان کا کام بنانے والا ہوگا

حَكِيمًا. وَمَنْ
يَكْسِبْ خَطِيئَةً
أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ
بِهِ بَرِيئًا فَقَدْ
اِخْتَمَلَ بِخُتْمَانَا وَإِثْمًا
مُبِينًا وَلَوْلَا فَضْلُ
اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ
لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ
أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا
يُضِلُّوكَ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ
وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ
وَأَشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْكَ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ
تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكَ عَظِيمًا

اور جو شخص کوئی برائی کرے
یا اپنی جان کا ضرر کرے۔ پھر
اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے۔ تو
اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت
والا بڑی رحمت والا پلٹے گا
اور جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا
ہے۔ تو وہ فقط اپنی ذات پر
اس کا اثر پہنچاتا ہے۔ اور اللہ
تعالیٰ بڑے علم والے بڑے
حکمت والے ہیں۔ اور جو شخص
کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ
پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ
پر لگا دے اس نے تو
بڑا بیماری بہتان اور صریح گناہ
اپنے اوپر لا دیا۔ اور اگر آپ پر
اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہو
تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ
نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال
دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور
غلطی میں نہیں ڈال سکتے۔ لیکن اپنی
جانوں کو اور آپ کو ذرہ برابر

ہزار نہیں پہنچا سکتے۔ اور اللہ
نے آپ پر کتاب اور علم کی
باتیں نازل فرمائیں۔ اور آپ کو
وہ باتیں بتلائی ہیں۔ جو آپ نہ
جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ تعالیٰ
کا بڑا فضل ہے۔

(النار ۱۰۵-۱۱۳)

قرآن کریم کی یہ نو آیات اس قدر تفصیل وضاحت اور شدید مکرر تاکید کے
ساتھ اس لئے نازل ہوئیں۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یہودی کے
خلاف فیصلہ کرنے سے باز رکھ سکیں جس کو تمام ظاہری حالات مجرم قرار دے رہے
تھے مگر وہ فی الواقع بری تھا۔

اس طرح اسلام نے واقعاتی دنیا میں وہ انسانی اصول زندہ کیا ہے جس
کی اسلام سے باہر کوئی مثال نہیں ملتی۔!
پھر وحدت و اخوت انسانی کے بارے میں اسلام مندرجہ ذیل ہدایات
دیتا ہے۔

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ
وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ
اور نہ ایک دوسرے کو
طعن دے۔ اور نہ ایک دوسرے
کو برے لقب سے پکارو۔

(الحجرات - ۱۱)

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا
عَلَىٰ بَنِي إِسْرَٰءِيلَ
اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل
پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی

آمَنَهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا
يُغَيِّرْ نَفْسٍ أَوْفْسًا دَا
فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ
النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَا
فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا
دوسرے شخص کو بلا معاوضہ
دوسرے شخص کے یا بدن کسی
فساد کے جو زمین میں اس سے
بھیلا ہو۔ قتل کر ڈالے۔ تو گویا
اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر
ڈالا۔ اور جو شخص کسی شخص
کو بچا لیوے۔ تو گویا اس نے
تمام آدمیوں کو بچا لیا۔

(مائدہ - ۳۲)

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰتُ
قَوْمٍ عَلَىٰ ذٰلِكَ لَا تُعْبِدُوْا
اِغْدُوْا هُوَ اٰخِرُ نَبِ
لِلْعٰلَمِیْنَ
اور کسی خاص لوگوں کی عداوت
تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے
کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا
کرد۔ کہ وہ تقویٰ سے زیادہ
قریب ہے۔

(مائدہ - ۸)

ملح و جنگ، محبت و نفرت کا یہ ایک سیلچ پیمانہ ہے
اسلام کی نظر میں انسانی زندگی کا یہ پہلو غیر متغیر ہے۔ اس میں حالات اور
خواہشات سے کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ پہلو حالات کی پیداوار نہیں
ہے۔ بلکہ یہ پہلو ایک غیر متغیر حقیقت سے ابھرتا ہے۔ جس میں ذرا لچ پیداوار
کے ارتقاء اور تاریخی واقعات سے کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔!

*

*

*

صنفی وحدت

تیسرا مسئلہ صنفی تعلقات کا ہے جو انسانیت کے اہم ترین تعلقات میں سے ہے
 اس نے ہمیں ایک جاندار سے پیدا کیا۔ اور اس جاندار سے اس کا جوڑا
 پیدا کیا۔

زوجین مرد و عورت۔ ایک ہی نفس سے پیدا ہوتے۔ اس مقام پر نفس
 کا لفظ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یعنی شرکت صرف نوع انسانی میں نہیں بلکہ
 شرکت نفس میں ہے۔ اس لئے مرد و زن دونوں انسان کے داخلی وجود میں مشترک
 ہیں جس کی جانب نفس کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ جس طرح مرد و زن انسان
 کے خارجی وجود میں باہم شریک ہیں۔ اور ان کے انسانی وجود میں کوئی فرق نہیں ہے

فَاَسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّ

لَا اُفِضُ عَمَلَكُمْ عَمَلٍ

مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ

موسطور کر لیا۔ ان کی درخواست

کو ان کے رب نے اس وجہ

سے کہ میں کسی شخص کے کام

کو جو کہ تم میں سے کرنے والا

ہو۔ ا کارت نہیں کرتا۔ خواہ

وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ تم

اپس میں ایک دوسرے کے

جسود ہو۔

(آل عمران - ۱۹۵)

اسلام نے اس اولین حقیقت کو وضع کرنے کے بعد اس کے مطابق کئی
 ایک قوانین بنائے۔ اسلام کے بغیر جن قوانین تک انسانیت کی رسانی ایک طویل
 عرصہ گزرنے اور بڑی کشمکش کے بعد ہوتی۔ جس کشمکش نے مغربی خاندان اور معاشرہ

کو تباہ کر دیا۔ اخلاق و روایات کو برباد کر دیا۔ اور ایسی خونخوار جنسی بے راہ روی کا سبب بنی۔ جس نے انسان کو حیوان بنا کر مجنونانہ جنس پرستی میں مبتلا کر دیا۔ جب کہ اسلام نے عورت کو شرافت و عزت عطا کی۔ اس کے وجود اور اس کے ساتھ مرد کے وجود کا تحفظ کیا۔ اور خاندان اور معاشرے کو قوت فراہم کی۔ یہی فرق ہے اللہ کے قانون اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون میں! اور انسان یہ سمجھنے لگے کہ اس میں حقوق الہ حاصل ہو گئے ہیں!

اسلام نے نفس واحد کی اس شرکت پر اس کے طبعی نتائج مرتب کئے۔ اور عورت کو ملکیت، ثمرت، کسب، عمل تعلیم، نکاح، حصول طلاق اور اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کے حقوق عطا کئے۔ پھر عورت کو یہ سارے حقوق اس کی اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ۔ اور ارشاد، نیکو کار اور پاکیزہ انسان کے معیار پر ملے ہیں۔ نہ کہ قیود سے آزاد حیوانی معیار اور فتنہ انگیز شیطان کے معیار پر

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
اَكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ
مِّمَّا اَكْتَسَبْنَ

مردوں کے لئے ان کے
اعمال کا حصہ ہے اور عورتوں
کے لئے ان کے اعمال کا حصہ

ہے۔

(النساء - ۳۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا
النِّسَاءَ كَرِهًا، وَلَا تَعْضُلُوا
هُنَّ لِشَدِّ هُبُوٍّ بَعْضٍ
مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا
أَنْ تَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ

اے ایمان والو تم کو یہ بات
حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً
مالک ہو جاؤ۔ اور ان عورتوں
کو اس غرض سے مقید مت
کرو۔ جو کچھ تم لوگوں نے
ان کو دیا ہے۔ اس میں کوئی

مُبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ
بِالْمَحْرُوفِ

حصہ وصول کرلو۔ مگر یہ کہ وہ
عورتیں کوئی مریخ ناشائستہ حرکت
کریں۔ اور ان عورتوں کے ساتھ
خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو۔

(النساء - ۱۹)

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي
تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْكِي
إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ
مَحَاوِرَ كَمَا اتَّ اللَّهُ
سَمِيعٌ بَصِيرٌ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت
کی بات سن لی۔ جو آپ سے
اپنے شوہر کے معاملے میں جھگڑتی
تھی۔ اور اپنے رنج و غم کی اللہ
سے شکایت کرتی تھی۔ اور اللہ
تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا
اور اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے

(المجادلہ - ۱) والا ہے۔

ہندیب یافتہ فرانس نے عورت کو تصرف اور براہ راست تعامل کا حق
بیسویں صدی میں دیا ہے! یورپ نے ایک ہی عمل پر مساوی اجرت کا حق
بیسویں صدی میں دیا ہے۔ برطانیہ نے آج تک ملازمین کی اجرتوں میں مساوی
کا حق نہیں دیا ہے۔ اس وجہ سے کہ عورت حمل اور ولادت کے ادوار سے
گذرتی ہے جس کے لئے اسے تھپی لینا پڑتی ہے!

اور یورپ میں عورت کو یہ حقوق بھی اس وقت ملے جب وہ اپنی کفالت
کے لئے کام پر نکل پڑی۔ کیونکہ کوئی اس کی کفالت کرنے والا نہیں تھا۔ پھر
عورت کو اپنے اخلاق سے دست بردار ہونا پڑا۔ کیونکہ اخلاق مرد سے کام

حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ تھا۔ اور یہ حیوان مرد ایک لقمہ خوراک دے کر اس سے اس کی عزت کا مطالبہ کر رہا تھا۔ بالآخر عورت نے فتنہ انگیزی کی اشاعت اور مرد کو لہجنا شروع کر دیا۔ جس سے پوری مغربی زندگی ایک بہت بڑی فحاشی میں بدل گئی۔

پھر اس حیوانی کشمکش کے بعد مغرب نے کہا کہ اس نے عورت کو یہ حقوق اس لئے نہیں دیئے کہ مرد عورت کی تخلیق میں اولین حقیقت ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ معاشرتی جبری ارتقاء اس کا متقاضی ہے۔ اور لوگ اس ارتقاء کے سامنے مجبور ہیں جب کہ اسلام نے ان اصولوں کو بغیر معاشرتی حالات کی مجبوری کے ابتداء ہی میں نافذ کر دیا تھا۔ اور لوگوں نے برضا و رغبت ان اصولوں کو اپنا لیا۔ کیونکہ وہ اللہ کی عبادت کرنے والے تھے! عورت کے بارے میں اسلام کے اصول غیر متغیر ہیں۔ کیونکہ یہ غیر متغیر حقیقت سے مستفاد ہیں۔ یہ اصول جب اسلام آیا اس وقت کے گلابان معاشرے میں بھی نافذ رہا۔ اس کے بعد ذریعہ معاشرے میں بھی منطبق رہے۔ جیسا کہ آج کے صنعتی اور ایٹمی معاشرے میں منطبق ہیں۔ ان میں ذرائع پیداوار کے ارتقاء معاشرتی اور اجتماعی تغیر کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ یہ اصول انسان کی دونوں صنفوں سے متعلق اور بحیثیت انسان کے متعلق ہیں۔

صنفی مسئلہ سے بہت سے دوسرے مسائل ابھرتے ہیں جو انسانی زندگی

میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں

اور اسی کی نشانیوں میں
سے یہ کہ اس نے تمہارے واسطے
تمہارے جنس کی بیبیاں بنائیں

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ

لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً
وَسَرَخَةً
مگر تم کو ان کے پاس آرام ملے
اور تم میاں بیوی میں مودت اور
ہمدردی پیدا کی۔

(الروم - ۴)

ازواج کے بارے میں پہلے گزر چکا ہے کہ ایک نفس سے بنے ہیں۔ مگر یہاں
دونوں صنفوں میں تعلق کی نوعیت اور اس کی حکمت بیان کی جا رہی ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ازواج کو کیوں پیدا کیا۔؟ اللہ کی حکمت وسیع اور مکمل ہے
مگر اس آیت میں اس حکمت کو محدود کر کے بیان کیا گیا ہے۔ یا یہ کہتے ہیں کہ اس
کے ایک رخ کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ وہ حکمت اور زوجین کی تخلیق
کا سبب یہ ہے کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے۔

آرام کے مفہوم میں سکون، راحت اور اطمینان شامل ہیں۔ اور نرمی اور سکونت
اس کا جز ہیں۔ یہی اللہ تعالیٰ زوجین کے بارے میں چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
یہ نہیں چاہتا کہ زوجین کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو کہ زندگی میں فساد پیدا ہو
نہی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ صنفی تعلق ایک اتنی مشغلہ بن جائے جس طرح
وحی الہی سے دستبردار ہو کر اور خواہشاتِ نفس کی اتباع کی وجہ سے یہی صورت
حال ہے۔

اور تم میاں بیوی میں مودت اور ہمدردی پیدا کی۔

دونوں صنفوں میں کششِ فطری ہے۔ مگر یہاں قرآن کریم نے محبت کے بجائے
مودت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ بلند اور زیادہ پاکیزہ
بنانا چاہتا ہے۔ اور دوسری جانب "مودت" کے لفظ میں زیادہ وقعت
ہے۔ کیونکہ اشتیاق، عشق اور والہانہ جنسی محرک کے مراحل ہیں۔ پر جوش جوانی

میں یہ دور آتے ہیں مگر قائم نہیں رہتے۔ اور مودت ہمیشہ رہتی ہے۔ یہ اشتیاق
عشق اور والہانہ پن کے ادوار گزرنے کے بعد بھی نفس میں باقی رہتی ہے !
اس غیر متغیر مسئلہ کے کچھ غیر متغیر پہلو بھی ہیں۔ جن پر انسانی زندگی میں کئی غیر
متغیر امور مرتب ہوتے ہیں۔

مسئلہ کی پہلی بنیاد تو عورت اور مرد کا وجود ہے۔ جو ایک غیر متغیر حقیقت ہے
(سوائے انحراف کے۔ جس کا تذکرہ ہم بعد میں کریں گے۔) پھر اس کی بنیاد دونوں صنفوں
میں کشش ہے۔ یہ بھی ایک غیر متغیر حقیقت ہے۔ پھر اس کشش پر قائم آرام کے تعلق
پر۔ اور یہ بھی ایک غیر متغیر حقیقت ہے

جب اس مسئلہ کے تمام پہلو غیر متغیر ہیں۔ تو اس کے نتائج کس طرح تغیر اور
ارتقاء کو قبول کر سکتے ہیں !!

یہاں سے یہ میرا مسئلہ (صنفین کا مسئلہ) چوتھے مسئلے میں شامل ہو جاتا ہے۔ یعنی
”ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائی“۔ اور یہ دونوں مسئلے مل کر جنسی
تعلقات کی تجدید کرتے ہیں۔

مرد و عورت کی کشش اور ان کا فی الواقع معاشرے میں موجود ہونا۔ اس امر کو
ضروری قرار دیتا ہے کہ ان کے درمیان تعلقات کی بنیاد ان کی فطرت اور ان کا
معاشرتی وجود بنی چاہیئے۔

اگر معاملہ صرف ایک مرد اور ایک عورت کا ہوتا تو کسی تنظیم کی ضرورت نہ تھی
مگر جب اس تعلق سے اولاد پیدا ہوتی، اور مرد و زن کی کثرت ہو گئی۔ تو ایسی مضبوط
اور محکم تنظیم کی ضرورت ہوتی کہ خواہ آبادی کا دائرہ کتنا ہی وسیع ہو جائے مگر ایسا
کوئی انتشار پیدا نہ ہو۔ جس کی روک تھام کے لئے کوئی دلیل نہ ہو۔

مرد و زن کی کثرت کے نتیجے میں ان فطری کشش کی مختلف صورتیں منظم ہو گئیں

تاکہ مختلف کششوں کے وقت تصادم اور لاقانونیت نہ پیدا ہو۔ اور اس لاقانونیت سے نفس کا آرام ضائع ہو جاتے۔ اور معاشرے کے روابط میں فساد پیدا ہو جاتے اس طرح ایک ہی نفس سے پیدا ہونے والی نسل کے لئے خاندان اور خاندانی روابط کا قیام ضروری ہو گیا۔

ایک اساسی حقیقت — یعنی زوجین کی تخلیق اور ان کا باہمی کشش اور مودت سے مربوط ہونے سے وہ تمام گوناگوں تعلقات ابھرے جو غیر متغیر ہیں کیونکہ ان کی بنیاد بھی غیر متغیر حقائق ہیں۔

مغرب و مشرق کے شوق رقی کے مارے ہوئے۔ سب سے زیادہ جنس کے باب میں جھگڑتے ہیں۔ اور ہر قید و بند سے آزاد شہوتوں میں غرق نئی نسل جنس کے باب میں بہت زیادہ جھگڑتی ہے۔ اس نئی نسل کو سوائے جسم کی آگ ٹھنڈا کرنے کے اور کوئی بات نظر نہیں آتی۔ اور اس مجنونانہ بے راہ روی کے راستہ میں وہ کوئی پابندی نہیں دیکھنا چاہتے۔

انسانی زندگی کے اہم امور پر بحث کرتے ہوئے یہ بات بھی بتانا ضروری ہے کہ فیصلہ کن غیر متغیر حقائق ہماری شہوتوں اور خواہشات کے مناسب نہیں ہیں۔

”ہم جائز اور ناجائز کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔ ہم نے قوانین طبیعت کی خلاف ورزی کر کے ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ جس کا ترکیب ساز پائے بغیر نہیں رہ سکتا جب بھی کوئی شخص زندگی سے ناجائز امر کی اجازت لیتا ہے — زندگی اس کے جواب میں اسے کمزور بنا دیتی ہے — یہی وجہ ہے کہ تہذیب و بہ زوال ہے۔“

(الکسیس کاریل)

اس لئے اس اہم موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم نئی نسل کی شہوت پرستی اور شوق رقی کے مارے ہوؤں کا تعاقب کریں

بلکہ ہم تو حقائقِ فطرت بیان کئے دیتے ہیں۔ تاکہ یہ لوگ اپنی مشکلات پر قابو پانے کے لئے اپنی فطرت کے مناسب حالات پیدا کریں۔ اور فطرت کی رہنمائی پر چلیں غیر متغیر صنفی تعلق اور اس کا ترقی سے عدم تاثر ایک بالکل فطری امر ہے اور ایسا امر ہے جس میں بیس صدیاں گزرنے کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اور جب بھی اس سے ناجائز امور کی اجازت چاہی گئی۔ اس کا ایک جواب رہا۔

جب بھی کبھی جنسی تعلقات کے بندھن ڈھیلے ہوتے۔ اور جوان نسل جسمانی لذتوں کے پیچھے لپکنے لگی۔ اس وقت فطرت نے نہایت واضح اور فیصلہ کن جواب دیا۔

قدیم یونان، روم اور فارس کے بارے میں فطرت نے اپنا حتمی فیصلہ دیا۔ عالم اسلامی میں شہوتوں کا بازار گرم ہوا۔ تو فطرت نے فیصلہ کیا۔ جنگِ عظیم دوم میں فرانس پر فطرت کا فیصلہ لاگو ہوا۔ اور پھر فطرت پوری روتے زمین اور خاص طور پر روس اور امریکہ کے بارے میں فیصلہ دے رہی ہے۔

فطرت کا ہمیشہ ایک ہی فیصلہ رہا ہے۔ اور وہ ہے اخلاقی زوال اور جنسی اباحت۔ جس کے نتیجے میں ہلاکت ہے۔ تباہی ہے۔ بد بختی ہے۔

اس کے سوا پوری تاریخِ انسانی میں فطرت نے اور کوئی فیصلہ نہیں دیا! بیسویں صدی میں اٹل قانونِ فطرت۔ اور فطرت کی سزا سے بچنے کی ساری کوششیں عبث اور بیکار ثابت ہوئیں۔

بیسویں صدی کا یہ کہنا بھی عبث رہا کہ موجودہ نسل اپنی نوعیت کی جداگانہ نسل ہے!

انسان کی غیر متغیر فطرت سے انکار بھی عبث ہے! یہ کہنا بھی عبث کہ آزادانہ جنسی بے راہ روی سے گزشتہ اقوام جس تباہی

سے دو چار ہوتی۔ بیویں صدی اس سے محفوظ رہے گی۔

یہ کہنا بھی عبث ہے کہ یہ نسل اپنے آپ کو تباہی سے بچالے جائیگی۔ چونکہ نسل
باشعور، سمجھدار اور تعلیم یافتہ ہے!

؟ دلیل

یہ کہنا بھی عبث ہے کہ موجودہ نسل کے پاس ہر بیماری کا علاج ہے! یہ سب کچھ عبث ہے۔ اور غیر متغیر فطرت کا یہ ناقابل تغیر جواب ہے! اگر یا تو
جنسی تعلقات کو مذہب، اخلاق اور روایات کی بندشوں میں جکڑ کر رکھا جائے
یا پھر بے قیدی اور بے قیدی کے نتیجے میں بھیانک برکتی اور ہولناک تباہی۔
یہی حقیقی جبریت ہے۔۔۔ یہ اللہ کی پیدا کردہ جبریت ہے۔
اب جملہ انکار سے کچھ نہیں ہوتا! اور ریت میں سر چھپانے سے کوئی
فائدہ نہیں ہے!

بے شک خواہش نفس لذت افزا اور بے قیدی پسندیدہ ہے۔

مُحِبِّينَ لِلنَّاسِ حُبَّ الشَّهَادَاتِ	خوشنامہ معلوم ہوتی ہے لوگوں
مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنَاتِ	کو محبت مغرب چیزوں کی مثلاً
وَالْفَنَاطِينِ الْمُقَنَطَرَةِ	عورتیں جو بیٹی، بیٹے ہوتے۔ لگے ہوئے
مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ	ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے نشان
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ	لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور
وَالْخَزَائِنِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ	ندامت لیکن یہ سب استعمال چیری
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	ہیں۔ دنیوی زندگی گانی کی۔

ز آل عمران - ۱۴

مگر اس کی سزا بھی نہایت سخت اور ہولناک ہے۔۔۔ اعمالی اور

نفس دباؤ، خودکشی، جنون، شذوذ، جرم — اور تباہی

یہ بیسویں صدی کی گواہی ہے۔

کیا کوئی شخص دنیا میں ایسا بھی ہے۔ جس کو ذرا سی بھی عقل ہو۔ اور وہ شوق ترقی اور نئی نسل کی خواہشات کے پیچھے بھاگتا چلا جاتے اور انسانیت کی تباہی کے ہولناک نتائج اس کے سامنے ہوں؟

بلکہ کیا کوئی شخص ایسا بھی جس کے دل میں محبت کا شائبہ بھی ہو۔ اور وہ اپنی اولاد کو گڑھے میں گرتا ہوا دیکھ کر بھی نہ روکے۔؟

ہمارے ذمہ ایک عظیم انسانی فرض ہے۔ جس کو ہمیں اپنے لئے انسانیت کے لئے اور اپنی اولاد کے لئے ادا کرنا ضروری ہے۔ وہ فرض یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ان کا موقف اور فطرت کی حقیقت بتا دیں۔ تاکہ انسانیت تباہی سے بچ سکے۔ جب ہم لوگوں کے سامنے یہ حقیقت رکھیں گے تو لوگ ہمیں برا کہیں گے جیسے بچہ ڈاکٹر کے دوا پلانے پر اسے برا بھلا کہتا ہے!

مگر بچہ کا برا بھلا من کر کون احمق دوا پلانے سے گریز کرے گا۔ اور کون بیوقوف بچہ کو بخار میں پھنکتا ہوا چھوڑ دے گا؟

اس لئے ہمیں لوگوں کے سامنے حقائق فطرت بیان کر دینا چاہئیں! اگر ہم نہیں بیان کریں گے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو دشواریوں میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ یا ہم خود نئی نسل کی طرح لطف اندوز ہونا اور لذات زندگی سمیٹنا چاہتے ہیں۔ — اگر ہم جنس کی گندگیوں میں ملوث ہونا چاہتے ہیں۔ تو اس کی وضاحت کر دینی چاہیئے۔ اور یہ بتا دینا چاہیئے کہ ہم اس طرح خوش ہیں۔ ہمیں چرس اور فیو کے دھوئیں سے نکلنا نہیں چاہیئے۔ — اس کے بعد جو ہوتا ہے سو ہو جائے۔

ذہنوں میں ایک دوسرے کے بارے میں غلط خیالات باقی نہ رہیں گے۔ اور چونکہ ہماری زیر نگرانی ہیں۔ اس لئے وہ زیادہ آگے نہیں بڑھ پائیں گے اور حقیقت یہ ہے کہ نوجوان لڑکا لڑکی کی طرف متل ہوتا ہی ہے۔ اور نوجوان لڑکی بھی لڑکے کی طرف متل ہوتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ یہ ایک فطری امر ہے۔ اسے نگرانی سے نہیں روکا جاسکتا! پھر اس میلان میں شدت ہو جانا بھی یقینی ہے!

ہمیں ذرا واقعیت پسند ہونا چاہیئے! کیا ہم اس فطری شے کو روک سکتے ہیں؟

ہمیں ذرا دور رس نگاہوں سے جائزہ لینا چاہیئے۔ کہ چوری چھپے کی ملاقات بہتر ہے۔۔۔۔۔ یا ہماری زیر نگرانی؟! کبھی کبھی میلان زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی نوجوان کسی لڑکی سے شادی کر لے۔ تو کیا نقصان ہے! ہمیں ذرا دور رس نگاہوں سے جائزہ لینا چاہیئے۔ کیا یہ بہتر ہے کہ لڑکا ایک انجان لڑکی سے شادی کرے۔ یا یہ بہتر ہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں؟

سینما، سڑک۔۔۔ تاریکی۔۔۔ اور خلوت میں بوس و کنار؟ کیا نقصان ہے۔ بس ذرا حسی تفریح ہے۔ کوئی نقصان نہیں۔ اس طرح لڑکا اور لڑکی تجربہ حاصل کریں گے؟ لڑکی بھی اپنے ساتھی کو پہچان لے گی۔ اسے کچھ سبق حاصل ہوگا۔ جس سے وہ زیادہ فائدہ اٹھا سکے گی! اگر لڑکی خراب ہونا چاہے تو کیا تم اسے بچا سکو گے؟ نہیں بچا سکتے تو چھوڑ دو!

اگر ہم نے نگرانی بھی نہ کی۔۔۔ تو کیا ہوگا!!

یہ ہے بیسویں صدی میں آزادی کا طریقہ !!
یہ آزادی اس مخلصانہ طرز فکر سے شروع ہوتی ہے — اور ان شیاطین کے
اس کی ابتدا نہیں کی جنہوں نے ترقی کا شور مچوڑا۔ اور جانوروں کی طرح ہر قید سے
آزادی کی وحی کی۔ اس مخلصانہ طرز فکر نے تربیت کرنے والے والدین، سیاست دان
علماء اور اہل مذہب کے ذہنوں میں جنم لیا۔

انسانی شہوتیں کسی بھی مرحلے پر نہیں رکتیں!

شعوری ارادہ یا مخلصانہ نیت سے کسی مرحلے پر نہیں رکھا جاسکتا۔
وہ مرحلے جس پر لوگ پورے خلوص سے ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ وہ تو ترقی کا ایک
مرحلہ ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہتے کہ — تنزل اور نیچے کی طرف آنے کا ایک مرحلہ ہوتا ہے
— جس پر رکنا نہیں جاسکتا! یہی فطرت کی جبریت اور یہی تاریخ کا تجربہ ہے!
انیسویں صدی میں جب اختلاط رواد رکھا گیا۔ تو یہ کہا گیا کہ ہم بغیر مبالغہ کئے
کسی مومن مرحلے پر رک جائیں گے۔ ہم اپنے آپ کو ضائع نہیں کریں گے — مگر
فی الحقیقت ایسا نہیں ہوا بلکہ بیسویں صدی میں نیا اس اندھ کنوئیں میں گر ہی گئی۔ یا
اب گرا چاہتی ہے!

تنزل و انحطاط کا عمل نہایت سست رفتاری سے پورا ہوتا ہے۔ اور افراد
اور نسلوں کی عمریں اس سست رفتاری کی نذر ہو جاتی ہیں — تنزل کی اس سست
روی سے لوگ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ وہ کسی درمیانی مقام پر رک سکتے ہیں۔
کبھی نہیں! یہ ایک غلط خیال ہے اور تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔
یہ بات ارتقاء یا مادی تعبیر نہیں کہتی ہے۔ بلکہ یہ فطرت کا فیصلہ ہے۔ فطرت
ہی وہ واحد سچائی ہے جو ان تمام اباطیل اور فریبوں کا تار و پود بکھیرتی ہے۔
جب معاشرے کے بندھن ایک دفعہ کھل جاتے ہیں — تو پھر تنزل میں

کوئی مقام ایسا نہیں ہوتا۔ جہاں آکر وہ ٹھہر جاتے! اور یہ زمانہ بھی
ظاہری وقفہ جو کبھی ایک نسل اور کبھی نسلوں تک باقی رہتا ہے جس سے لوگوں

کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ تنزل میں وقفہ کتنا ہے۔ یہ فطرت ایک فریب ہے! ذرا اس
تنزل اور اس کی رفتار کا وسیع نظر سے جائزہ لیجئے! گھڑی کی چھوٹی سوئی بہت آہستہ
حرکت کرتی ہے۔ اگر چند منٹ آپ اسے دیکھتے رہیں تو وہ حرکت ہی نہیں کرے گی
مگر اگر آپ ایک گھنٹے یا چند گھنٹوں کے بعد دیکھیں!! گھڑی میں تاریخ کا خانہ بھی
سست رفتار ہے۔ اگر آپ اسے گھنٹوں بھی دیکھتے رہیں تو وہ اپنی ہی جگہ پر نظر
آتے گا۔ مگر آپ ایک دن یا کئی دن گزرنے کے بعد بھی دیکھیں تو!!

اس طرح تاریخ میں بھی توسیع سے کام لیجئے۔ کئی کئی نسلوں کو دیکھئے! ایک
نسل میں صورت حال میں زیادہ تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگرچہ موجودہ نسل میں تغیر انتہائی
شدید ہے۔ کیونکہ شیاطین اس آگ میں پھونکیں مارتے ہیں۔ یہ زمانہ بھی
اگر آپ ذرا توسیع سے دیکھیں۔ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانی شہوتوں
کا کوئی وقفہ نہیں ہے۔ یہ زمانہ بھی انتہائی وسیع ہے! کیا استیقامت

یہ فطرت کا قانون ہے۔۔۔ یہ فرد کی فطرت ہے۔ اور یہی جماعت کی فطرت ہے!
فطرت ہے! یہ فطرت ہے! یہ فطرت ہے! یہ فطرت ہے! یہ فطرت ہے!

شہوتوں کو جتنا سیراب کیا جائے۔۔۔ اسی قدر جوش اور جنون اسے پیدا
ہو جاتا ہے! یہ فطرت ہے! یہ فطرت ہے! یہ فطرت ہے! یہ فطرت ہے!

امریکہ کی مثال لیجئے۔۔۔ کیا ان کے شہوتوں کی فطرت ایسی ہے!

کیا امریکی معاشرہ میں شہوانی پیاس بجھانے کے راستہ میں کوئی رکاوٹ

ہے؟۔۔۔ کوئی نہیں! ان کے شہوتوں کی فطرت ایسی ہے! یہ فطرت ہے!

مگر امریکہ میں عریاں تصاویر سے عشق ایک جنون کی شکل اختیار کر چکا ہے!

وہاں اغوار — اور جنسی بھوک مٹانے کے بعد قتل کی وارداتیں روز بروز

بڑھتی جا رہی ہیں!

نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جنسی شذوذ کا شکار ہیں!

فرانس، سوئٹزرلینڈ، بلجیم اور شمالی یورپ کے سارے ترقی یافتہ ممالک کا

یہی حال ہے!

فطرت کا ایک ہی قانون اور تاریخ کا ایک ہی اٹل فیصلہ ہے۔ جو ہر جگہ

کارنر رہا ہے!

* * *

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جنسی شاعر کا اخفاء (SUPPRESSION)

کر لیں۔؟

کیا اخفاء اور محرومی کے نقصانات بذات خود خطرناک نہیں ہیں؟

جی ہاں! طویل محرومی بھی نفس کے شاعری میں فساد اور اعصاب میں تعطل پیدا کرتی

ہے۔ دونوں صنفین ایک دوسرے کے بارے میں مریضانہ خیالات میں مبتلا رہتی ہیں اور

ان کے ظاہری امد باطنی شاعر جنس میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔!

مکمل اور طویل محرومی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ انسانیت

سے مطالبہ نہیں کرتا!

اللہ تعالیٰ نے ایک معتدل نظام متعین فرمایا ہے جس میں شاعر کا اخفاء

اور نہ ہی محرومی!

اخفاء کا جنسی معنی میں اسلام میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اسلام صنفین کے

تعلق کو پوری روشنی میں رکھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ مستقیم (NORMAL) فطرت

ہے۔ اور پسندیدہ ہے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تمہارے صنفی تعلق پر اجر ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم میں سے اگر کوئی اپنی خواہش نفس کی تسکین کرتا ہے تو اس پر بھی اجر ہے؟ فرمایا کیا اگر تم میں سے کوئی اس خواہش کو حرام طریقہ سے پورا کرتا تو گناہ ہوتا؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ کیوں نہیں فرمایا۔ اگر کوئی حلال طریقہ پر اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ تو اس پر اجر بھی ہے! (مسلم)

اسلام اپنے پورے وسائل سے کام لے کر اس بات کی روک تھام کرتا ہے کہ کوئی محروم نہ رہے۔ چنانچہ وہ نکاح میں عجلت کی دعوت دیتا ہے۔ اور ایسی شادی تربیت وضع کرتا ہے جس سے نکاح میں سہولت ہو۔ اور جن میں شادی کرنے والے نوجوانوں کے لئے بیت المال کی امداد بھی شامل ہے۔

اسلامی نظام ایک متوازن نظام ہے۔ اس میں اعتقادی تصورات اور اخلاقی ترجیحات سیاسی اور اجتماعی تنظیموں سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔ یہ تمام شعبے مل کر ایک صالح معاشرہ برپا کرنے کے لئے فعال ہو جاتے ہیں اس لئے اسلام صرف یہ ہی نہیں کہتا کہ نکاح میں جلدی کی جائے۔ بلکہ اپنے مکمل نظام میں عملی زندگی کے تمام وسائل کو سہل بنا کر اس کو وجود میں آنے کی ضمانت دیتا ہے۔

اس موقع پر ہم اس امر پر بحث نہیں کر سکتے کہ موجودہ معاشرتی پیچیدگیوں میں نکاح میں جلدی کرنے کا کہاں تک امکان ہے۔ کیونکہ انسانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے حالات و فطرت کی روشنی میں وضع کریں۔ نہ کہ حالات کے ماتحت فطرت کو مسخ کرنے

کی کوشش کریں۔! پھر معاشی پیچیدگیاں اس مفسد جنسی تعطل کی طوالت کا سبب

نہیں ہیں! امریکی نوجوان جلد ہی کمانے لگتے ہیں۔ اور اس کمائی کو حرام میں خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ شیاطین ان کو یہی رہنمائی کرتے ہیں۔ امریکہ کا دولت مند معاشرہ

اگر چاہے اور اگر شیاطین اس کو گمراہ کرنا چھوڑ دیں تو یہ ایسا نظام تشکیل کر سکتا ہے کہ نوجوانوں کی شادیاں جلد ہو جائیں۔

اشتراکی معاشرے کی کفالت حکومت کرتی ہے۔ اور حکومت نوجوانوں کی شادیوں کی تنظیم بنانے سے عاجز نہیں ہے۔ اگر وہ یہ سمجھنا چھوڑ دیں کہ اخلاق خرافات ہے۔ اسے ختم کرنا ضروری ہے۔ اس کے باوجود بھی خرد شیخ آئے والی تباہی سے ڈر رہا ہے۔!

مگر۔ ہم مسلمان۔ نہ تو ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔ ہمیں ہر حالت میں اسلام کے فطری طریقہ کو واضح کرنا ہے اور انسانیت کی تنظیم اسلام کے مطابق کرنی چاہیے۔۔۔ جس میں نہ اخفایہ ^{SUPPRESSION} ہے اور نہ محرمی!۔۔۔ بلکہ مرت تنظیم ہے۔

ایسی تنظیم جس میں ایک ہی وقت میں اور ایک ہی مشترک وسیلہ سے فرد اور معاشرہ دونوں شامل ہیں۔

صاف ستھرا معتدل معاشرہ پاکیزہ معتدل خاندان تعمیر کرتا ہے۔ جس میں صالح اور معتدل افراد تربیت پلتے ہیں۔ پھر صالح اور معتدل فرد خاندان اور معاشرہ کی تعمیر کرتا ہے۔

اس لئے اسلام فرد کی نظامت پر زور دیتا ہے۔ اس کے قلب اور شاعر کا اللہ سے ربط پیدا کرنا۔ اور اطاعت و محبت اور خدا کے خوف کی بنیاد پر اس کی تربیت کرتا ہے۔ ساتھ ہی اجتماعی، معاشی اور سیاسی تنظیمیں بناتا ہے۔ اور فکری اور روحانی ہدایات دیکھ کر معاشرہ کو صالح بنیادوں پر استوار کرتا ہے جس سے صالح اور معتدل افراد ابھرتے ہیں۔

جنس کے مسئلہ میں بالخصوص اسلام بلا سبب اختلاط کو ناپسند کرتا ہے اور

بہت سے محدود مقامات پر اس کی اجازت دیتا ہے۔ زینت اور فتنہ سے منع کرتا اور ناجائز خواہشات کو دیتا ہے۔ بلا سبب عورت کے گھر سے نکلنے کو ناپسند کرتا ہے اور عورت کو نکلنے کی اجازت اس وقت دیتا ہے۔ جب وہ فکر و عمل کی پاکیزگی کے ساتھ کسی ضرورت کے لئے نکلے۔

اسلام عورت کے لئے ایسے کام پسند نہیں کرتا جن میں وہ مردوں کے مشابہ ہو جائے۔ مگر بوقت ضرورت اس کی اجازت بھی دیتا ہے۔ اسلام نکاح پر آمادہ کرتا۔ اس کے لئے سہولتیں فراہم کرتا اور نکاح جلد کرنے کی ہدایت کرتا ہے اسلام کی نظریں اس دائرہ سے باہر ہر صنفی تعلق حرام ہے۔

جنس کے بارے میں اسلامی شریعت کے یہ بنیادی خطوط ہیں۔ جو نہایت سہل اور اسلام کے سارے عملی نظام سے مربوط ہیں۔ پھر یہ خطوط، اس کے محرکات سے اسی طرح ہم آہنگ ہیں جس طرح وہ انسانی زندگی کے غیر متغیر حقائق سے وابستہ ہیں۔

منفی کشش فطری ہے اور اس کا ظہور فطرتی ہے۔ مگر چونکہ افراد گئے چنے نہیں ہیں۔ بلکہ نہایت کثیر مرد اور عورتیں ہیں۔ اس لئے اس کشش کا منظم کرنا ضروری ہے تاکہ قانونیت اور اضطراب جنم نہ لیں۔

بلا سبب اختلاط۔ اور عورت کا لوگوں کو درغلانے اور فتنہ میں مبتلا کرنے کے لئے بن سنور کر نکلتا۔ یہ دو بنیادی اسباب ہیں جنہوں نے مغربی معاشرے کو تباہ کیا ہے۔ اور جس پر کینیڈی، خرد شحیف، فلسفی اور سائنس دان داؤد لا کر رہے۔

اسلام اس لئے ان دونوں باتوں کو جائز نہیں رکھتا۔

روایتی پردہ، اخفار اور محرمی اسلام کا مقصود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں کام دھندے کے لئے گھر سے باہر نکلتیں۔ جہاد میں شریک ہوتیں۔ اور عورتوں کو تعلیم دیا کرتی تھیں۔ یہ اس وقت کی عورت کی اور اس سے متعلق معاشرے کی ضروریات تھیں۔

اسلامی معاشرے میں معاشرے کی ضرورت سے متعلق تمام امور انجام دیتے جاتے تھے۔ اسلامی معاشرہ کا مطلب پاکیزہ معاشرہ جو اللہ کی عبادت کرے اس کی شریعت کو نافذ اور اس کے احکام کی اتباع کرے۔ اسلام کے علاوہ اور کسی معاشرے میں یہ ممکن نہیں کہ عورت اپنے حقوق اور آزادیوں کا مطالبہ کر سکے۔ جب کہ عورت اور معاشرہ دونوں ہی اپنی زندگی میں اسلام کو نافذ نہیں کر رہے ہیں۔

اسلام نے عورت سے یہ تو نہیں کہا کہ وہ ایک ایسے غیر اسلامی معاشرے پر راضی ہو جائے۔ جو اسلامی نظام کو برپا نہیں کرتا۔ اور وہ اس غیر اسلامی معاشرے میں بخوشی زندگی گزارتی رہے۔ اور وہ حقوق جو اسلام نے اسلامی معاشرے کے مردوں اور عورتوں کو نہیں دیئے ہیں ان کا بھی مطالبہ کرتی رہے۔

اسلام نے عورت سے یہ بھی نہیں کہا کہ وہ فتنہ پیدا کرنے کے لئے بن سنور کر نکلے۔ اور اگر وہ مغرب سے آئے ہوئے اس متعدی مرض کو اپنانے پر مجبور ہے۔ تو پھر اسے اسلام سے کیا سروکار!؟ وہ اسلام کے بارے میں کیوں بحث کرتی ہے؟!

چونکہ عورت اسلامی معاشرے میں بھی معاشرتی ضروریات کے لئے نکلتی ہے اس لئے صنفین میں پوری پوری علیحدگی تو نہیں ہو سکتی۔ مگر نوجوانوں میں مغربی

طرز کی دوستی بھی نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسلامی معاشرے میں عورت سادگی اور پردے کے ساتھ نکلے گی۔ اور یہ ایسی شرط ہے جس کو اسلام قطعاً نظر انداز نہیں کر سکتا۔!

آزادی کے علم بردار، ترقی کے شیدائی، اور اسلامی ارتقاء کے قائلین کہتے ہیں کہ مستحرف عادت کا ہے۔ اگر ہم عورت کے بال بازو اور ٹانگیں عریاں دیکھنے کے عادی ہو جاتیں تو کوئی نقصان نہیں۔ اول اول تو یہ شے جذبات کو برا نگینہ کرتی ہے مگر رفتہ رفتہ لگا ہیں ان مناظر کی عادی ہو جاتی ہیں۔ — بلکہ پھر تو وہ عورت جو بال بازو اور ٹانگیں ڈھک کر نکلے وہ زیادہ جذبات برا نگینہ کرتی ہے! —
ہیں آپ کی سب باتیں تسلیم — مگر ہم پھر بھی اسلام ہی کی راستے پر قائم
ہیں!

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب مرد عادی ہو جائے ہیں تو عورتوں کی عریانی ان کے جذبات برا نگینہ نہیں کرتی — یہ لوگ دراصل تاریخ کے ایک ہی کم حصہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ اور کئی نسلوں کی تاریخ پر غور نہیں کرتے۔ یہ لوگ گھڑی کی پھوٹی سوئی کو چند منٹ دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ تو حرکت ہی نہیں کرتی۔
مگر ذرا ابتداء سے دیکھتے تاکہ انتہا سمجھ میں آ سکے۔

اولاً عورت نے اپنی ٹانگیں، بازو اور بال کیوں عریاں کئے۔

ایک وقت تھا کہ معاشرہ اس عریانی کی قطعاً اجازت نہیں دیتا تھا۔ اور اس پر سختی سے پابند تھا۔ پھر کسی قدر معاشرے کے بندھن ڈھیلے ہوتے۔ اور کچھ ایمان میں کمزوری آئی۔ اور برے لوگ جو معاشرے کی تہ میں بیٹھے ہوتے تھے سطح پر آ گئے اس وقت پہلی عورت فتنہ برپا کرنے کے لئے عریاں ہو کر نکلی — اور فی الواقع فتنہ برپا ہوا۔ مرض متعدی ہو گیا۔ اور معاشرے کی بندشیں یکے بعد دیگرے ٹوٹنے

لگیں۔ اس وقت لوگوں کو احساس ہوا۔ اچھے لوگوں نے اس روش کو برا خیال کیا۔ اور
برے لوگ اپنے راستہ پر چلتے رہے۔ پہلے ذرا ڈرتے ڈرتے اور پھر پوری بے باکی اور
بے خوفی کے ساتھ۔

پھر احساس کم ہوتا گیا۔ اور لوگ اس منظر کے عادی ہوتے گئے۔ اور یہ مناظر ایک
عام سی بات بن گئے۔ اور ان میں کوئی تاثر اور ہیجان باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اس زہرے
احساسات منجمد ہو گئے۔

یہ نصف حقیقت ہے۔ اور نصف حقیقت جس کو آزادی کے علم برداروں ترقی
کے شیدا یوں اور اسلام کے ارتقار کے قائلین خاموش کر چکے ہیں۔ — یہ ہے
— کہ جو عورتیں ادلا فتنہ برپا کرنے کے لئے نیم عریاں ہو کر نکلیں — وہ اب
جدید معاشرے میں لوگوں کو اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ لوگ ان کی روش
کے عادی ہو چکے ہیں۔ — اور

۱۔ چاہتی ہیں کہ لوگ ان کی جانب متوجہ ہوں۔!

اگر سقوڑی بہت عریانی کے لوگ عادی ہو چکے ہیں — تو اس میں اضافہ
ہونا چاہیئے۔ اسکرٹ کے اوپر اور نیچے سے چند اپنچ بدن اور عریاں ہو جاتے۔
لوگوں کے احساسات پھر سے جاگیں گے۔ اور پھر ٹھنڈے پڑ جائیں گے اور
یہ عریانی بھی معمولی پر آجائے گی۔ اس سے بھی فتنہ برپا نہیں ہو گا۔ یہ بھی ایک عادی
شے بن جائے گی!

مگر یہ سلسلہ بیان ختم نہیں ہو جائے گا — کیونکہ مقصد فتنہ ہے۔ جب سینہ
کی عریانی میں فتنہ نہیں رہے گا۔ چونکہ تمام عورتیں اپنے سینے عریاں کتے ہوئے ہوں گی
اور لوگ ان کو دیکھنے کے عادی ہو چکے ہوں گے۔ اور ان کے حواس معطل ہو چکے ہوں گے
گئے۔ اس لئے فتنہ اور فریب کے لئے کچھ عریانی مزید..... چال میں کوئی جدت

يَصْنَعُونَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ
 لِيُخْفِينَ مِنْ أَنْبَارِهِنَّ
 وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ
 وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ
 إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَالنِّسَاءُ
 يُخْفِينَ عَلَى جُيُوشِهِنَّ
 وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ
 إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَاءِ
 هُنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ
 أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ
 إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ إِخْوَانِهِنَّ
 أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُنَّ أَوْ التَّابِعِينَ
 غَيْرِ أُولِي الْأَرْسَابِ
 مِنَ الرِّجَالِ أَوْ لِبُطْنِ
 الَّذِينَ كُنَّ يَتَّبِعْنَ وَأَعْلَى
 غَوَاةٍ النِّسَاءِ وَلَا
 يُضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ
 لِيُعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ
 زِينَتِهِنَّ وَتُؤْجَبْنَ إِلَى اللَّهِ
 جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ

بے شک اللہ تعالیٰ کو سب خیر
 ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں
 اور اسی طرح مسلمان عورتوں سے
 بھی کہہ دیجئے کہ وہ بھی اپنی لگاؤ
 نیچی رکھیں۔ اور اپنی شہم گماہوں
 کی حفاظت کریں۔ اور اپنی زینت
 کے مواقع کو ظاہر نہ کریں مگر جو
 موقع زینت میں سے کھلا
 رہتا ہے۔ جس کے بر وقت چھپانے
 میں ہرج ہے۔ اور اپنے دوپٹے
 اپنے سینوں پر ڈالے رکھا
 کریں اور اپنی زینت کے مواقع
 کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ مگر
 اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر
 اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے
 بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں
 پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے
 بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی
 عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر
 یا ان مردوں پر جو طفیلی کے طور
 پر رہتے ہوں۔ اور ان کو ذرا

لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ

متوجہ نہ ہو۔ یا ایسے لڑکوں پر
جو عورتوں کے پردوں کی باتوں سے
ابھی ناواقف ہیں۔ اور اپنے
پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا
مخفی زیور معلوم ہو جائے۔ اور
مسلمانوں: تم سے جو ان احکام میں
کوٹاہی ہو گئی۔ تو تم سب اللہ کے
سامنے قویہ کرو۔ تاکہ تم صلاح
پاؤ۔

(النور - ۲۱، ۲۲)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ

تم بولنے میں نزاکت نہ برتو
اس سے ایسے شخص کو خیال ناسد
ہونے لگتا ہے۔ جس کے قلب
میں خرابی ہے۔

(الاحزاب - ۳۲)

وَلَا تَبْسُجُنَ ابْشَاجَ الْاِجَاهِلِيَّةِ
الْاُولَىٰ -

قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور
کے موافق مت پیرو۔

(الاحزاب - ۳۳)

یہی راستہ ہے ورنہ وہ ہولناک تباہی جس کے بادل آج مغرب پر چھا ہے
ہیں اور ساری انسانیت کو تباہی کی لپیٹ میں لیا چاہتے ہیں !!

اس مسئلہ کا رد نہا ہونا ضروری ہے! اس لئے کہ یہ ذرائع پیداوار، معاشی اجتماعی سیاسی ارتقار، سائنسی ترقی یا کسی بھی ترقی سے متاثر نہیں ہوتا۔ اور انسانیت کا کوئی بھی ارتقار اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔

یہ مسئلہ فطرت، نفس انسانی کے کمزوریاں اور صنفی کشش سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کشش کو منظم کرنا ضروری ہے۔ ورنہ یہ بے قید رہ جائے گی۔

ترقی کے سارے دعوے، اس انحطاط کو حد معقول پر روکنے اور معاشرے کو اندھے کنوئیں میں گرنے سے بچانے کی ساری کوششیں بیسویں صدی اور تاریخ عالم کی گواہی کی روشنی میں بیکار ہیں۔

زندگی کی گتھیاں تہذیبوں سے نہیں سلجھا کر تیں! }
فطری اور تاریخی امور سنجیدہ مسائل ہیں۔ ان میں گمراہ کن رویے اور مخالفت سے کام نہیں چلتا!

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی

اپنا یہی دستور جاری رکھا ہے جو

پہلے ہر گندے میں اور آپ خدا

کے دستور میں کوئی رد و بدل نہ

پائیں گے۔

سُنَّۃُ اللّٰہِ فِی الدِّینِ خَلَوُا

مِنْ قَبْلِ وَلَکِنْ تَجِدِیْ سُنَّۃَ

اللّٰہِ تَبَدُّیْلاً

(الاحزاب - ۶۲)

ہم جانتے اور ناجانت کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔ ہم نے قوانین طبیعت کی خلاف ورزی

کر کے ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس کا مرتکب سزا پاتے بغیر نہیں رہ سکتا

جب بھی کوئی شخص زندگی سے کسی ناجانت امر کی اجازت لیتا ہے۔ زندگی اس کے جواب

میں اسے کمزور بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تہذیب دو بہ زوال ہے۔

(الکلیس کاریل)

اسلام صنفین کے فطری ملاپ کو صرف نکاح کے ثانوی طریقہ میں محصور کر کے اس کے سوا صنفین کے تمام تعلقات حرام قرار دیتا ہے۔ فرد کو اخلاقی اور مذہبی طور پر فلاحیت سے نفرت سکھاتا ہے۔ معاشرہ کو ان غیر عادی حیوانات سے بچاتا ہے جن کی موجودگی میں پاکبازی اور امر محال بن جاتی ہے۔ چنانچہ سلام بناؤ سنگار، بے حیائی بے باکی نرم گفتگو اور درغلانے کے تمام تھکنڈوں سے منع کرتا ہے۔ دونوں صنفوں کے سامنے اسلام سنجیدہ مقاصد رکھتا ہے۔ تاکہ صرف تسلی، خوش دہی اور سستی لذت کے لئے فریب دہی اور فریب خوردگی ہی میں نہ لگے رہیں۔ دونوں صنفوں کے مقاصد میں سے ایک ایسی جماعت راشدہ کا قیام ہے جو عالم مادہ اور عالم روح میں اقدار عالیہ برپا کر کے انھیں، معاشی، اجتماعی، سیاسی، فکری اور روحانی بلند و اعلیٰ تنظیموں میں منطبق کرے اور دونوں صنفین اس میں پھر پور حقہ لیں۔

۱۔ فطری ملاپ کو نکاح کے مقدس رشتہ میں منسلک کر دینے کے بعد خاندان بناتا ہے۔

۲۔ خاندان طبعی نظام ہے اور فطرت سے ہم آہنگ ہے۔

ڈاکٹر کاظم نے بلا دلیل ایک غلط بات کہی اور یہ کہہ کر خاندانی نظام غیر فطری ہے، لوگوں کو مقدسات اور فطرت کے بارے میں شک میں مبتلا کر دیا ہے۔

ڈاکٹر کاظم کی نظریں ہزاروں اور لاکھوں سال کی گواہی کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی نظریں فطرت کی رہنمائی کوئی شے ہے۔

مگر اگر عقل اجتماعی معاشرے کو ختم کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کا بدل کیا ہو گا جسے اس کا بدل جنسی بے راہ روی اور معاشرے کی تباہی ہے۔

خاندان تمام فطری محرکات کو قبول کرتا ہے۔ جنسی محرک — یقیناً نوعیت — جذبہ ملکیت — امتداد — اظہار ذات — سکونت —

اس کے علاوہ خاندان بچوں کی تربیت کے لئے ایک فطری ضرورت ہے۔ یہ ضرورت پرورش گاہوں، اسکولوں اور اجتماعی تربیت کے جدید طریقوں سے پوری نہیں ہو سکتی۔ اس کتاب کے باب بیسویں صدی کی گواہی میں الکیس کاریل کی رائے کا مطالعہ کیجئے۔ اور فراتڈ کی انا کی کتاب "بغیر خاندان کے بچے" مطالعہ کیجئے۔ اس نے کہا ہے ماں کی شکل میں ایک آنا اور بہت سے بچوں کے وجود سے کیا کیا اعصابی اور نفسیاتی اختلال پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ طریقہ خلاف فطرت ہے۔ بچہ کو اپنے ابتدائی دو سالوں میں بلا شرکت ایک ماں کی ضرورت ہوتی ہے۔

چونکہ خاندان انسانیت کے لئے ناگزیر ہے۔ جسے ذرائع پیداوار کا ارتقاء اور معاشی تغیر ختم نہیں کر سکتے۔ (یہاں تک کہ انحراف کے ادوار میں بھی۔ جیسا کہ تسلیم یونان اور جدید مغرب میں ہو رہا ہے۔)

اس لئے اسے ایک غیر متغیر نظام کی بھی ضرورت ہے۔ جو مضبوط قواعد اور اصول پر استوار ہو۔ اسلام نے ایسا ہی مکمل اور غیر متغیر خاندانی نظام پیش کیا ہے۔ اس نظام میں اسلام نئے پیغام نکاح، طلاق، پرورش اور اتفاق کے احکام بتاتے۔ صلح و لڑائی اور زوجین میں سے کسی ایک کی زیادتی کے قوانین بیان کئے۔ اور شوہر و بیوی اور بچوں کے مادی اور معنوی آداب بتاتے۔ خاندان کے آداب متعین کئے اور خاندان کے لئے معاشرے پر واجب ہونے والے آداب بیان کئے۔ اسلام نے ان تمام امور کو غیر متغیر قرار دیا۔ کیونکہ ان امور کی بنیاد فطرت اور انسان کا غیر متغیر پہلو ہے۔ اور یہ امور مرد و زن کے وجود اور ان دونوں کے درمیان ملاپ کی متقاضی کشش پر قائم ہیں۔

ترقی پسند کہتے ہیں کہ خاندانی نظام متغیر ہے کیونکہ یہ علمی، معاشی، اجتماعی اور سیاسی ارتقاء سے متاثر ہوتا ہے۔

اب عورت کو معاشی استقلال حاصل ہو چکا ہے۔ وہ کام کرتے لگی ہے۔ جدید
سائنسی ایجادات نے اس کے لئے گھریلو معاملات آسان بنا دیئے۔ اور اب اسے ان
معاملات کے لئے نہ پہلے کی طرح سوچنا پڑتا ہے۔ اور نہ وقت خرچ کرنا پڑتا ہے اب
اس کے پاس اس قدر فارغ وقت، اور اس قدر زائد قوت بچتی ہے جس کو وہ کسی نہ
کسی طرح معاشرتی سرگرمیوں میں خرچ کرنے پر مجبور ہے۔

اور عورت کے معاشی استقلال کی بناء پر مرد کو وہ بالادستی حاصل نہیں رہی
جو اسے اسلام نے دی تھی کیونکہ اسلام تو ایک بدویانہ معاشرہ میں آیا تھا! —
ان تمام دعوؤں پر میں اپنی گذشتہ کتابوں میں تنقید کر چکا ہوں۔ مگر اس موقع
پر بھی چند امور پیش کرنا ضروری ہیں!

وہ معاشی استقلال جس پر آج مغرب کی عورت فرحان و شاداں ہے۔ اور
جس کے حصول کے لئے اس نے مذہب، اخلاق اور روایات کی قربانی دی ہے۔
یہ معاشی استقلال اسلام میں ایک مسلمہ امر ہے جس کے لئے کسی جدوجہد کی ضرورت
نہیں اور نہ ہی اسلام میں اس کا نتیجہ خاندانی نظام کی ابتری کی صورت میں رونما
ہوتا ہے۔

جس عمل کے لئے مغربی عورت، معاشی طور پر مجبور ہوتی اور اس کے حصول
کے لئے اپنے اخلاق تک کی بازی لگادی — یہ حق اسلام نے عورت
کو خود ہی عطا کیا۔ اور وہ اس پر مجبور نہیں ہوتی کہ وہ بد اخلاقی اور سوتیانہ پن اختیار
کرے۔ یا مرد کی ساقیت کو برداشت کرے۔

مگر اسلام میں ان حقوق کی بنیاد عورت کا معاشی استقلال یا عورت کا حق
عمل نہیں ہے۔ بلکہ اسلام میں اس کی بنیاد غیر فطرت انسانی ہے۔
اگرچہ اسلام نے عورت کو معاشی استقلال اور حق عمل دیا ہے۔ اور اسے

معاشرتی ضروریات پوری کرنے کی اجازت دی ہے۔ مگر خاندان کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ عورت عورت ہے۔ مرد نہیں ہے۔

عورت کو وہ ہی امور انجام دینے چاہئیں۔ جو اس کی فطرت کے مناسب ہوں جن کے لئے وہ اعصابی اور نفسیاتی طور پر تیار ہو۔ جو اس کے لئے مخصوص ہوں۔ جن میں طاقت زندگانی اور قوت عمل آزاد رہ سکیں۔

پھر اسلام میں خاندانی نظام اس کی اور اس کی اولاد کی نگہداشت کرتا ہے۔ اس کو وہ پیار بھری نضاء عطا کرتا ہے۔ جو عورت کو استقلال بخشی اور خاندانی روابط کی حفاظت کرتی ہے۔

اس کے بعد اسلام مرد کو عورت کا کفیل بناتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ عورت سے معاشی استقلال یا حق عمل چھین لے۔ کیونکہ انفرادی اور اجتماعی ضرورتوں میں اسے حق کی ضمانت دی گئی ہے۔ مگر مرد کو عورت کا کفیل اس لئے بنایا ہے تاکہ وہ شادی شدہ اور ایک مرد کی بیوی ہونے کے باوجود اپنے نفس کی کفالت کی جدوجہد میں اپنے قلب اور اعصاب کو پراگندہ نہ کرے بلکہ اسی تمام قوتوں کو بے تسلسل کے اہم تر فرض کی انجام دہی کے لئے مجتمع رکھے اور مرد اپنی بھرپور قوتوں کے ساتھ مادی پیداوار اور ضروریات زندگی کے حصول میں لگا رہے۔

جدید مغرب نے اپنے حالات اور اپنے انحراف کی بنا پر فطرت کی آواز پر کان دھرنے اور فطرتی تنظیم کو اپنانے سے گریز کیا۔

اگرچہ مغرب کے خیال میں خاندانی تعلقات، عورت کی حالت اور عورت کا اپنا ذاتی وجود ارتقاء پذیر ہیں۔ تاکہ عورت دور تار کی سے مختلف ایک جدید نئی یا نئے مخلوق بن جاتے۔ ایسی مخلوق جو ہر طرح مرد کے مساوی ہو! مگر۔

اس کا نتیجہ معلوم کرنے کے لئے بیسویں صدی اور سائنس کی گواہی نظر رکھنی چاہئے

الکسیس کاریل اپنی کتاب "انسان نامعلوم" میں لکھتا ہے۔

"مرد اور عورت کے درمیان اختلافات صرف صنفی اعضاء کے فرق، رحم اور حمل کے وجود اور قبلیہ سے نہیں پیدا ہوتے۔ بلکہ اصل فرق طبعی اہمیت کا حامل ہے۔ عورت کی نیچوں کی بناوٹ، اور عورت کی بیضہ دانی سے نکلنے والے کیمیائی مادے اس کے جسم کی تلیق مرد سے مختلف ہے۔

جو لوگ عورت کی مدافعت کرتے ہوتے کہتے ہیں کہ دونوں صنفوں کو ایک ہی قبیلہ ملنی چاہیئے اور دونوں کی یکساں ذمہ داریاں اور یکساں حقوق ہوں۔ یہ لوگ دراصل عورت کے جوہری حقائق سے ناواقف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت مرد سے بہت مختلف ہے۔ عورت کا ہر خلیہ اس کے صنفی اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ یہی حال اس کے اعضاء اور عصبی نظام کا ہے کیونکہ عضویاتی قوانین میں کوئی لچک نہیں ہے۔ جیسے نظام شمسی میں انسان کی اپنی خواہشات کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ ہم اسے جوں کا توں قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ فی الحقیقت عورتوں کو مردوں کی نقالی کے بجائے اپنی طبیعت کے ماتحت اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا چاہیئے — تہذیب میں عورتوں کا کردار مردوں سے کہیں بلند ہے۔ اس لئے انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی محدود ذمہ داریوں کے لئے اپنے آپ کو علیحدہ کر لیں۔" (ص ۱۱۴)

• عورتوں کو بھرپور نشوونما ایک دو حمل کے بعد ملتا ہے۔ وہ عورتیں جن کے قطعاً اولاد نہ ہو۔ وہ متوازن نہیں ہوتیں۔ بلکہ ایسی عورتوں کا مزاج زیادہ اعصابی ہو جاتا ہے۔"

جینن ریپٹ کا بچہ کی نیچیں ماں کی نیچوں میں گڈٹ ہوتی ہیں۔ اور اسی میں باپ کی نیچیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ جینن ماں کے اوپر اثر انداز ہوتا ہے

ماں کی وضع اور حمل کی ذمہ داری ابھی تک پوری طرح محسوس نہیں کی گئی۔ حالانکہ یہ عمل عورت کے نشوونما کو مکمل کرتا ہے۔

یہ انتہائی غلط رجحان ہے کہ عورت ماں بننے کو برا خیال کرنے لگے۔ اس لئے عورتوں کو مادی اور عقلی تربیت دی جانی چاہیے۔ اور نہ ان کے دلوں میں وہ خواہشات پیدا کرنی چاہئیں جو نوجوان لڑکے دلوں میں پیدا کر دیتے ہیں۔ بلکہ تربیت کرنے والوں کو مرد اور عورت کے عقلی اور عضویاتی خصائص اور ان کے طبعی اعمال پر بہت زیادہ توجہ دینی چاہیے۔

کیونکہ دونوں صنفوں کے طبعی اعمال میں اس قدر فرق ہے کہ اس کو ایک متمدن دنیا میں نظر انداز کیا جاسکتا۔ (ص ۱۱۶-۱۱۷)

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم میں بچوں اور ان کی عقلی اور عضویاتی صفات کے بارے میں کوئی درس شامل نہیں ہوتا۔ حالانکہ لڑکیوں کو ان کے طبعی وظائف کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت کے امور بھی سکھانے چاہئیں۔

(ص ۳۶۸)

مندرجہ بالا بیان ایک ڈاکٹر اور سائنس دان کا ہے جو مذہبی ہونے کی بناء پر اس مضمون کے رجعت پسندانہ خیالات نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے یہ خیالات سائنسی حقائق پر مبنی ہیں!

ذیل میں ایک آسٹریا کی خاتون ڈاکٹر کا بیان ہے۔ جن سے ڈاکٹر ہینرلہی نے آسٹریا میں ملاقات کی۔ اور اپنی گفتگو "تیسری صنف کا ظہور کے عنوان سے" الاہرام اخبار میں شائع کی۔

عربی کتابوں کی لائبریری میں ایک ہفتہ پر مشقت مطالعہ کے بعد میں نے سراپا کہ دیا نام میں اپنی دوست ڈاکٹر سے ملاقات کر لی جاتے۔ اس ملاقات کے لئے

اتوار کا دن مجھے زیادہ مناسب معلوم ہوا۔

جب میں اپنی دوست کے گھر کے دروازے پر پہنچی۔ تو اس نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ مگر یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کہ اس کے ہاتھ میں آلوستھا اڈروہ اسے پھیل رہی تھی۔ وہ مجھے باورچی خانے میں لے گئی اور ہم وہیں بیٹھ گئے۔ چونکہ میری حیرت ابھی تک دور نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے وہ خود ہی مخاطب ہوئی۔ شاید تمہیں یہ توقع نہیں تھی کہ تمہیں ایک خاتون ڈاکٹر اتوار کے دن باورچی خانہ میں ملے گا؟

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ خیر اتوار کے دن کام تو سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مگر اس قدر محنت کے بعد باورچی خانے میں آنے کی بھی فرصت اتوار ہی کو ملتی ہے۔ اصل میں باورچی خانہ میں کام کرنا اس بے چینی کا علاج ہے۔ جس سے میں اور میری طرح پبلک امور میں مصروف عورتیں دوچار ہیں۔

جب میں نے اس بے چینی کی وجہ پوچھی۔۔۔۔۔ حالانکہ مغربی عورت کو معاشرے میں استقلال حاصل ہے۔۔۔۔۔ تو کہنے لگی اس بے چینی کا مشرق کی نئی نسل کی عورتوں کی ذمہ داریوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس نئے ارتقاء کی صدا ہے بازگشت ہے۔ جس کی علماء اجتماعیات، عضویات اور حیاتیات عامل عورت کے بارے میں توقع کر رہے ہیں۔

جب ان علماء نے عورت میں ایک نہایت سست تغیر دیکھا۔ تو عامل عورتوں میں شرح پیدائش کی کمی کے باوجود اسفوں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ بلکہ یہ خیال کیا گیا کہ شرح پیدائش کی کمی اختیاری ہے۔ کیونکہ عامل عورت خود حمل و ولادت اور دودھ پلانے کے تجربوں سے بچنا چاہتی ہے۔ مگر اعداد و شمار کی تحقیق سے پتہ چلا کہ عامل عورتوں میں شرح پیدائش کی کمی اختیاری نہیں۔ بلکہ یہ ناقابل علاج

بائچہ پن ہے۔ بائچہ پن کے متعدد حالات کا جائزہ لینے کے بعد علم ہوا کہ یہ کسی ظاہری
عضوی عیب کی بناء پر نہیں ہے۔ جس سے سائنسدان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ عامل
عورت کے وجود پر ایک تغیر طاری ہے۔ کیونکہ وہ مادی ذہنی اور اعصابی طور پر ماں بننے
کے مشاغل سے دور ہو گئی اور مرد کی مساوات کے شوق میں حوا کی دنیا سے نکل آتی۔

اس نظریہ کے لئے علماء حیاتیات نے مشہور طبیعی قانون کو سند بنالیا ہے۔ وہ یہ
کہ عمل عضو کو پیدا کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کے جو اعمال عورت میں
مونٹ ہونے کے خصائص کے طور پر پیدا کئے گئے تھے۔ وہ رفتہ رفتہ مضمرل ہوتے
جا رہے ہیں۔ کیونکہ عورت ماں کا عمل چھوڑ کر مردوں کی دنیا میں گھس گئی ہے۔

کچھ مزید تجربات کے بعد سائنس دانوں نے اعلان کیا کہ ایک تیسری جنس ظاہر
ہونے والی ہے جس میں مونٹ کے ہمیشہ کے خصائص مضمرل ہو جاتے تھے۔

اس پر کئی اعتراضات کئے گئے کہ بہت سی عامل عورتیں بچوں کی خواہش مند
ہوتی ہیں۔ — یا یہ کہ جدید معاشرہ عورت کے ماں بننے کے حق کو تسلیم کرتا ہے اور
قانوناً اسے اس بات کی رعایت ہے کہ وہ ماں بننے کے مشاغل اور اپنے عملی فرائض
ساتھ ساتھ انجام دے سکے۔ اور یہ کہ عورت کو اپنی دنیا سے نکلے ہوئے صرف چند
نسلیں گزری ہیں۔ جب کہ مونٹ ہونے کے خصائص ہزاروں برس سے چلے آ
رہے ہیں۔

ان اعتراضات کا یہ جواب دیا گیا کہ عامل عورت کی بچہ کی خواہش اس کی
ذمہ داریوں کے خوف میں الجھی ہوئی رہتی ہے۔ اور وہ ڈرتی ہے کہ بچوں کی
ذمہ داری کی بناء پر اطمینان سے کام نہ کر سکے گی۔ پھر عامل ماں کے بارے میں
معاشرے کا اعتراض بڑا محدود سا ہے۔ اکثر ملازم رکھنے والے ایسی عورتوں کو ترجیح
دیتے ہیں جن کے بچے نہ ہوں۔ اور عورت کا اپنی دنیا سے علیحدہ ہونے کا زمانہ اگرچہ

مختصر ہے مگر اس میں مرد سے مساوات اور مگنا بقت کا شدید جذبہ موجود ہے جس کی بنا پر تغیر جلدی ہوا ہے کیونکہ مساوات کی فکر عورت کے اعصاب پر سوار اور اس کے ضمیر میں جاگزیں ہو گئی !

اس مسئلہ کے ماہرین مسلسل عورت میں پیدا ہونے والے تغیرات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ اور نہایت غور سے عامل عورتوں میں بانجھ پن، دودھ کے خشک ہونے کی بناء پر بچوں کو دودھ نہ پلا سکنے اور وظیفہ مادری سے منحصر اعضا کی کمزوری کا مطالعہ کر رہے ہیں !

مندرجہ بالا اقتباس سائینس اور فطرت کی شہادت ہے۔ اس سے ایک بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ عورت کو عورت ہی ہونا چاہیئے۔ اسے اپنے مقدس اہم اولین طبعی فرض کے لئے اپنے آپ کو نارغ رکھنا چاہیئے۔ اور اس کے سوا اسے کوئی کام اختیار نہ کرنا چاہیئے۔ خواہ وہ اس میں دہاؤ ہی کیوں نہ حاصل کر لے۔ اور خواہ وہ اس میں مردوں کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔ مگر بہر حال یہ اس کا کام نہیں ہوگا۔ عورت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنا فطری وظیفہ انجام دے۔ اور انسانیت کی بھی بھلائی اسی میں ہے کہ دونوں صنفوں کے وظائف اور اعضاء میں اختلال رونما نہ ہو۔ جب کہ پہلے ہی انسانیت نفسی اور اعضاء اختلال سے دوچار ہے !

اسلام کی خاندانی تنظیم اسی ناقابل تغیر فطرت پر قائم ہے جو اخراجات سے نہیں بدلتی۔ اور یہ سائینس کی زبانی اخراجات کے نتائج ہیں۔

سب سے اہم یہ بات ہے کہ اسلام جو عورت کے فطری عمل کی تخصیص میں فطرت سے ہم آہنگ ہے۔ کسی طرح بھی عورت سے اس کی انسانیت سلب

کر کے اسے حقیر نہیں بناتا۔

ہم اس معاشرے کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جو صحیح معنی میں اسلام کو برپا
کے ہوتے ہو۔ اس معاشرے کوئی سرکار نہیں جو اسلام کو غلط معنی پہناتا ہو۔ اور اسلام
نے جو مرد کو حقوق دیتے ہیں۔ ان کو غلط استعمال کرتا ہو، اور اسلام کے مندرجہ ذیل فرامین
کی صحیح روح کو مد نظر نہ رکھتا ہو

وَعَاشِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی
(النساء - ۱۹) سے گزارا کیا کرو۔

تَبْغُضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ تم آپس میں ایک دوسرے کے
(ال عمران - ۱۹۵) حسد ہو۔

”تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے لئے بہتر ہے۔ میں بھی اپنے اہل
خانہ کے لئے بہتر ہوں“ (ترمذی)

اسلام بچوں کی پرورش کے لئے عورت کو خاندان سے وابستہ کر دیتا ہے اس
لئے نہیں کہ وہ انسانی زندگی اور معاشرہ کی تنظیم میں عورت کے وجود کو اصل خیال
کرتا ہے۔ بلکہ اسلام عورت کی اسلامی معاشرہ کی مقدمات کے طور پر حفاظت کرتا
ہے۔ کیونکہ خاندان اسلام کی نظریں — جیسا کہ فی الواقع بھی ہے —

بچہ کی تربیت گاہ ہے۔ جہاں بچہ اسلامی اخلاق عقائد اور قانون سیکھتا ہے اور
یہ اہم ترین اور عظیم ترین ذمہ داری جس پر آئندہ چل کر معاشرہ کی صورت بنتی ہے
اسلام نے عورت کو سونپ دی ہے۔ اور اس کے آرام کے جملہ انتظام کئے ہیں تاکہ
اس کے اعصاب دوسری ذمہ داریوں میں نہ الجھیں۔ جن کو مرد بخوبی انجام دے سکتا ہے
اس عظیم اور مقدس ذمہ داری کے دوران عورت کے اعصاب اپنی معاشی
کفالت میں بھی نہ الجھیں، اور نہ ہی وہ خواہ مخواہ مرد سے مقابلہ اور مسادات کی

جدوجہد میں لگی رہے۔ جس کے نتیجے میں اسے تیسری جنس بننا پڑے اور اس کے ذاتی خصائص تباہ ہو جائیں۔

رہ گیا وہ خلا رجسٹر کرنے کے لئے مغربی عورت کبھی ملازمت کرتی ہے کبھی اجتماعی دلچسپیوں میں حصہ لیتی ہے۔ اور کبھی فساد، لہو لعب اور محفلوں میں شرکت کرتی ہے جو سارا خلاز خود ساختہ ہے۔ جو اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک فاسد معاشی اور اجتماعی نظام کی فاسد نفسیاتی اور اخلاقی رہنمائی نکاح میں تاخیر کرتی ہے پھر بچوں کی پیدائش میں تاخیر اور ان کی کمی کا تقاضا کرتی ہے۔ جس سے فطرت کے منافی خلا پیدا ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ غلط خیال ہے کہ بچوں کی تربیت کوئی بھی کر سکتا ہے۔ اور اس طرح ماں کی جان بچ سکتی ہے۔ اس سے بھی فطرت کے منافی خلا پیدا ہوتا ہے۔!

پرورش گاہوں میں تربیت یافتہ نسل شاذ منحرف ناقص انسانیت کی حامل ہے۔ — تربیت گاہوں میں جو عورتیں ماں بنتی ہیں۔ وہ جذبہ مادری سے محروم ہوتی ہیں۔ پھر بچوں کو تربیت گاہوں میں بھیجنے کے لئے انتہائی احمقانہ اور مجنونانہ حرکت کی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ماں ملازمت کرتی ہے۔ تاکہ بچہ کی تربیت کرے لیٰ آیا کی تنخواہ دے سکے! اور نتیجہ یہ کہ بچہ حقیقی ماں سے محروم اور آیا جذبہ مادری سے محروم!!

یہ سب مغربی معاشرت کے غلط ہیں جو بیویں صدی میں تہذیب کے عروج میں پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام — اللہ کا قانون — چند پاگلوں کو خوش کرنے کے لئے یہ اختلال نہیں اپنا سکتا!

انسانی معاشرہ

اب ہم چوتھے مسئلہ کی جانب رجوع کرتے ہیں
اس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا۔ اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا
کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلیں۔“

یہ اس معاشرے کا مسئلہ ہے۔ جو مردوں اور عورتوں سے وجود میں آیا ہے اور
جو دراصل اس ایک نفس سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ جس کو اللہ نے تخلیق فرمایا تھا۔
ہم اس مسئلہ کے ایک حصہ کو معاشرے میں منفی تعلق کے ماتحت بیان کر چکے
ہیں۔ اور یہاں اس بحث کی تکمیل کر رہے ہیں۔

معاشرہ ہمیشہ افراد ہی سے وجود میں آتا ہے۔ یہ ایک ایسی ناقابل تغیر حقیقت
جو سائنسی اور تاریخی تغیرات سے نہیں بدلتی۔

معاشرہ کا لازمی تقاضا ہے کہ افراد میں — یعنی فرد اور معاشرے میں
غیر متغیر قسم کے روابط ہوں۔

اس موقع پر ہم ڈر کا تیم کی من گھڑت اجتماعی عقل کی کہانی پر تنقید کریں گے۔ یہ
عقل اجتماعی افراد کو ان کی طبیعت کے برخلاف اپنا تابع بناتے رکھتی ہے۔ اور ان
پر بغیر ان کی مرضی کے مسلط رہتی ہے اور افراد کو یہ قوت نہیں ہے کہ وہ اس کو رد کر
دیں یا اس میں کوئی تبدیلی کر سکیں۔

اس عجیب و غریب کہانی کا سارا مقصد یہ ہے کہ خاندان فطری نہیں ہے بلکہ
اگر اجتماعی عقل چاہے تو جیسی ا حیت کا وجود طبعی طور پر ممکن ہے (اور مذہب
غیر فطری ہے) یعنی اگر عقل اجتماعی چاہے تو مذہبی حلت پسندی کا وجود طبعی طور
پر ممکن ہے۔ (جرم بیاہر معاشرے کا منظر نہیں ہے۔ بلکہ جرم معاشرے کے لئے

ایک طبعی منظر ہے!!

ڈور کاٹیم اپنی کتاب قواعد اجتماعیات کے ص ۱۱۸ پر لکھتا ہے۔
 جرم ہی صرت وہ منظر ہے۔ جو تمام سلیم اغراض پر مشتمل ہے۔
 صفحہ ۱۱۹ پر لکھتا ہے۔

جرم معاشرے کی سلامتی کا ایک ضروری عامل ہے اور ہر سالم معاشرے کا ایک
 جزو ہے۔

اس ساری کہانی کی بنیاد یہ ہے کہ ایک فرد معاشرے میں رہتے ہوئے کچھ ایسے
 اعمال کرتا ہے۔ جن سے وہ ناخوش ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات ان کو بُرا بھی خیال
 کرتا ہے!

بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے مگر یہ حقیقت کس امر کی جانب اشارہ
 کرتی ہے۔

یہ بڑے بڑے علماء اس فطری حقیقت سے غافل ہیں کہ انسان دو گنا طبیعت
 کا مالک ہے۔ یہ علماء ہمیشہ انسان کے ایک پہلو کو لے کر اس کے دوسرے پہلو
 کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور اس کے لئے متعدد ابواب تلاش کر کے انسان کی غیر
 انسانی تعبیر کرتے ہیں۔ اور کبھی ماہ کا سہارا لیتے ہیں، اور کبھی معاشرے کا۔!

نفسِ انسانی میں پائی جانے والی دو متضاد صفات الفردیت اور اجتماعیت
سلبیت اور ایجابیت۔ انسان میں فطری طور پر موجود ہیں۔ اور خارج سے انسان
 پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور ہر ایک صفت کے دونوں پہلو بیک وقت اثر ڈالتے
 ہیں!

جب انسان معاشرے میں کوئی ایسا کام کرتا ہے۔ جسے وہ انفرادی طور پر
 ناپسند کرتا ہے۔ یا اپنی خلوت میں اسے بُرا سمجھتا ہے۔ تو اس کی وجہ اجتماعی جبر

نہیں ہے بلکہ اس کی اکثر وجہ حالات میں وجدانی مشارکت ہے۔ یعنی دوسروں کے ساتھ
شریک ہونے کی فطری رغبت، یہ رغبت بھی کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔ ہر وقت نہیں
ہوتی!

ڈرکایم کا دعویٰ اس طرح بھی غلط ہے کہ اجتماعی جبر اگرچہ اکثر حالات میں حقیقت
ہے۔ مگر پوری قوت اور دباؤ کے باوجود بھی فرد کی فطرت بدلنے پر قادر نہیں
ہے۔ اگرچہ کچھ وقت کے لئے فطرت کو دبا دے! — چنانچہ

اشتراکیت ہر قسم کے دباؤ کے باوجود انفرادی ملکیت کا جذبہ ختم نہیں کر سکی اور
انفرادی ملکیت قائم کرنے پر مجبور ہو گئی۔

جس طرح بغاوت جبر کو زیادہ دیر برداشت نہ کرنے کا ایک اظہار ہے اگرچہ
بغاوت ایک اجتماعی مظہر ہے مگر اس میں بھی افراد ہی جمع ہوتے ہیں۔ بلکہ بغاوت
ایک انقلابی فرد سے شروع ہوتی ہے۔ پھر اس کے گرد بہت سے افراد اپنی فطرت
کے مطابق اپنی خوشی سے جمع ہو جاتے ہیں۔

اجتماعیت جو کبھی کبھی فرد کے خلاف سرکش ہو جاتی اور سلطیت جو اس جبر پر
فائز ہو جاتی ہے۔ دونوں ہی فطری میلانات ہیں۔ اس لئے صحت مند اور غیر
صحت مند تمام اجتماعی مظاہر غیر فطری ہیں۔ اور فطرت انحراف اور اعتدال دونوں کے
دو چار ہو سکتی ہے۔ اور فطرت ہی سے انحراف اور اعتدال بدلتا ہوتا ہے۔



معاشرہ غیر متغیر فطرت کا جز ہے۔ اور فرد اور معاشرے کے روابط بھی
غیر متغیر ہیں۔ مختلف زبانوں میں ان روابط کا دو مختلف انتہاؤں (یعنی انتہائی
انفرادیت یا انتہائی اجتماعیت) پر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا کوئی فطری مقياس
نہیں ہے۔ یا یہ مقياس تغیر پذیر ہے۔ — اس کا مطلب یہ ہے کہ فرد اور معاشرہ

کا باہمی رشتہ۔ فطرت انسانی سے ابھرنے والی ہر شے کی طرح انحراف اور اعتدال دونوں کو قبول کر سکتا ہے۔

اور وہ قانون جو فرد اور معاشرے کے تعلق کو منضبط کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ فرد اور معاشرہ دونوں ہی نفس واحد سے پیدا کئے گئے ہیں۔ فرد اور معاشرہ میں سے کوئی ایک تو زیادہ مقدس ہے اور نہ اسے زیادہ حرمت حاصل ہے بلکہ دونوں کا درجہ مساوی ہے۔

۱۱۔ اسی بنیاد پر سب کے حقوق اور سب کے حرمتوں کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔
۱۔ اسلام کا نظریہ جرم و سزا اسی فکر پر مبنی ہے اور اسی لئے اسلام میں سزائیں غیر متغیر ہیں۔

سزا کا اصل اور طبعی منشا یہ ہے کہ بہت سے مرد اور عورت جو ایک ہی نفس سے پیدا ہوئے ہیں۔ مل کر معاشرہ بنا لیتے ہیں۔ اس لئے ان کے انسانی حقوق اور ان کی حرمت یکساں ہے۔

۱۔ خون، عزت، اور مال کی حرمتیں مساوی اور غیر متغیر ہیں۔ اور ان حرمتوں کو پامال کرنے اور ان پر زیادتی کرنے کی سزائیں بھی ناقابل تبدیل ہیں۔

اسی لئے اسلام نے قتل، زنا اور چوری۔ اور زمین میں فساد و جوارحہ جرمات پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔ اور لوگوں کے امن اور عقیدے میں بد امنی اور فتنہ پیدا کرتا ہے۔ — پر سزائیں متعین کر دی ہیں۔

مرتد کی سزا اللہ کے عقیدے سے مربوط ہے۔ اور اللہ کا عقیدہ انسانی زندگی میں ایک غیر متغیر عنصر ہے۔

نظریہ جسم و سزا کے بارے میں بہت سے لوگوں نے بحثیں کی ہیں۔ اور اپنے علم و معرفت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کے مد نظر نفسیات، خاص طور

پر تحلیل نفسیات، اجتماعیات اور وہ علوم رہے جو اس موضوع سے بحث کرتے ہیں ان لوگوں نے طویل بحثیں کر کے اپنے علم کا مظاہرہ کیا ہے اور اسلام کے نظریہ جرم و سزا کے بارے میں بہت سی جہالت آمیز باتیں کہی ہیں۔ کہ یہ سسٹمز ظلم و رجحیت اور تاخیر ہیں!۔ ان میں فرد کی انسانیت کا احترام ملحوظ نہیں ہے اور نظریہ علاجی نہیں۔ بلکہ انتقامی ہے۔

میں نے اپنی کتاب "ادیت اور اسلام" میں ایک مکمل باب "جرم و سزا کے عنوان" سے تحریر کیا ہے۔ اور سیرت رسول کی جھلکیاں "میں" شہ سے حدود و ماقط ہو جاتی ہیں کا عنوان قائم کیا ہے۔ یہاں اس نظریہ کو چند سطروں میں بیان کئے دیتا ہوں۔ تمام تغیر، ترقی، اور تہذیب نے مل کر بھی اسلامی نظریہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ ساری ترقیات اسلامی انصاف اور نظام تربیت کے قریب بھی نہیں پہنچ سکی ہیں۔

اسلام پہلے سزا نہیں دیتا۔ بلکہ پہلے معاشرہ کو جرائم کے ابواب سے محفوظ کرتا ہے اور جب معاشرہ اچھی طرح محفوظ ہو جاتے۔ اور جرم کا کوئی محرک باقی نہ رہے۔ پھر سزائیں دیتا ہے!

اس کے باوجود بھی جب تک مجرم ہر طرح سزا کا مستحق نہ ٹھہرے اسے سزا سے بچایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسلام کہتا ہے کہ شبہ کی موجودگی میں سزا نہ دی جاتے یعنی شبہ کا نائدہ مجرم کو حاصل ہوا اور اسلام کہتا ہے کہ اگر امام معاف کرنے میں غلطی پر ہو۔ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کر جائے! (مصابیح السنۃ) اس سے بڑھ کر اور کیا انصاف ہوگا۔

ارتقار، ترقی اور تہذیب نے انصاف کی ان بلند قدروں میں کون سا اضافہ کیا ہے۔؟ اور کیا یہ اضافہ ممکن بھی ہے؟

اسلامی
سزا دینے

ابن حاطب بن ابی بلتعہ کے ملازموں نے مزینہ کے ایک شخص کی ادنیٰ چیز
لی۔ یہ سب حضرت عمر کے پاس لاتے گئے۔ اور آپ کے پاس آکر چوری کا اقرار کر لیا۔ حضرت
عمرؓ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا۔ کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ پھر کثیر کو واپس
بلا کر فرمایا۔ اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ تم ان سے کام تو لیتے ہو مگر ان کو بھوکا رکھتے ہو
تو میں ضرور ان کے ہاتھ کاٹ دیتا۔ پھر آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے کہا چونکہ
میں نے مجرموں کو سزا نہیں دی۔ اس لئے تاوان کا بوجھ تمہیں اٹھانا ہوگا۔ پھر آپ
نے نرمی سے اسکی ادنیٰ کی قیمت معلوم کی۔ اس نے کہا چار سو! حضرت عمرؓ نے ابن
حاطب کو حکم دیا کہ اسے چار سو درہم ادا کر دو!

یہ ہے اسلام! حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ معاشرہ نے چوری پر مجبور کیا ہے تو
آپ نے سزا نہیں دی۔ بلکہ سرمایہ دار کی شکل میں ظالم معاشرے کو سزا دی!
اور یہ واقعہ نفسیاتی، اجتماعی اور معاشی بحثوں سے ایک ہزار سال پہلے کا ہے
اسلام کی تمام سزاؤں میں یہی نظریہ کارفرما ہے کہ پہلے معاشرے کو قانون اور
ہدایت کے ذریعہ جرم کے اسباب سے بچایا جاتے۔ پھر ہر ایک انفرادی صورت
میں دیکھا جاتے کہ جرم کے اسباب موجود ہیں یا نہیں، اور شبہ کی صورت میں جرم
کو ساقط کر دیا جانے۔

یہ تمام سزائیں غیر متغیر ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد غیر متغیر عوامل ہیں۔ مگر ان میں
اس قدر لچک ہے کہ وہ تمام حالات پر منطبق ہو سکتی ہیں۔ اور ان کو تمام صورتوں
میں انصاف کے ناقابل تغیر مقياس سے پرکھا جاسکتا ہے۔

ہم دوسرے مسئلہ یعنی انسانیت کی وحدت اور اخوت میں فرو اور معاشرہ
کے بارے میں کچھ بحث کر چکے ہیں۔ اور اسے یہاں ذکر کرتے دیتے ہیں۔
ایک ہی نفس سے پیدا ہونے والے معاشرے کے روابط جنگ و جدل کے

روابط نہیں ہیں۔

وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا
ہم نے تمہیں شوب اور قبائل
اس لئے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے
کو پہچان سکو۔ (الحجرات ۱۳)

اصل مقصد تعارف اور وہ امن و سلامتی ہے۔ جو تمام لوگوں کو محیط ہذاؤ
تعارف کے لئے تمام وسائل اختیار کئے جائیں۔

تمام لوگوں کی حرمتوں کی حفاظت کی جاتے۔ نہ کہ ایک گروہ اور ایک فرد کی

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ
بَنِي إِسْرَٰئِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ
نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ
فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ
النَّاسَ جَمِيعًا
اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل
پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص
کو بلا مواضع دوسرے شخص کے
یا بدون کسی فساد کے جو زمین میں
اس سے پھیلا ہو۔ قتل کر ڈالے
تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل
کر دیا۔ اور جو شخص کسی شخص کو بچا
لیوے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا۔ (المائدہ - ۳۲)

فیصلوں میں تحقیق اور انصاف کی ضمانت ہر شخص کو حاصل ہے۔ خواہ وہ
کسی بھی رنگ و نسل اور دین و مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ ان کا مسلمانوں سے ربط
کسی بھی نوعیت کا کیوں نہ ہو بیڑی سے انصاف کے بائے میں آیات گزر چکی ہیں جنہیں یہ عام ہدایت بھی ہے

وَلَا يَجْرِمَنَّكَ شَنَاٰنُ
قَوْمٍ بِغِلِّهِمْ أَن تَلْعَدُوا
إِضْهِ لَوْ أَنَّهُمْ قَاتَلُوا
اور کسی خاص لوگوں کی عداوت
تم کو اس پر باعث نہ ہو جاوے
کہ تم مدد نہ کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے

یہ اسلامی قوانین اور انسانی زندگی کی تنظیمات سے متعلق غیر متغیر امور ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد انسان کے ناقابل تغیر پہلو ہیں۔ جن میں سائنسی، معاشی، اجتماعی، سیاسی اور نفسیاتی کوئی تبدیل نہیں لا سکتیں۔ انسان کے یہ پہلو ہر تغیر سے بالاتر ہیں۔

ہمیں اس بات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ یہ غیر متغیر صورت انسان کی راقعباتی زندگی میں پوری طرح جلوہ گر نہیں ہوتی۔ اصل میں اس کی تعبیر فطرت کے ارتقاء کے بجائے فطرت کے انحراف میں پنہاں ہے۔

ارتقاء اور انحراف میں فرق ان دونوں کے نتائج سے رونما ہوتا ہے۔ فطرت سے ہم آہنگ ارتقاء کے نتیجہ میں صالح اور مفید نتائج رونما ہوتے ہیں۔ جب کہ فطرت کے مخالف انحراف نفسیاتی اجتماعی اعصابی اور عقلی امراض پیدا کرتا ہے اور تباہی کی جانب لے جاتا ہے۔

بیسویں صدی کی شہادت سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ فطرت کے غیر متغیر امور میں انحرافات کے کیا نتائج رونما ہوتے ہیں۔ خاص طور پر جنس اور اخلاق میں !

یہاں تک ہم نے انسان کے ناقابل تغیر پہلو اور ان کے بارے میں اسلامی قوانین پر بحث کی ہے۔

اب ہم انسان کے ترقی پذیر پہلوؤں اور ان کے بارے میں اسلام کا طریقہ کار

زیر بحث لاتے ہیں۔

انسانی عقل اور مادی کائنات کے مسلسل ٹکراؤ سے انسانی زندگی میں بڑا وسیع تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اور اس سے نئی نئی تنظیمات اور جدید ترین حالتیں ابھرتی رہتی ہیں گزشتہ پیروں میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ وسیع تر تغیر انسانی وجود اور انسانی زندگی کے چند متعین پہلوؤں پر مشتمل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تغیر فطرت کی گہری بنیادوں پر استوار ہے۔

یہ تغیر صرف چند پہلوؤں کو ہلاکت خیز انحراف ہی کے وقت مشتمل ہوتا ہے۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ تغیر انسان کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے۔

یہ تغیر مادی، سائنسی اور ذرائع پیداوار کے ارتقاء کو بھی شامل ہے

یہ تغیر معاشرے کی صورت پر بھی مشتمل ہے کہ یہ معاشرہ گلہ بان معاشرہ ہے

یا زرعی، یا صنعتی یا ایٹمی۔

اس تغیر کی زد میں معاشرے کی معاشیات، مالکین اور غیر مالکین میں ربط اور

تعلق کی بنیاد۔

جس طرح اس تغیر میں معاشرے کی سیاسی صورت اور حکومت کی نوعیت

بھی آجاتی ہے۔

یہ امور باہم ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ اگرچہ یہ امور ایک دوسرے کے

سبب نہیں بنتے بلکہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ مگر یہ

سب متغیر ہیں۔ اور تغیر ہی ان کی مشترکہ خصوصیت ہے۔

علم و سائنس دریافت اور ایجاد کرتی رہتی ہیں۔ علم اپنی ابتداء سے لے کر

اس وقت تک برابر ترقی کر رہا ہے۔ اور معرفت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ علم صرف

دور انحراف میں ترقی نہیں پاسکا۔ اور آگے بڑھنے سے رک گیا۔

سائنس کی دریافت اور ایجادات سے آلات اور ہتھیاروں اور اداروں میں
یعنی ذرائع پیداوار میں ارتقاء ہوتا رہا۔ یہ سب امور فطری ہیں۔ جیسا کہ جولیاں کپلے
کا قول گزر چکا ہے مگر اس فطرت کے نتیجہ میں جو صورت پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ
متغیر رہتی ہے۔

جب ذرائع پیداوار ترقی کر جاتے ہیں۔ تو اس سے جدید معاشی نظام معاشرے
کی نئی صورت، اور حکومت کی نئی وضع ابھرتی ہے۔ اور یہ سب انسانی وجود کے فطری
طریقہ نامہ کے تابع ہوتے ہیں۔

مگر جدید معاشی نظاموں کی تشکیل سراسر ذرائع پیداوار کے تغیر پر موقوف نہیں
ہے۔ جیسا کہ تاریخ کی مادی تعبیر کہتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام کا منفرد
معاشی نظام کس طرح ماضی سے بے تعلق ہے۔ اور کس معاشی ضرورت یا ذرائع پیداوار
کے تغیر پر قائم نہیں ہے۔ اسی طرح اسلام نے معاشرے کی جدید صورت اور حکومت
کی نئی شکل متعین کی!

عادتاً یہ ہوتا ہے کہ کئی ارتقاء ساتھ ساتھ ہوتے ہیں اور ان سے انسان
زندگی میں دائمی تغیر پیدا ہوتے ہیں۔ اسی پر ہم اگلے پرے میں بحث کریں گے
تاکہ ان تغیرات کے بارے میں ہمیں اسلام کا موقف معلوم ہو سکے۔

* * *

جس طرح اسلام نے انسان کے غیر متغیر پہلو کے لئے اس کے مناسب اور
ہم آہنگ قوانین بنائے ہیں۔ جو ہر لحظہ منطبق ہوتے ہیں اور نوائے اس صورت کے
جب کہ انحراف کی بناء صورت مطلوبہ صورت واقعہ سے مختلف ہو جائے۔ اور۔
صورت حال کو پھر اپنی صحیح وضع پر لانا ضروری ہو جائے، اسی طرح اسلام انسان
کے غیر متغیر پہلو کے لئے بھی اس کے مطابق قوانین وضع کرتا ہے۔ جو ہر لحظہ پوری

طرح منطبق ہوتے ہیں۔ سوائے انحراف کی حالت کے!

علمی، مادی، معاشی، اجتماعی اور سیاسی نافرطی عمل ہے اور اس میں دائمی تغیر بھی فطری ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر پیدا ہونے والا تغیر طبعی اور فطرت کے مناسب ہو! کیونکہ فطرت کی رہنمائی اگر غلط کی جائے یا بغیر رہنمائی کے چھوڑ دیا جائے تو وہ منحرف ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی فطرت نہا تو پاتی ہے مگر یہ نہا منحرف ہوتا ہے۔ جیسے بچہ کی ٹیڑھی ٹانگ بڑھتی ہے؟

دوستے ہیں۔ ایک نما اور دوسرے نہا کا فطرت کے مطابق مستقیم ہونا۔ اور اسی کو اسلام مد نظر رکھتا ہے!

ہم نئے انسانی وجود میں یکسانی و ارتقاء کے باب میں ایک اہم حقیقت بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ انسان کے تغیر پذیر پہلو میں صرف صورت کا تغیر ہے اور جوہری تغیر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ارتقاء ہر قید سے آزاد اور حالات کا بالکل تابع نہیں ہوتا۔ وہ فطرت سے مربوط ہوتا ہے۔ تاکہ مستقیم فطرت سے ہم آہنگ کوئی صالح اور راشد مقصد ہو سکے۔ اسی فطری ربط کی بناء پر وہ نہا کے فطری عمل میں خلل اور انحراف سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

معرفت کی فطری رغبت علمی ترقی کا باعث بنتی ہے اور عقل انسانی اسی قدر دریافت ایجاد کر سکتی ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے اسے معرفت دی ہے مگر غیر جانبدار علمی حقائق کی علمی تطبیق نیوٹرل نہیں ہے بلکہ علمی تطبیق خیر کی طرف بھی متوجہ ہو سکتی اور شر کی طرف بھی۔ اور مستقیم فطرت علم کو صرف خیر کے راستہ پر لگاتی ہے۔ شر کے راستہ میں نہیں لگاتی۔ کیونکہ شر فطرت کو استعمال نہیں کیا کرتا۔

اجتماعی، معاشی اور سیاسی نافرطی ہے مگر اس کے دورخ ہیں۔ ایک خیر اور دوسرے

۱) شر مستقیم فطرت خیر کے راستہ میں آگے بڑھتی ہے۔ اور شر کے راستہ میں منحرف ہونے سے انکار کرتی ہے۔

اسی طرح نفسی نسا کی صورت ہے۔

غرض غلو کی تمام حرکات فطری ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان پر فطرت سلیمہ نگران ہے اور ضروری ہے کہ کوئی ایسا نظام ہو جو نسا کے عمل کو شامل ہو اور اسے اخلاف سے رزک سکے! اور یہی کچھ اسلام کرتا ہے۔

* * *

۲) اسلام زمین پر اللہ کا آخری قانون ہے۔

آج کے دن میں نے تمہارا دین

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ

مکمل کر دیا ہے اور اپنی تمام

وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

نعیمیں تم پر تمام کر دیں اور تمہارا

وَسَهَّيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ

لئے اسلام کو دین پسند کر لیا۔

دینا۔

(المائدہ - ۳)

اسلام صرف جزیرہ نمائے عرب کے معاشرے کے لئے نہیں تھا۔ نہ صرف رسول
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک محدود تھا۔ اور نہ کسی خاص ماحول اور خاص
نسل کے لئے تھا۔ بلکہ اسلام ساری انسانیت اور تمام زمانوں کے لئے ہے۔

وَمَا آتَيْنَاكَ إِلَّا

سرخمہ للعالمین

عالمین کا لفظ زمان و مکاں کی تمام وسعتوں کو محیط ہے۔

اس لئے اسلام نے تغیر پذیر امور کے لئے تفصیلی احکام بیان نہیں فرمائے بلکہ غیر
متغیر اور فطری امور کے لئے غیر متغیر تفصیلی قوانین مقرر کئے ہیں جو کبھی نہیں بدل سکتے

اور جن کی تبدیلی انسانیت کے لئے بتاہ کن انحراف ہے۔

دبیری صدی کی گواہی ملاحظہ فرمائیے)

اگرچہ شریعت کے عام اصول متغیر امور کو محیط اور شامل ہیں۔ مگر ان کے تفصیلی احکام

نہیں بیان کئے۔ کیونکہ ایسے احکام معاشرے کے ہر ارتقاء پر ختم ہو جاتے !

اگر اسلام مکہ بان قبائلی معاشرہ کے لئے غیر متغیر تفصیلی معاشی قوانین بیان کر دیتا

تو وہ زرعی اور صنعتی معاشرے میں ٹوٹ جاتے اور ناقابلِ عمل ہو جاتے۔ اور اس وقت بھی

معاشرے کے فطری ارتقاریں رکاوٹ بنتے۔

اگر حکومت کی شکل مدینہ کے ماحول کے مطابق۔ یا جزیرہ نمائے عرب کے ماحول

کے مطابق متعین کر دی جاتی تو یہی طرزِ حکومت ایک نسل کے بعد خود جزیرہ نمائے

عرب کے لئے ناقابلِ عمل ہو جاتا۔ جب کہ فترحات ہو چکی تھیں۔ ملک وسیع ہو گیا تھا

اور مختلف تہذیبیں اور نظام سامنے آ رہے تھے۔ اور اسلام ان تمام اضطرابات

میں پھنس کر رہ جاتا۔

اس معاملہ میں بھی اسلام کا موقف وہی ہے جو تمام امور میں ہے یعنی فطرت

سے مکمل مطابقت !

اسلام ہر نظری اور صحیح نما کے لئے گنجائش اور ایسی بنیادیں متعین کرتا ہے

جس سے نما و کار خ متعین ہو اور انحراف سے بچاؤ ہو سکے۔

کلی قواعد اور غیر متغیر اصولوں پر قائم ہونے والی ہر وہ شکل جس میں اسلامی

نظام کے ایسے خصائص ہوں جو اسے تمام انسانی اور غیر اسلامی نظاموں سے ممتاز

کریں۔۔۔ ایسی ہر شکل کو اسلام جائز قرار دیتا ہے۔

اب ہم ذرا تفصیل سے یہ بتائیں گے کہ علمی، معاشی، اجتماعی، سیاسی اور

تہذیبی نشوونما میں اسلام کا موقف کیا ہے ؟

وہ کیا علمی نامہ کا مستند — تو قرآن کریم میں علمی، طبعی، کیمیائی، فلک ایٹم اور
راکٹوں سے متعلق نظریات نہیں ہیں۔ اور نہ ان نظریات کا بیان کرنا قرآن کی شان
ہے۔ — جیسا کہ آج کل کچھ خوش عقیدہ لوگ خیال کرتے ہیں۔

قرآن کی شان تو یہ ہے کہ علمی نامہ کو مفید اور مناسب فطرتِ ربخ دیدے
اور یہی کچھ قرآن نے کیا ہے۔

قرآن قوتِ معرفت کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ
كُلَّهَا
اور ہم نے آدم کو تمام چیزوں
کے نام سکھلا دیئے۔

(البقرہ - ۳)

قرآن حصولِ علم کو واجب قرار دیتا ہے

إِنشَاءً بِأَسْمَاءِ رَبِّكَ الَّذِي
خَلَقَ يَخْلُقُ الْإِنْسَانَ مِنْ
عَلَقٍ. إِنشَاءً وَرَبُّكَ الْأَعْلَى
كَلَّمَكَ الْإِنشَاءُ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ
عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ
يَعْلَمُ

(اے نبی) پڑھنے اپنے رب کا
نام لے کر جس نے تمام مخلوقات
کو پیدا کیا۔ انسان کو خون کے لٹھڑے
سے پیدا کیا۔ پڑھنے اور آپ کا
رب بڑا کریم ہے۔ جس نے انسان
کو قلم سے سکھلایا۔ انسان کو وہ
باتیں سکھلائیں جو وہ نہیں جانتا

تھا۔

(العلق - ۱-۵)

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرض قرار دیا کہ کائنات میں بکھری ہوئی اللہ کی نشانیں
میں غور و فکر کیا جائے۔

وَسَخَّطَ لَكُم مَّا فِی السَّمَاوَاتِ
وَمَّا فِی الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ
یعنی چیزیں آسمانوں اور زمین
میں ہو۔ وہ سب اس نے
اپنے پاس سے تمہارے لئے
مسخر کر دیں

(المائدہ - ۱۳)

انسان کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعہ ان اشیاء کو مسخر کر کے کائنات کے ان قوانین
کی معرفت حاصل کرے۔ جن کے مطابق اللہ تعالیٰ کائنات کا نظام چلا رہا ہے
اور پھر اس معرفت کو زمین میں چل کر اور اللہ کا رزق تلاش کر کے تطبیق دے۔
مسلم عقل نے اسی رہنمائی کو مد نظر رکھ کر کائنات کو تابع بنایا۔

وہ عقل جو زمانہ جاہلیت میں سرے سے علم کی طرف متوجہ نہ تھی۔ بلکہ سارا
کارنامہ یہ تھا کہ صاف سحرے اور بہترین شعر نظم کرے۔ جن میں کچھ نظریاتی حکمتیں
بھی شامل ہوا کرتی تھیں۔ اس عقل نے عالم واقع میں تاریخ کی ایک بدست
علمی تحریک کو جنم دیا۔ اور تجربی اسکول کی بنیاد رکھی جس پر آج کی علمی فتوحات کی
ساری عمارت قائم ہے۔

بریلٹ اپنی کتاب "تعمیر انسانیت" (MAKING OF HUMANITY)

میں کہتا ہے۔

"جدید دنیا پر عربی تہذیب نے جو سب سے بڑا احسان کیا وہ علم ہے"

عہد اسلامی تہذیب ہی مراد ہے۔ جیسا کہ بعد میں خود اسلامی تہذیب کا لفظ استعمال

کیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام سے علیحدہ عرب کی کوئی تہذیب نہیں ہے۔ اور خود اسلامی تہذیب

بھی مرقع عربوں کی تہذیب نہیں ہے۔ وہ تمام عناصر جو اسلام میں داخل ہوئے۔ اسلامی

اگرچہ اس کے اثرات ذرا دیر سے سامنے آتے۔ اسپین میں عربی ثقافت نے جس عبقریت کو جنم دیا تھا۔ وہ اس تہذیب کے رد و پوش ہونے کے کافی عرصہ بعد جلوہ گر ہوئی۔ صرف علم ہی نے یورپ کو زندگی نہیں بخشی۔ بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے موثرات نے اپنی ابتدائی کرنیں مغربی زندگی پر ڈالی ہیں۔

یورپی ترقی کا کوئی پہلا ایسا نہیں ہے جس کا مرجع یقینی طور پر اسلامی ثقافت کے موثرات نہ ہوں۔ یہ موثرات نہایت وضاحت اور اہمیت کے ساتھ جدید دنیا کی قوت تشکیل کرتے ہیں۔ اور جدید دنیا کی ترقی کی قوت یعنی طبعی علوم، علمی بحث پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ہمارا علم عربوں کے علم کا صرف حیرت انگیز نظریاتی دریافتوں کا ہی مقروض نہیں ہے بلکہ ہمارا علم عربی ثقافت (اسلامی) کا اس سے زیادہ مقروض ہے۔ اس کا سارا وجود ہی اس کا مرہونِ منت ہے۔ کیونکہ قدیم دنیا میں علم کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ یونانیوں کا نجوم اور ریاضی بھی ان کا اپنا نہ تھا بلکہ انھوں نے بھی باہر ہی سے لیا تھا۔ یہ علم یونانیوں کے مزاج اور ان کی ثقافت سے پوری طرح ہم آہنگ نہ ہو سکا۔ یونانیوں نے مذاہب مزد متعین کئے۔ احکام کو عمومیت دی اور نظریات قائم کئے۔

مگر بحث کے بھاری بھر کم انداز، ایجابی معلومات کی جمع، علم کے تفصیلی مزاج مسلسل دقیق مطالعہ اور تجربی مذہب یہ سب باتیں یونانیوں کے مزاج سے بعید تھیں۔ جس کو ہم آج علم کہتے ہیں۔ وہ بحث کی نئی اسپرٹ، اور تجربہ، غور، پیمائش اور ریاضیت

تہذیب! نہیں کی تخلیق ہے۔ اور یہ تہذیب اسلام کی علامت رکھتی ہے۔ نہ کہ عرب کی علامت۔ عرب بھی اس تہذیب کے جملہ خالقین میں سے ایک ہے۔

کے ارتقار کے نتیجہ میں یورپ میں ظاہر ہوا ہے۔ اور اس اسپرٹ اور ان علمی
مناہج سے یورپ کو عربوں نے روشناس کرایا ہے۔“ لے
یہی مصنف کہتا ہے۔

”دو جرہین نے عربی زبان اور عربی علم اکسفرڈ میں انڈس کے عربوں سے حاصل
کیا تھا۔ دو جرہین اور اس کے بعد آنے والے فرانس میں کوئی حق نہیں پہنچا کہ
تجربی اسکول کی ایجاد کا سہرا ان کے سر باندھا جائے۔ دو جرہین نے صرف مسلمانوں
کے علم اور ان کے طریقہ کار کو یورپ تک پہنچایا ہے۔ اس نے کبھی یہ کہنے سے
گریز نہیں کیا کہ اس کے معاصرین کا عربی زبان اور عربی علوم حاصل کرنا معرفت کا
واحد طریقہ کار ہے۔ جس قدر بحثیں تجربی اسکول کے واضعین کے بارے میں کی گئی
ہیں۔ ان سب کا مقصد یورپی تہذیب کی بنیاد میں تحریف کرنا ہے۔
میکن کے زمانے میں عربوں کا طریقہ پوری طرح پھیل چکا تھا۔ اور لوگ اس
کی تحصیل کے لئے یورپ کے کونے کونے سے سمٹ کر آرہے تھے۔

خود راجر میکن نے کہاں سے علم حاصل کیا؟
راجر میکن نے انڈس کی اسلامی درسگاہوں میں علم حاصل کیا ہے! اس نے
اپنی کتاب کا پانچواں حصہ جو بصریات کے لئے مخصوص کیا ہے (CEPUS MASUS)
سارا کا سارا بن مٹیم کی کتاب المناظر کی نقل ہے۔“ لے
جامعہ نیویارک کے پروفیسر دیلبر اپنی کتاب ————— ”مذہب و سائنس کی

*The Reconstruction of Religious Thoughts
in Islam. Dr. Mohammad Iqbal.*

منہ: بحوالہ سابق

مشکلات "میں کہتے ہیں۔

مسلمانوں نے یقین کر لیا کہ صرف عقلی نظری طریقہ ترقی کا ضامن نہیں ہے۔ حقیقت
فہمی کی خواہش حوادث کے مشاہدہ سے مربوط ہونی چاہیئے۔

اسی مرحلہ سے مسلمانوں نے تجربی اور حسی اور عملی دستور کو اپنا شعار بنالیا۔
”مسلمانوں کی عملی تحریک کے نتائج ان کی عظیم صنعتی ترقی میں رونما ہوئے۔ ہمیں
ان کی کتابوں میں ایسی آراء دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ جن کو ہم موجودہ دور کی سائنس
کے نتائج خیال کرتے تھے۔ عضوی کائنات میں ارتقاء کا مذہب جو ایک جدید فلسفہ
خیال کیا جاتا ہے۔ ان کی درس گاہوں میں ابن کی تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ اس مذہب
میں اس سے کہیں آگے جا چکے تھے۔ جہاں ہم پہنچے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کو معادون اور
جمادات پر بھی منطبق کرتے تھے۔ طب میں اسفوں نے کیمیا کو استعمال کیا۔ اور میکانیات
میں سقوط اجسام کے قوانین معلوم کئے۔ ”علم حرکت“ کے بارے میں انھیں پوری اقیقت
حاصل تھی۔ روشنی اور دیکھنے کی ساتیں میں اسفوں نے اس قدر ترقی کر لی تھی کہ اسفوں
نے یونانیوں کے اس نظریہ کو تبدیل کر دیا۔ کہ آنکھ سے شعاعیں جسم مرقی کی جانب جاتی
ہیں۔ جس کی بنا پر نظر آتا ہے۔ اسفوں نے اس نظریہ کا عکس اختیار کیا۔ ابن ہشیم نے
فضا میں چلنے والی شعاع کی شکل منحنی دریافت کی۔ جس سے اس نے ثابت کیا کہ ہم سورج
اور چاند کو طلوع ہونے سے چند لمحے پہلے ہی دیکھنے لگتے ہیں۔ اور اسی طرح ان کے غروب
ہونے کے چند لمحے بعد تک دیکھتے رہتے ہیں۔“

اسلام کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی علمی تحریک کے بارے میں اسی تدریجی بیان

کافی ہے۔ جو تحریک قرآنی نقشہ کے مطابق تھی۔ اگرچہ قرآن نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ تفصیل دائمی طور پر تغیر پذیر ہیں۔

ہمارے خیال میں اہم بات یہ ہے کہ قرآن نے علمی تحریک کو خیر کے راستہ پر لگایا ہے اور اس انحراف سے بچایا۔ جس سے علم مغربی تہذیب کے زیر سایہ پھنسا ہوا ہے جس علم کو شیطانوں نے اقوام و افراد کے اخلاق خراب کرنے، مقدسات تباہ کرنے بے قید و پھیلائے اور سینما، ریڈیو، ٹیلیوژن اور صحافت کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں بیکار باتیں بھرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ پھر شیطان اس علم کو بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اور جب کہ دنیا میں بھوک بڑھ رہی ہے اور ایم کو پیداوار کے اضافہ کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ شیطان اس ایم کو لوگوں کی تباہی کے لئے تیار کر رہے ہیں!

اجتماعی معاشی اور سیاسی نما کے لئے بھی اسلام نے ایک عام نقشہ تیار کیا ہے جس میں اس بات کی تو گنجائش ہے کہ صورت بدل جائے۔ مگر اس بات کی گنجائش نہیں کہ انحراف رونما ہو۔

قرآن کریم نے امت اسلامیہ کے نشرو نما کی جانب اشارہ کیا۔ جو متعدد دیکھ کر ہوتے قبال سے ایک بامقصد قوم بنی تھی۔

اور مضبوط پکڑے رسول اللہ تعالیٰ کے سلسلے

کو اور باہم نا اتفاقی مت کر۔ اور تم پر

اللہ تعالیٰ کا جو انعام ہے۔ اسے یاد کرو جبکہ

تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے مکر

میں الفت ڈال دی۔ سو تم اللہ تعالیٰ کے

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا

تَفَرَّقُوا ۚ وَإِذْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّنَ اللَّهِ

لَمَلِكُمْ إِذْ كُنْتُمْ آفَافًا ۚ فَآتَتْ

بَنِي قُلُوبَكُمْ فَأَنْصَبَتْكُمْ

مِن بَيْنِهِمْ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ

فَلْيَسْفَا هَٰضِرَةً مِّنَ النَّاسِ
فَإِنْقَضَ كُمْ مِنْهَا كَذَابُكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ تَعْتَدُونَ

انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اور
تم لوگ دوزخ کے کنارے پر تھے۔ سو اس
سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی۔ اسی
طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے احکام بیان
کر کے بتلاتے رہتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ راہ

پر رہو۔

(آل عمران - ۷۳)

اسلام نے امت مسلمہ کے مقومات، اس کی زندگی کی بنیادیں اور اس کے نظام کی

خصوصیات بیان فرمائیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ
تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تم لوگ ایک اچھی جماعت ہو۔ جو لوگوں
کے لئے ظاہر کی گئی ہے۔ تم نیکوں کا
حکم کرتے ہو۔ برائیوں سے روکتے ہو
اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(آل عمران - ۱۱۰)

وَلَتَكُنَّ مَنَّاتٌ أُمَّةً يَتَذَكَّرُونَ
إِلَى الْخَيْرِ وَيَا مُرْسِدُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہر مقررہ
ہے کہ خیر کی طرف بلایا کرے۔ نیکوں کا
حکم کریں۔ برائیوں سے روکیں۔ یہ لوگ
کامیاب ہونے والے ہیں۔

(آل عمران - ۱۱۳)

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ
وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ

اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی
اعانت کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی
میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو

(المائدہ - ۲۰)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا رَسُولَهُ وَآوُوا إِلَى مَنَاسِكَكُمْ
لِيُؤْتِيَكُمْ اللَّهُ ثَوَابَ عَمَلِكُمْ
رَسُولُكُمْ

(النار - ۵۹)

اِنَّ الْمُؤْمِنِينَ اٰپس ميں بھائی ہيں۔

(المحرات - ۱۰)

وَأَمَّا هُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

ان کے معاملات آپس کے شورے سے ہيں

(الشورى - ۳۸)

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ
فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ
عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول تم کو دیں لے لو۔ اور جس
بات سے روک دیں اس سے روک
جاؤ

(الحشر - ۷)

وَأِنْ أَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ
أَنْتُمْ لَنْ تُبْلَغَ
أَهْوَاءُهُمْ

اور ہم حکم دیتے ہيں کہ آپ ان کے باہمی
معاملات ميں اس سبھي بری کتاب کے
موافق فیصلے نہ کر سکیں۔ اور ان کی خواہشوں
پر عمل درآمد نہ کیجئے۔

(المائدہ - ۴۹)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

اور جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے
کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ
بالکل کافر ہيں۔

(المائدہ - ۴۴)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى
يُحْكَمُوا بِمَا نَزَّلْنَا

پھر تم بے آپ کے رب کی یہ لوگ ایمان نہ
لے ہوں گے۔ جب تک یہ بات نہ ہو کہ

ثُمَّ لَا يَجِدُ ذَاتِي أَنْفُسِهِمْ
خَرَجَ مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْأَلُوكَ
تَنْبِيْهًا
ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو۔ اس
میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں۔ پھر آپ
کے تصفیہ میں دلوں میں تنگی نہ پادیں۔

(النساء: ۶۵) پر اپورائتیم کر لیں

اسلام نے قوم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی گد بان معاشرہ ہو۔ یا زرعی معاشرہ
شہری معاشرہ ہو۔ یا تجارتی اور صنعتی معاشرہ — اسلام ان میں سے کسی صورت کو متعین
نہیں کرتا۔ اور نشوونما کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں کھڑی کرتا۔ اسلام تو صرف ایسی ہدایت
دیتا ہے جس سے نشوونما کا عمل بغیر انحراف کے جاری رہے۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں اجتماعی اور تہذیبی نما کا عمل
اپنے انتہائی عروج تک پہنچا۔ اور مسلمانوں نے مفتوح قوموں میں پائی جانے والی
تنظیمات سے استفادہ میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، اور مصر، شام اور ایران میں
پائے جانے والے ایسے تمام تہذیبی سرمایہ سے فائدہ اٹھایا۔ جو ان کے عقیدے اور
انسانی زندگی کے بارے میں ان کے تصور سے مختلف نہ تھا۔

اسی طرح رومی، یونانی اور ہندی تہذیب کی بنیادیں تلاش کیں، اور جو باتیں
ان کے اصول سے متعارض نہ تھیں، ان کو آزادی سے اخذ کیا، اور ہر شے کے رد و
قبول کا پیمانہ اپنے عقیدے اور تصور کو بنایا۔

مختلف اسباب کی بنا پر اسلامی معاشرہ میں زوال آ جانے کے باوجود بھی وہ
صلیبی جنگوں میں اس قدر عروج پر تھا کہ جدید مغرب کی تمام فکری، اجتماعی، اور
تہذیبی ترقیات کا اخذ اسی دور کا اسلامی معاشرہ ہے۔ جیسا کہ مغربی مصنفین کے
اقوال نقل کئے جا چکے ہیں۔

معاشی نملکے لئے قرآن کریم نے ایک ناقابلِ تغیر نقشہ تجویز کیا ہے۔ پھر معاشی نما کی کوئی خاص صورت متعین کرنے یا اس صالح نما کے راستہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کرنے کے بجائے۔ اسلام نے معاشی نما کو اس نقشہ میں آزادانہ نشوونما کا موقع فراہم کیا ہے۔

اسلامی معاشی نظام کا عمومی نظریہ اس بنیاد پر قائم ہے کہ انسان زمین میں اللہ کا نائب اور خلیفہ ہے۔ زمین کی ساری دولت اللہ کی ملکیت ہے۔ اور جماعت انسانی اس میں تصرف کرنے میں اللہ کی طرف سے نائب ہے۔ ان تمام شرائط کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون میں نازل کی ہیں۔ خواہ وہ عمومی کلیات کی شکل میں ہوں یا جزئی قوانین کی صورت میں! فرد کی حیثیت اس مال میں ایک کارکن کی سی ہے۔ وہ اپنی محنت کے معاوضہ میں ملنے والے مال میں انفرادی ملکیت کی بنیاد پر تصرف کرے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کا تصرف صحیح ہو۔ اور اس کا فائدہ خود اسے اور ساری جماعت کو پہنچے۔

اور یہ مفاد اللہ کی مقرر کردہ حدود میں ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر خیر مستحق نہیں ہوتی اگر فرد واحد ملکیت کے حق کو غلط استعمال کرے تو اس کا تصرف محدود ہو کر یہ حق دوبارہ جماعت کو مل جاتے گا جو زمین میں اللہ کی نیابت کی بناء پر اس حق کی مالک ہے۔

اس اصول سے انفرادی ملکیت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ جس پر نہ صرف اسلام کا معاشی نظام بلکہ سارا ہی نظام قائم ہے۔ اس اصول کا مقصد انفرادی ملکیت میں صحیح تصرف کی ضمانت دینا ہے۔

اسلام افراد کے مال میں زکوٰۃ وغیرہ کی شکل میں قوم کی ضرورتوں کے بقدر جماعت کا حق مقرر کرتا ہے۔ اور عام آمدنی کے ذرائع کو عام ملکیت قرار دیتا ہے۔

وَأَتَوْهُم مِّنَ الْمَالِ اللّٰهِ
الَّذِیْ آتَاكُمْ

اور اللہ کے دیتے ہوئے اس مال میں سے
ان کو بھی دو جو اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے

(النور - ۳۳)

وَلَا تَتَوَشَّوْا الشَّفَعَاءَ ۚ أَمْوََالَكُمْ
الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیَآمًا

اور تم کم غیروں کو اپنے وہ مال مت دو
جنکو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے مایہ زندگی
بتایا ہے۔

(النار - ۵)

پھر اسلام معاشرے میں تقسیم دولت کا ایک عام قانون بیان کرتا ہے۔
تٰی لَا یَكُوْنُ دَوْلَةٌ بَیْنَ
الْاَغْنِیَاءِ مِنْكُمْ

تاکہ وہ مال تمہارے ترنگروں کے
قبضے میں نہ آجائے۔

(الحشر - ۹)

اس لئے مالداروں کو ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں دی جاتے گی اور ذخیرہ
اندوز کی دولت کو تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ مسکینوں میں گردش
کرے اور دولت کا طبعی چکر پورا ہو سکے۔

اسلام نے معاشرے کے ذمہ محتاجوں اور محرومین کا حق لازم کیا ہے۔
وَفِیْ اَمْوََالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ
وَالْمُحْضَرِّ

ان کے اموال میں سائل اور محروم
کا حق ہے۔

(الذیّات ۱۹)

یہ آیت صرف حق زکوٰۃ سے متعلق ہے۔ اور دوسری تکالیف کے لئے بھی مالداروں
سے ہر ایہ وصول کیا جائے گا۔

اسلام میں دولت کو کمانے اور اس کو خرچ کرنے کے قواعد مقرر ہیں۔ اس
تعامل میں یہ شرط ہے کہ کسی فرد یا جماعت کو اسے تصرف سے نقصان نہ پہنچتا ہو اسی

لے غضب الوٹ چوری، دھوکہ اور ذخیرہ اندوزی ناجائز ہے۔ جیسا کہ سود حرام ہے جو ایک بدترین وسیلہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَذُرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنَّا
كُنْهُمُ مُؤْمِنِينَ فَمَا تَمْفَعُوا
فَأَذْنُوبًا مَّخْتَابًا مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَلَا تَطْلُمُوا فَنَكْمَةً
مَرْدُوسٍ أَمْوَالَكُمْ لَا تَطْلُمُونَ
وَلَا تَطْلُمُونَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور وہ جو سود کے پچھلے سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو خبردار ہر جان اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے۔ اور اگر تم قریب کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے۔ نہ تم کسی ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی تم پر ظلم کر سکے گا۔

(البقرہ ۲۷۶)

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَتَغَيَّرُ
يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُونَ
الَّذِي يَخْصِيصُهُ الشَّيْطَانُ
مِنَ الْمَرْسِيِّ ذَٰلِكَ يَأْتِيهِمْ
قَالُوا إِنَّمَا اتَّبِعُ مِثْلَ الرِّبَا
وَأَحْكَمَ اللَّهُ اتَّبِعْ وَحَرَّمَ
الرِّبَا فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعِظَةٌ
مِّنْ رَبِّهِ فَاتَّبِعْ فَلَهُ
مَا سَلَكَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ
وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا

جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ نہیں کھڑے ہونگے قیامت کے بعد مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ ایسا شخص جس کو شیطان نے جعلی بنادیا ہو۔ لپٹ کر یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے ہمتا کر بیچ بھی کر مثل سود کے ہے لانا۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام فرمایا ہے۔ پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا۔ تو جو کچھ پہلے لیتا ہو چکا ہے وہ اس کا ربا اور باطنی معاملہ اس کے خدا کے حوالے رہا اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ سزا

لوگ دوزخ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ
رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور
صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ
پسند نہیں کرتے کسی کفر والے کو اور گناہ کے
کام کرنے والے کو۔

خَالِدٌ ذُو نَبَحٍ يَتَوَلَّى اللَّهَ
الْبَرَّ يَأْوِئُ إِلَى الْمَسَدَاتِ
وَاللَّهُ لَا يُجِبُ كُلَّ
كَفَّارٍ أَثِيمٍ

(البقرہ - ۲۷۵ - ۲۷۶)

پاکیزہ باہمی امداد و تعاون کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

اور تنگ و دست ہو تو محبت دینے کا
حکم ہے۔ آسودگی تک۔

فَإِذَا كَانُوا عَلَىٰ عُسْرٍ
فَإِذَا كَانُوا عَلَىٰ مَيْسَرٍ

(البقرہ - ۲۸۰)

یہ اسلامی معیشت کے عام قواعد ہیں۔ اور وہ نقشہ ہے جس میں بغیر کسی رکاوٹ
اور بغیر انحراف کے اسلامی معیشت نشوونما پاتی ہے۔

ان اصولوں کے زیر سایہ اسلامی معیشت نے بڑی تیزی سے نشوونما پایا۔ اور
اسلامی معیشت گلوبل، معاشرے سے زرعی صنعتی اور تجارتی معاشرے میں تبدیل
ہوئی۔ پھر ایک ایسا وقت آیا کہ یہ سب خصوصیات باہم مل گئیں۔

معاملات میں اسلامی فقہ نے اس تیزی سے ترقی کی کہ یہ سرمایہ انسانیت کیلئے
قابل فخر ہو گیا۔

اسلامی معیشت کے عام اصولوں نے معاشرے کو ان انحرافات سے بھی محفوظ
رکھا۔ جن سے آج مغربی معیشت دوچار ہے۔

اور یورپ کی اس بھیانک جاگیر داری سے بھی محفوظ رکھا۔ جس میں کسان
زمین اور جاگیر دار دونوں کا غلام تھا۔ اور جاگیر دار کے ہاتھوں میں قانون سازی، عدالتی

اور نفاذ کی ساری قوتیں جمع تھیں جس کی کوئی مثال اسلام میں نہیں ملتی۔
اسلام اگر عملی دنیا میں جاندار طریتہ پر موجود ہوتا اور اسے ہر ہر جگہ اس قدر صدا
نہ پہنچنے پڑتے اور اس کو ماننے والے اس قدر مست نہ ہو جاتے۔ تو آج بھی اسلام
دنیا کو سرمایہ داری کی خرابیوں سے بچا سکتا تھا۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر معاشی ترقی
کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے۔ یہ شبہ بعض مسلمانوں کے دل میں بھی موجود
ہے۔ چنانچہ وہ اس باب میں اسلام کی طرف سے مغزیت خواہانہ رویہ اختیار کر لیتے
ہیں۔ — یا ضرورت کے وقت سود کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ یا یہ کہ آج کا سود
وہ نہیں ہے جس کو قرآن نے منع کیا ہے۔ اس لئے جائز ہے۔ غرض جب یہ شبہ
مسلمانوں کو پریشان کرتا ہے۔ تو وہ اسی ستم کی راہ فرار ڈھونڈتے ہیں۔!

سرمایہ داری سود جس کی بنیاد اور اجلہ داری جس کا لازمہ ہے۔ اس کے نقصان
بیان کرنے سے اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ — کیونکہ سرمایہ داری کی خرابیاں اتنی
واضح ہو چکی ہیں کہ ان کے بیان کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ سرمایہ داری نظام کے
دوست اور دشمنوں نے اس کے بارے میں اس قدر کچھ کہا ہے کہ مزید کی گنجائش
نہیں رہی۔ اب کوئی بھی سمجھدار اسلام سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ وہ ایک ایسی شے
کو جائز قرار دے دے۔ جو اس قدر ظلم اور تباہی کا باعث بنتی ہے۔!

وہ گویا یہ سوال کہ اسلامی معیشت صنعتی ترقی کے زیر سرمایہ بغیر سود کے کیونکر
چل سکتی ہے تو یہ بحث مخصوص ہے۔ ہم اس وقت اس سے تعرض نہیں کر سکتے۔
مسلم علماء نے اس موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی
امیر جماعت اسلامی پاکستان نے تین کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ اسلامی معیشت کے
بنیادی اصول۔ "سود اور مسئلہ ملکیت زمین" اور "تہ قلوب" نے اسلام کا نظام عدل

تصنیف فرمائی۔ اس کے علاوہ اس موضوع پر اور بھی بحثیں ہیں۔ استاد عینی عبد ابراہیم نے بہت سے رسائل میں اس بحث کو اٹھایا ہے اور مزید بحث کی گنجائش ہے۔ مگر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ممکن نہیں کہ کسی شے میں دیگر کیلئے کوئی مصلحت پنہاں ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اسے حرام قرار دیدے۔

عملی تطبیق نے بار بار اس بات کی تصدیق کی ہے۔ جس قدر علم اور انسانی تجربات اور خرافات میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی قدر ایسے اسباب بائیں آتے جا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کی حرمت کی تائید کرتے ہیں۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ حرام کو حلال کرنے کے بجائے نیا نظام وضع کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو حرام فرمایا ہے۔ تو اس کا کوئی زکوٰۃ سبب ضرور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ ان کا نقصان نہیں چاہتا۔ ان کو سہولت پہنچاتا ہے۔ تنگی میں مبتلا نہیں کرتا۔

مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ	اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی
مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ	تنگی ڈالیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ	کہ تم کو پاک صاف رکھے اور یہ کہ تم پر اپنا
عَلَيْكُمْ	اتمام تمام فرمادے۔

(المائدہ - ۶)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ	اس نے تم پر دین کے احکام میں
مِنْ حَرَجٍ	کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔

(الحج)

اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام معاشی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے کیونکہ وہ عورت کو لنگنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حالانکہ صنعتی ترقی اسے ضروری قرار دیتی ہے

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اسلام بوقت ضرورت عورت کو باہر نکلنے سے منع نہیں کرتا
 اگرچہ اس امر کو پسند بھی نہیں کرتا کہ عورت اپنے نسوانی و ظالف سے ہٹ کر کوئی کام کرے
 مگر یہاں اس اعتراض کے جواب میں کہیں گے کہ عورت کے بازار اور کارخانے
 میں عامل بنادینے کے نقصانات سامنے آچکے ہیں۔ اور یہ نقصانات اس قدر زیادہ
 ہیں کہ عورت کی شرکت سے ہونے والا مادی پیداوار کا اضافہ ان نقصانات کے
 سامنے کوئی حیش نہیں رکھتا۔

وہ اخلاقی نقصان بھی ہمارے سامنے ہے جو اس مادی پیداوار کے بالمقابل مغربی
 معاشرے کو برداشت کرنا پڑا ہے۔ اور یہ اخلاقی نقصان اس قدر عظیم ہے کہ اس کی بناء
 پر ساری دنیا تباہی کے کنارے آگئی ہے۔

مستقبل قریب میں پیداوار کی ساری ذمہ داری مشینی انسان، الیکٹرونک ذراغ اور
 عظیم تر مشینیں لے لیں گی۔ تو عورت کو شریک عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

آج بھی ہزاروں ادا لاکھوں انسان بیروزگار ہیں، مگر عورتوں کو کام میں لگانے
 کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ کیا اس کا مقصد یہ ہے کہ مرد بیکار ہو جائیں۔ اور
 ان کی جگہ عورتیں لے لیں۔ یا کوئی ایسی مصلحت ہے جس سے یہودی علماء کا نظم عمل
 (The protocols of the learned elders of Zion) واقف ہے۔

اسلام مرت صالح اور راشد نما کو جائز رکھتا ہے اور اسلام انحرافات کے
 جائز رکھنے کا ذمہ دار نہیں ہے!

* * *

سیاسی نظام میں بھی اسلام نے عام قواعد وضع کئے ہیں اور تفصیلات دینی
 نشرونا پر چھوڑ دیں، تاکہ وہ عملی، تہذیبی، اجتماعی اور معاشی ترقی کے مراحل سے

ہم آہنگ رہے۔

إِنَّا نَحْكُمُ إِلَّا بِاللَّهِ آمَنَّا

أَنَّا لَا تَعْبُدُ إِلَّا إِلَهًا

ذَلِكَ إِلَٰهٌ بَيْنَ الْقِيَمِ

(یوسف: ۲۰)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ

اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْكَاذِبُونَ

(النساء: ۵۹)

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوا

وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا

(الحشر: ۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا

اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

وَأُولَٰئِ الْأَمْرُ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ

إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

(النساء: ۵۹)

وَإِذَا حُكِمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

ہم آپس میں جھگڑا کرتے رہے۔

حکم دینے کا اختیار صرف خدا ہی کا ہے

اور اس نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور

کسی کی عبادت نہ کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے

اور جو شخص خدا کے نازل کئے ہوئے

کے برائے حکم نہ کرے۔ سوائے لوگ

بالکل کافر ہیں۔

جو کہ رسول تمہیں حکم دیں اسے مانو

اور جس بات سے روکیں اس سے

رک جاؤ۔

اے ایمان والو تم کہنا مانو اللہ اور

رسول کا اور تم میں جو لوگ اہل امر

ہیں۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف

کرنے لگو، تو اس امر کو اللہ اور رسول

کے حوالہ کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر

اور یوم قیامت پر ایمان

رکھتے ہو۔

اور جب لوگوں کا فیصلہ کیا کرو تو

اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر

عمل کرو۔

اور جب تم میں اختلاف ہو تو

اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر

دل سے کیا کرو۔

أَتَمَّحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

(النساء: ۵۸)

ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

(شوری: ۳۸)

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت، اللہ کے قانون کا نفاذ، حکام کا عدل، اللہ کے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے محکومین کی اطاعت اور حاکم و محکوم میں مشورہ اسلامی حکومت کی بنیادیں ہیں۔

حکومت کی شکل تمام تر امت مسلمہ پر موقوف ہے۔ امت مسلمہ ان قواعد کے اندر رہتے ہوئے حکومت کی کوئی شکل متعین کرنے کی مجاز ہے۔ اللہ کے قانون کے بغیر ہر حکم غیر اسلامی ہے۔ ہر حکم بغیر مشورہ کے غیر اسلامی ہے اور بغیر عدل کے ہر حکم سے اسلام انکار کرتا ہے۔

حکومت و سیاست میں اسلام کی پوری پوری تطبیق خلافت راشدہ میں ہوئی ہے اور خلافت راشدہ ہی میں حکومت کے صحیح قوانین متعین کئے گئے ہیں جنہیں ابوبکرؓ نے سرایا۔

”اگر میں کوئی اچھا کام کروں۔ تو میری مدد کرو۔ اور اگر میں غلط کروں تو مجھے درست کرو۔“

اور حضرت ابوبکرؓ نے سرایا

”جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تو تم بھی میری اطاعت کرتے رہو۔ اور اگر میں اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کروں۔ تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں ہے“

خلافت راشدہ کے بعد بھی کچھ وقفہ کے لئے اسلام کی پوری پوری تطبیق ہوئی ہے۔

مگر اسلامی فقہ نے مختلف ادوار میں سیاسی نظریہ میں عظیم ترقی کی ہے اور اسلامی معاشرہ میں رونما ہونے والی ہر حالت سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس نئی وضع کیلئے اسلامی احکام کا استنباط کیا۔

اسلامی قانون سیاست میں بڑی لچک ہے اور شرعی اصولوں میں انحراف سے بچنے کا طریقہ متعین کیا گیا ہے۔ اگرچہ عملی تطبیق میں انحراف ہو سکتا ہے۔ البتہ اسلام ایسی میزان متعین کرتا ہے جس سے تطبیق کے وقت انحراف کا علم ہو جائے، اور اس کی پوری پوری نشاندہی ہو جائے!

* * *

انسانی زندگی کے متغیر پہلوؤں کے بارے میں یہ اسلام کا موقف ہے۔ اسلام ترقی سے نہیں روکتا، بلکہ وہ خود ترقی کی جانب لے جاتا ہے۔ البتہ وہ ایسے اصول متعین کرتا ہے، جو خیر کی جانب راہنمائی کریں، اور انحراف سے بچائیں۔ اسلام قواعد کے غیر متغیر اور اشکال کے تغیر پذیر ہونے میں جمود و ارتقاء دونوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

علمی، معاشی، اجتماعی اور سیاسی ارتقاء میں یورپ نے مذہب کی راہنمائی قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو اس کا کیا نتیجہ ہوا۔؟ علم نے لادینی نشاۃ ثانیہ کے زیر اثر بڑی ترقی کی، مگر یہ ترقی اس کے لادینی ہونے کی بناء پر نہیں ہوئی، بلکہ اس لئے کہ مغربی کلیسا علم سے برسرِ پیکار تھا اور عقل کو پابند کر کے چاہتا تھا کہ جہالت برقرار رہے۔

مگر یہ علمی ترقی بذاتِ خود مسلمانوں سے ماخوذ تھی — جیسا کہ درمیر کہتا ہے۔ اور مسلمانوں کا علم اور ان کی زندگی تمام تر مذہب کی رہنمائی میں تھی۔

مگر جب علم مذہب سے آزاد ہوا، تو — شیاطین

کے جال میں پھنس گیا، اور شیاطین ان سے اخلاقی فساد پھیلاتے لگے، پھول نے معاشرتی
بندھن ڈھیلے کر کے لوگوں میں بکواس سلطنت اور کمزوری پیدا کر دی، اور زمین میں تباہی
مچا دی!

یَا لَیْلَتَی اَلَمْ تَكُنِیْ اِلٰہًا

معاشرتی فساد کے لئے تو جاگیر داری اور شترایت کی مثال کافی ہے۔ اللہ کی رہنمائی
سے علیحدہ رہ کر یہ سارا فساد پیدا ہو گیا ہے اور ساری انسانیت آقاؤں اور غلاموں میں
بدل گئی۔ یہ اور بات ہے کہ آقاؤں اور غلاموں کی صورتیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

اجتماعیات میں ان اجتماعی اور اخلاقی مفاسد کا پیش کر دینا کافی ہے جس سے

مغربی معاشرہ دوچار ہے جس نے سارے معاشرے کو ایک بدترین حیوانی معاشرہ بنادیا
کہ لوگ جسمانی لذتوں میں لگے رہیں، اور کبھی سیر نہ ہوں۔ اپنا اپنا انسان انسانوں کی سی
ہمدردی نہیں رکھتے۔

مغرب پر تو ایک مکروہ اور قابل نفرت انفرادیت مسلط ہے۔ ایسی بکھری ہوئی
انفرادیت جس کو کوئی مجتمع کرنے والا نہیں۔

فَخَسِبُكُمْ جَمِيعًا وَّ قُلُوبُكُمْ

آپ ان کو مجتمع خیال کرتے ہیں۔

فَاَلَمْ تَكُنْ اِلٰہًا

اشتراکی معاشرہ ایک مشینی اجتماعیت ہے جس میں انسانی موت کا شائبہ بھی

نہیں ہے۔ کھیتوں اور کارخانوں میں اس اجتماعیت پر ایک جاہل اور ظالم حکومت

مسلط ہے۔

سیاست میں — تو ظلم و ستم سے زمین لرز رہی ہو چکی ہے — سارا ج لوٹ

کھسٹ اور غلامی — جاسوسی آگ اور قید و بند پر قائم آمریتیں — جیہاں تک ستم

کی سزائیں — تاکہ عوام پر ظالمانہ حکومت برقرار رکھی جاسکے — یہ مظالم کافی ہیں۔ اور ان

کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
 اسلام ہی ان تمام معاملات میں ایسی روشن دلیل ہے جو روشنی اور تاریکی صالح
 اور فساد میں مشرق و مغرب قائم کرتا ہے۔
 اسلام میں ترقی کے لئے لچک بھی ہے اور انحراف سے روکنے والی سختی بھی۔ !
 اسلام کی ساری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس فطرت انسانی سے پوری
 طرح ہم آہنگ ہے جس کا جوہر غیر متغیر اور اشکال تغیر پذیر ہیں۔

* * *

انسانی زندگی کے استحکام و ارتقاء کے بارے میں یہ اسلام کا موقف ہے
 اور یہ موقف تدبیر الہی کا تشکیل کردہ ہے۔
 انسانی تدبیر کا بنایا ہوا ہر نظام منحرف ہوتا ہے اور درست نہیں ہوتا، کیونکہ
 وہ فطرت سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا۔
 انسان فطرت انسانی کے بارے میں — بقول الکیس کاریل — ایک گمبھیر
 جہالت میں مبتلا ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ دوسرے انسانوں کے لئے قوانین
 بناتا ہے !

اسلام — انسانیت کے لئے اللہ کا حکم — انسانیت کے مفہوم اور
 تصورات اور ان کی عملی تطبیق میں منفرد موقف کا حامل ہے۔
 اسلام فطرت کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے اور کسی پہلو پر زیادہ زور دے کر
 تمام پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کرتا۔

اسلام فطرت کے تمام پہلوؤں سے ہم آہنگ ہے اور انہیں پوری پوری غذا
 فراہم کرتا ہے اور جو پہلو غیر متغیر ہیں ان کے لئے غیر متغیر قوانین بناتے اور تغیر پذیر
 پہلوؤں کے لئے ان کے مناسب قوانین بناتے — اسی طرح اسلام مذہب فطرت ہے

اور اسی طرح اسلام تمام زمانوں اور تمام ترقیات میں پوری انسانیت کا مذہب ہے
 ایسا مذہب جو خود تعمیری اور درست ارتقاء کی جانب لے جاتا ہے۔ اور عدم ارتقاء اور
 رجعت اختیار کر کے صحیح ارتقاء کا راستہ نہیں روکتا!
 اسلام کے علاوہ جس قدر منقرض نظام جو انحراف کو ارتقاء کا نام دیتے ہیں، درحقیقت
 انہیں رجعت کہا جانا چاہیئے۔



اسلام اور رجعت

ارتقاء کے پڑے میں رہنا ہونے والے انسانیت کے تمام انحرافات رجعتیں ہیں جن کو اسلام صحیح اور درست کرنے آیا ہے۔

ظاہری نظر میں یہ مسئلہ ناقابل تصدیق سا محسوس ہوتا ہے! سائنس کے ذریعے جس قدر ترقیات ہوئی ہیں اور نفس اور معاشرے میں جس قدر ارتقاء ہوا ہے۔ کیا یہ سب رجعت ہے اور اسلام — جو زمانے کے لحاظ سے پہلے ہے — وہ اس کو درست اور صحیح کرتا ہے! ۹

✱ — ✱ — ✱ — ✱ — ✱

اس بظاہر عجیب مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے ترقی اور رجعت کا کوئی پیمانہ مقرر کرنا ہوگا۔

کیا زمانہ کا مقياس کافی ہے کہ ہر نئی شے ترقی اور پرانی شے رجعت ہے؟ یہ مقياس علمی ترقی کے لئے تو درست ہے۔ علم کی دنیا میں ہر نئی شے آگے کی جانب ایک قدم ہے، کیونکہ اس سے کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا ہے، اور اگر اضافہ نہ ہو تو وہ شے خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

مگر اجتماعی، معاشی، سیاسی، نفسی اور اخلاقی تبدیلی کے لئے زمانہ کا مقياس درست نہیں ہے — اس کا صحیح مقياس تلاش کرنا چاہیئے۔

کیا سرد خانے، ہوائی جہاز، راکٹ اور الیکٹرونک دماغ ترقی کا مقياس ہیں —

یاد ترقی کا پیار خود انسان ہے؟
 کہا جاتا ہے کہ ہوائی جہاز، راکٹ اور الٹرونی دماغ بھی انسان ہی کی ایجاد
 ہیں۔

صحیح ہے! — مگر سوال یہ ہے کہ ان ایجادات کا طریقہ استعمال یہ ہے
 — اور یہ طریقہ استعمال ہی مکیاس ہے۔

کیا یہ مکیاس ہے کہ انسان ان اشیاء سے رفعت حاصل کرے۔ اس کا انسانی شعور
 زیادہ بیدار ہو، انسانی اخوت، اور نفس واحد کا شعور زیادہ عمیق ہو۔ انسان اپنے بھائی سے
 محبت کرے اور دشمن کے لئے بھی انسان ہی رہے — یہ مکیاس ہے کہ انسان یاد
 کرش و ظالم وحشی ہو جائے۔ نفرت اور انانیت اس پر مسلط ہو جائیں۔ اور کشمکش اور کشیدگی
 کی دشت اسے اندھا کر دے؟

ان دونوں میں سے کون سا مکیاس ہے۔

اب مندرجہ بالا لکھ کر کسی قدر واضح ہو گئی ہے اور اب محسوس ہوتا ہے کہ علمی ترقی
 بذاتِ خود رفعت اور پستی سے دوچار نہیں کرتی — بلکہ جس ندرت کے ساتھ انسان
 علم کے ثمرات استعمال کرتا ہے۔ وہ رفعت اور پستی کا سبب بنتی ہے۔ اور انسان کو انسان
 یا حیوان بناتی ہے؟

کیا اب انسان کی بلندی اور پستی کا مکیاس واضح ہو گیا۔ کیا ہم تباہ کن جنگوں کو تہذیب
 سمجھ لیں؟ کیا نسلی تعصب تہذیب ہے؟ کیا اخلاقی تہذیب ہے؟ کیا اخلاقی انارکی تہذیب
 ہے؟ کیا خاندان اور معاشرے کی تباہی تہذیب ہے؟ کیا جنون، مرض اور خودکشی
 تہذیب ہے؟ — اور کیا انسانیت پر چھائی ہوئی بدبختی تہذیب
 ہے؟

غلط رہنمائی — اور انسان کے فاسد نظریہ کے ماتحت علم نے انسانیت کے

لئے کون سی سبھلائی فراہم کی ہے؟
ہم نہ علم کو نظر انداز کر رہے ہیں اور نہ میزانِ ترقی میں اس کا حصہ کم کر رہے ہیں
ہم اجتماعی، معاشی اور سیاسی — اور نفسیاتی نفاے بھی انکار نہیں کرتے
بلکہ ان اشیاء کا اپنا وزن ہے اور انسان کا اپنا وزن ہے۔

ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ علم اور یہ اجتماعی معاشی اور سیاسی ارتقاء انسانی اقدار
کو بلند کرتا ہے یا اس میں تباہ کرتا ہے؟
جزئیات کے بجائے مجموعی تہذیب کا جائزہ لینا ہے۔

طب نے عظیم ترقیات کی ہیں۔ علم نے اپنی ایجادات اور دریافتوں سے انسانیت
کی بڑی خدمت کی ہے — ان تمام امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

مگر کیا اس خیر کا وزن زیادہ ہے۔ یا گہرائیوں میں پیوست شر کا وزن زیادہ ہے؟
ہم بیسویں صدی کی گواہی سے کیوں گرفتار پاسکتے ہیں اور اس کے اثرات سے
کیونکر نظر چرا سکتے ہیں۔

یہ کون کہہ سکتا ہے — کہ ہم تھوڑی سی خیر کے لئے اس عظیم شر کو اپنالیں۔ درنہ
خیر کا کوئی وجود نہ رہے گا؟

کون کہتا ہے کہ حصولِ خیر کا ٹیکس تباہی، فساد، اخلاق اور انسانیت کی بد بختی کی
شکل میں دینا ہوگا؟

یہ مغربی تہذیب کی صورت ہے — مگر یہ انسانیت کی ترقی کی صورت نہیں ہے۔
اصل کام یہ ہے کہ ہم علم و ترقی کی عطا کردہ خیر کو برقرار رکھتے ہوئے غلط راہنمائی
کے پیدا کردہ فساد دور کر دیں!

یہ ہی ایک انسان کی شان ہے۔ اور یہی رجعت اور ترقی کا پیمانہ ہے!



ترقی اور رجعت کا پیمانہ فطرت اور انسان ہے !

انسان کو ہر شے کا مقياس بننا چاہیئے لیکن واقعہ اس کے برعکس ہے۔ انسان تو خود اپنی ہی پیدا کردہ دنیا میں اجنبی ہے۔ انسان اپنی دنیا خود نہیں سنوار سکتا۔ کیونکہ اسے اپنی طبیعت کے بارے میں کوئی عملی معرفت نہیں ہے۔ حیاتیاتی علوم کے بالمقابل علوم جمادات میں جو عظیم ترقی ہوتی ہے۔ وہ انسانیت کے لئے ایک مصیبت سے کم نہیں ہے۔ ہم بھی بڑے بد نصیب ہیں۔ کیونکہ ہم اخلاقی اور عقلی طور پر زوال پذیر ہیں وہ جماعتیں اور قومیں جو صنعتی تہذیب میں بے پناہ ترقی حاصل کر لیتی ہیں وہ پہلے کمزور ہو جاتی ہیں اور دوسری قوموں کی بہ نسبت زیادہ جلدی بربریت اختیار کر لیتی ہیں۔

(الکسیس کاریل)

نہایت واضح شہادت ہے۔ جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔

انسان ہی وہ پیمانہ ہے جس پر رجعت اور ترقی کو ناپا جانا چاہیئے۔ جو نظام انسان کو رفعت بخشنے وہ ترقی پذیر۔ اور جو نظام انسان کے انسانی وجود کو پستی میں مبتلا کرے۔ وہ نظام رجعت ہے۔ خواہ اس کا تہذیبی اور مادی معیار کتنا ہی بلند اور جن آلات کو وہ استعمال کر رہا ہو وہ کتنے ہی عظیم اور پیچیدہ کیوں نہ ہوں !

یہ صحیح ہے کہ آلات کو کام میں لانا اور ان کو بہتر بنانے کے لئے جدوجہد کرنا انسانی خصوصیت ہے مگر صرف اس خصوصیت سے انسان تشکیل نہیں پاتا۔ اور نہ یہ خصوصیت انسانی ترقی کا مقياس بن سکتی ہے !

اگر انسان کے ہاتھ میں بے پناہ توانائی اور قوت آجائے، مگر اس کا سارا جسم مفلوج و بے حس پڑا رہے، تو اس طاقتور ہاتھ سے کیا فائدہ۔ حالانکہ یہ ہاتھ صرف اپنی قوت سے ذرا سا بھی آگے نہ بڑھ سکے !

بیسویں صدی کی علمی، صنعتی اور تہذیبی ترقی کی بھی یہی مثال ہے کہ ہاتھ طاقتور ہے اور جسم مفلوج ہے۔ اور مجموعی انسان کے لحاظ سے جس قدر اختلال ہے۔ وہ اس عظیم

ترقی کے تمام فائدوں کو غارت کر دیتا ہے۔

اس مجمل قول کی بھی تفصیل ضروری ہے۔

بیسویں صدی میں انسانی وجود میں اختلال کے مواضع کون سے ہیں؟ وہ کون سے

انحرافات ہیں۔ جو انسان کی انسانیت پیچھے ٹوٹا رہے ہیں۔ اور انسان کے سارے کارناموں

کو رجحیت بنا رہے ہیں؟

انسان کی وہ کون سی خصوصیات ہیں جن کی حفاظت کی جانی چاہیے، اور کون

سے بنیادی امور ہیں جن کو بیسویں صدی نے تباہ کر دیا ہے؟

لے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو

جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا

اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا

اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور

عورتیں پیدا کی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ

الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ

وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا

زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا

كَثِيرًا وَنِسَاءً

(النساء: ۱)

اس آیت میں بیان کردہ چاروں مسائل بیسویں صدی میں اختلال اور زوال سے دوچار

ہو گئے ہیں۔

عقیدہ، نفس واحدہ، منفی تعلق، اور وحدتِ انسانیت کے مسائل میں خلل رونما

ہو چکا ہے، اور نئی خلل انسانیت کو ہلاکت و تباہی سے دوچار کر رہا ہے۔

جب بیسویں صدی میں لگ بھگ عقیدے سے منحرف ہو گئے۔ اور اس کو اسفوں نے

پس پشت ڈال دیا، اور اپنی عملی زندگی سے پوری طرح خارج کر دیا۔ اور جب عقیدہ ان کے

ضمیروں میں پوشیدہ ایک سائے کی طرح رہ گیا۔ کیا لوگوں نے انسانیت میں ترقی کی

یا منزل؟!

شعور اور ادراک میں عقیدہ کا وجود — جیسا کہ سابق بحث اور جولیان ہیکل کے اقوال سے معلوم ہو چکا ہے — انسان کی ایک اہم بنیاد ہے جو اسے حیوان سے ممتاز کرتی ہے۔ اس اہم بنیاد کو نظر انداز کرنا یا اسے اہمیت نہ دینا ایک خالص انسانی خصوصیت کو چھوڑنا اور پیچھے کی طرف رجعت ہے۔!

ہم اس رجعت کے آثار اس نسل میں دیکھ رہے ہیں
اس رجعت کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا ہے کہ نفس انسانی پر آگندگی سے دوچار ہو گیا۔ کیونکہ نفس کی اپنے خالق کی بجانب فطری حاجت، اور نفس کی اجتماعی، سیاسی اور تہذیبی امن کی خواہش میں کوئی ربط باقی نہیں رہا۔ کیونکہ مغرب اپنے کفر اور الحاد کی رو میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی بھی شے اللہ کے عقیدے سے مربوط ہو۔!

اس رجعت کا ایک نتیجہ نفسیاتی اور روحانی قلق ہے جو مغرب میں لوگوں کے اعصاب کو تباہ کئے دے رہا ہے۔

اس ہولناک اور تباہ کن کشمکش میں، جس میں لوگ ہر لمحہ اور زندگی کے ہر پہلو میں مبتلا ہیں۔ مادی دنیا میں کشمکش، افکار کی کشمکش اور فرد کے نفس میں کشمکش — اس ہولناک اور تباہ کن کشمکش میں انسان کو کوئی سہارا چاہیئے۔ کوئی ایسی قوت چاہیئے جس پر انسان مطمئن ہو سکے۔ ایسی قوت جو اس کے قلب کی تھکن اور اس کے ضمیر کی حیرانی دور کر کے انسان کو ایسا مہربان ہاتھ چاہیئے، جو اس مصیبت میں انسان کا ہاتھ پکڑ کر اسے اطمینان و سکون کی طرف لائے۔

گویا انسان کو اللہ کی ضرورت ہے۔

مغربی تہذیب کی اپنی تنظیمات اور اپنی رہنمائی کے بل بوتے پر یہ کوشش ہے کہ انسان اللہ کی جانب متوجہ نہ ہونے پائے۔

مغربی تہذیب انسان کو سیاست، معیشت، اور معاشرے کی تنظیم میں اللہ کی طرف جانے سے روکتی ہے۔ یا انسان آداب اخلاق اور عمل کا کوئی دستور بنانے میں اللہ کی طرف جائے۔ یا فن میں اللہ کی جانب مائل ہو۔ مغربی تہذیب ان سب سے روکتی ہے۔ — بس اگر انسان اللہ کی طرف مائل ہو تو چند لمحے کلیسا میں نماز کے وقت مائل ہو جاتے۔ پھر باقی دن — اور ساری زندگی عقیدے کے خلاف گزارتا رہے۔ اسی طرح انسان پر اگندگی، قلق اضطراب اور حیرانی سے دوچار ہو جاتے! اور انسانیت کے لحاظ سے تنزل پذیر ہو جاتے۔

صرف یہی نہیں — بلکہ جب لوگ یرم آخرت پر پکا اور سچا ایمان نہیں لائیں گے، اور ان کی نظروں میں دنیا کے سوا کچھ بھی نہ رہے گا تو وہ دنیا کی لذتیں سمیٹنے کے لئے ہر موقع کے منتظر رہیں گے! لوگ دنیاوی لذتوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اور جنسی اور حسی، خواہشات اور قوت و طاقت کی آرزوں کے حصول کے لئے لپک پڑیں گے۔

اور اس لطف و لذت کے بدلے ان کی زندگی عذابِ جہنم بن جائے گی! ہاتھ سے نکلے جانے والے موقع کا قلق، اور جنس کی کبھی نہ سمجھنے والی آگ!

انسانیت کے اعتبار سے لوگ تنزل پذیر ہیں اور اب لوگ حیوان سے بھی گتے گزر رہے ہوئے۔ کیونکہ حیوانات میں تو ضبط کی فطری اور حبیل قوتیں ہوتی ہیں جو انہیں نقطہ ہلاکت سے پہلے روک دیتی ہیں اور ان کی طاقت کو تباہ ہونے سے بچاتی ہیں۔ مگر ان بغیر عقیدہ کے حیوانات سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ انسان عقیدہ کے بغیر بے مقصد اور بغیر قوت ضبط کے رہ جاتا ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ

ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان

بِهَآءِ لَّهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ

سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں

بِهَآءِ لَّهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ

ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان

بِمَا أَدْلَيْكَ كَلَّا نَعَا مِ
بَلْ هُمْ أَصْلَكُ وَأَدْلَيْكَ
هُمْ الْغَافِلُونَ
کے پاس کان ہیں مگر دواں سے سنتے
نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں
بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے یہ
وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے

(الاعراف - ۱۷۹) ہیں۔

یہی رجعت ہے۔۔۔ اور اگر زمانہ کوہی رجعت کا پیمانہ بنایا جائے تو بھی کیا
یہ انیسویں اور بیسویں صدی کی ایجاد ہے۔

عقیدہ کا انکار تاریخ میں بہت پرانا ہے۔
یہ نہ تاریخ کی پہلی وثیت ہے۔ اور نہ ہی یہ کفر اور الحاد پہلی مرتبہ ظاہر
ہوا ہے۔

خدا کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کیوں کر رسول بھیجتا ہے؟ وحی کیسے
نازل کرتا ہے؟ اور مردوں کو کیوں کر زندہ کرے گا؟

وَقَالَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلُنَا
آيَةً كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَوْمِ
نُوحٍ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ
يَتَّبِعُونَ
وَقَالَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلُنَا
آيَةً كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَوْمِ
نُوحٍ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ
يَتَّبِعُونَ
وَقَالَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلُنَا
آيَةً كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَوْمِ
نُوحٍ وَآلِ إِبْرَاهِيمَ
يَتَّبِعُونَ

اور جاہل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
ہم سے کیوں نہیں کلام فرماتے
یا ہمارے پاس اور کوئی دلیل آ
جائے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی کہتے
چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہرگز
ہیں۔ ان سب کے قلوب باہم ایک
دوسرے کے مشابہ ہیں۔ ہم نے تو
بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر
دی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو یقین

ضبطہ

(البقرہ - ۱۱۸)

کرنا چاہتے ہیں۔

وَقَالُوا إِنَّا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا
الْدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا
يُفْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُاور کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیاوی
حیات کے اور کوئی زندگی نہیں ہےہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہم کو
مرن زمانہ کی گردش سے متوجہ جاتی ہے

(الباقیہ - ۲۳)

أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا دُرُفًا
أَبْنَاءَ لَمَبْعُوثُونَاور کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر ہڈیاں
اور چوراہہ جائیں گے تو کیا ہم از سر نو

(الامراء - ۲۶)

پیدا ہوں گے۔

بلکہ اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اگر آپ آج بیسویں صدی میں لوگوں
سے کہیں کہ ایک خدا مانیں اور عبادت، علم، معیشت اور سیاست کے لئے علیہ
علیہ خدا نہ بنائیں۔ تو یہ لوگ اس سے انکار کریں گے اور قرآن پرانے کافروں
کے بارے میں بتاتا ہے۔أَجْعَلُ الْآلِهَةَ إِلَهًا
وَّاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ
عَجَابٌاور کیا اس نے اتنے معبودوں
کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔ واقعی یہ
بہت ہی عجیب بات ہے۔

(ص - ۵)

عقیدے کی دنیا میں یہی رجحیت جس سے آج بیسویں صدی دوچار ہے۔ اسلام
اسی کو درست کر کے انسانیت کو صحیح راستہ دکھانے کے لئے آیا ہے۔ یہی موقف اسلام
کا آج بیسویں صدی میں بھی ہے!

جنس کا مسئلہ۔ جس میں اخلاق بھی شامل ہے۔

ہم اس موضوع پر کافی بیان کر چکے ہیں۔ اب اس مسئلہ کی طبیعت اور انسانی زندگی میں

زمانہ جاہلیت میں عورت بناؤ سنگار کر کے لوگوں کو پھنسانے اور ورغلانے بیٹھ جاتی تھی۔ جزیرہ نمائے عرب اور اس سے باہر یہی جاہلیت مسلط تھی، اور اسلام لوگوں کو اسی بہیت سے نجات دلانے آیا تھا۔ اور اس لئے آیا تھا کہ لوگوں کے ضمیروں میں

ایسی بلند اتداریاں کر دے کہ وہ منفی تعلق میں جسمانی بہیمیت سے بلند ہو کر اسے سکون
مودت اور رحمت کی بنیاد پر قائم کریں اور اسے ایسی تنظیم کی شکل دیں جو انسانوں کے
مناسب ہو۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ
مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
[بَيْنَهُمَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَ
رَحْمَةً۔

اس کائناتوں میں سے ایک نشان
یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے
نفسوں سے تمہاری بیویوں کو پیدا کیا تاکہ
تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے
درمیان مودت اور رحمت پیدا کی۔

بیسویں صدی میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔ خواہ تین سو سال پہلے ہو یا انسان۔ یہ رحمت
کے سوا کچھ نہیں۔ اور اسلام اسے صحیح کرتا ہے۔

* * *

رہ گیا نفس واحد اور وحدت انسانیت کا مسئلہ! تو بیسویں صدی اس مسئلہ میں
کئی انحرافات سے دوچار ہوئی ہے۔ ان انحرافات میں سب سے نمایاں سرکش انفرادیت
کی معاشرے پر زیادتی اور ظلم۔ سرکش اجتماعیت کا فرد پر ظلم اور انسانوں کا انہوں پر ظلم!۔
سرکش انفرادیت کا انحراف جو سرمایہ داری کی شکل میں جبرورہ گرہ ہے اور جسے مغرب
کہتا ہے کہ یہ ارتقاء ہے اور سرکش انفرادیت کا انحراف جو دنیا بھر کے اُمروں کی صورت
میں موجود ہے۔

اگر اپنی صورت کے لحاظ سے نہیں تو اپنے جوہر کے لحاظ سے یہ انحرافات پہلے بھی
موجود تھا۔

سرمایہ داری اپنی جدید صنعتی صورت میں۔ ملکیت اور لوٹ کھسوٹ کی ایک نئی
شکل ہے۔

مگر مالک کا غیر مالکین کو لوٹنا کھڑنا کیا انسانیّت کے لئے کوئی نئی شے ہے۔ یا یہ نفس انسانی کے وہ ہی منحرف محرکات ہیں جو ظلم کا سبب بنتے رہے ہیں۔
کیا جزیرہ نمائے عرب روم اور ایران کا سرکاریہ وزارت دار دولت کے نشہ میں بدست ہو جانے میں آج کا سرمایہ دار سے ذرا بھی مختلف تھا۔

کیا یہ ... ہی انحراف نہیں جس کو اسلام دودھ کرنے آیا تھا۔ کہ اس سرکش از امتدار کو فرد سے چھین لے۔ اس سے قانون سازی کا وہ حق واپس لے لے جس سے وہ دوسروں کو غلام بناتا ہے اور قانون سازی کا حق صرف اس اللہ کو دے دے جو کسی انسان کی طرف داری نہیں کرتا۔ اور حاکم اپنے اور اپنے طبقہ کے لئے قانون نہ بنا سکے۔ جیسا کہ آج سرمایہ داری کے زیر اثر ساری دنیا میں ہوتا ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ یہ نظام اسلام کی ہدایت پر قائم نہیں ہے۔

سرمایہ داری کی سرکش انفرادیت — اپنی ظاہری جدید صورت کے باوجود۔ اس صورت کی طرف رجعت ہے جو اسلام سے پہلے موجود تھی۔ اسلام تو اس کو صحیح اور درست کرنے آیا تھا۔ آج بھی اسلام اور یہ رجعت اسی طرح بالمقابل ہیں جس طرح صدیوں سے پہلے تھے!

امرانہ انفرادیت۔ کی بیویں صدی میں کئی مثالیں سامنے آئی ہیں۔ اور اسلام سے قبل انسانیّت امریت سے واقف ہو چکی تھی۔ اسلام انسانیّت سے اسی سرکشی کو دور کرنے آیا تھا۔

اسلام نے عبودیت صرف اللہ کے لئے خاص کر دی، اور کسی انسان کو عبودیت کا کوئی حق نہیں دیا۔ اس نے سرکش، اور مقدس انسانوں کو عام انسان بنا دیا۔ حکام بھی عام انسان بنا دیئے۔ اور ان کو قانون کی تنفیذ کے سوا کوئی حق نہیں دیا۔ اور اگر یہ حکام غلط راستہ اختیار کریں۔ تو ان کی اطاعت واجب نہیں ہے، بلکہ ان کی اصلاح

سمتی سے کی جاتے گی۔

حضرت سلمان فارسی نے دنیا کے عادل ترین حکمران حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ ”خدا کی قسم اگر تمہارے اند کوئی غلطی دیکھیں گے تو ہنوک تلوار درست کر دیں گے۔“ اور حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا۔

”خدا کا شکر ہے کہ اس نے ایسے لوگوں کو عمر کی رعایا بنایا جو ہنوک تلوار اس کی غلطیوں کی اصلاح کریں!“

مرکشی اور طغیان کے بالمقابل اسلام کا پہلے بھی یہی موقف تھا اور آج بھی یہی ہے۔ مرکشی ہر شکل میں رجعت ہے۔ جو انسانیت اس کے رشد سے پہلے کے دور کی جانب لے جاتی ہے جس رشد کی علامت تاریخ انسانیت میں خود اسلام کا ظہور ہے اسلام اس مرکشی کے بالمقابل انسانیت کو صحیح مزاج عطا کرتا ہے۔

اجتماعی مرکشی — جو اشتراکیت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ معاشیات اور اجتماعات کے ارتقاء کی ایک نئی شکل ہے۔ جس کی صورت تو نئی ہو سکتی ہے۔ مگر اس کا جوہر!

یہ ظلم و ستم جس نے فرد کے وجود کو کچل کر اسے جانوروں کے گروہ کا ایک فرد بنا دیا کہ نہ اس کی کوئی رائے ہے۔ اور نہ اس کی نگرانی۔ اور نہ اس کا کوئی ممتاز وجود ہے۔ کیا یہ صورت اپنے جوہر میں اس صورت سے مختلف ہے۔ جو اسلام سے قبل قبیلہ کی تھی جس کے بارے میں جاہلی شاعر کہتا ہے۔

وہا انالامن غریۃ ات خوت میں تو غریہ قبیلہ سے ہوں۔ اگر میرا قبیلہ

غویت وان ترشد غریۃ اسما شد گمراہ ہو جائے تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں بیگنا

اور میرا قبیلہ ہدایت پر ہو تو میں بھی ہدایت پر ہوؤں گا

اسلام آیا۔ تو اس نے جماعتی مرکشی کے بالمقابل فرد کو اس کا انسانی وجود عطا کیا اسلام نے فرد کو بے پناہ قوت عطا کی۔ جب کہ وہ فرد اللہ سے رابطہ قائم کئے ہوئے اس

کی پوری پوری عبادت کر رہا ہو۔ اور اللہ کی ہدایت سے رہنمائی حاصل کر رہا ہو۔ فرد کو ایسی قوت دی جو معاشرے کے اصلاح کی جانب لے جاتے اور فساد سے روکے۔

وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَنْذِرُ النَّاسَ
الْخَيْرِ وَيَآمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو لوگوں
کو خیر کی طرف بلاتی رہے۔ نیکیوں کا حکم
کے اور برائیوں سے منع کرے۔

(آل عمران)

اسلام میں فرد حاکم کو اس کی غلطی پر ٹوکتا ہے۔ حکومت اور معاشرے کی سیاست میں مشورہ دیتا ہے اور اس طرح جماعت کی پرورش سے نجات پاتا ہے۔

یہ جدید جماعتی سرکشی۔ جو آج تمام اجتماعی حکومتوں (TOTALITARIAN

STATES) میں نافذ ہے۔ ایک ایسی رجحیت ہے جس کو اسلام دست کرنے آیا

تھا۔ اور جس کے بارے میں اسلام کا آج بھی وہی موقف ہے جو ظہور اسلام کے وقت تھا

اسلام فرد اور جماعت میں توازن قائم کرتا ہے کہ کوئی ایک دوسرے پر ظلم نہ

کرے۔ اسلام میں فرد اور جماعت کا توازن اس غیر متغیر حقیقت سے مستفاد ہے۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

اس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا

اور اسی توازن سے اسلام رجحیتوں کو دور کرتا ہے!

* * *

بیسویں صدی جس ظلم و ستم سے دوچار ہے جو ظلم و ستم جنگ و صلح میں انسانوں پر

انسان کر رہے ہیں۔ اور جو ظلم قوموں پر دوسری قومیں اور افراد پر دوسرے افراد کر رہے ہیں

اور جو نسلی تعصب سامراج اور غلامی پھیلی ہوئی ہے۔ اور وحشیانہ سزائیں جو کیش حکمران

اپنے اقتدار بچانے کے لئے عوام کو دے رہے ہیں۔ آخر اس سب کو کیا نام دیا جائے؟

انسانیت کے لحاظ سے اسے کیا کہا جائے۔ رجحیت یا ترقی بہ کیا یہ کوئی نئی بات

ہے یا صرف وحشیت اور قتل اور سزاؤں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ؟
جب اسلام آیا تو اس نے متعدد مظالم کا سد باب کیا۔ اور انسانی ضمیر کو پاکیزگی دی اور
ظلم کے خلاف قوانین بنا کر ظلم سے روکا۔

نفس کو اس اہم مقام اور بھیانک کھوٹ سے پاک و صاف کیا۔ جو انسان کو اپنے
بھائی، انسان کے قتل، سزا اور ظلم پر مجبور کرتا ہے۔ اسلام نے صرف ایک جنگ کو جائز
رکھا۔ یعنی اللہ کے لئے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جنگ! اور اس مقدس جنگ میں بھی
وحشیانہ قتل، مثلہ اور تعذیب سے ممانعت کی۔ انسانی شروط رکھیں۔

بیویں صدی کی جو بھی کچھ ترقی ہے۔ وہ دراصل رجحیت ہے۔ جسے اسلام درست
کرنے آیا ہے۔ اسلام کا اس رجحیت کے بالمقابل آج بھی وہی موقف ہے۔ جو پہلے تھا
ہم اگر مغرب کی ساری ترقیات کو کھنگالتے چلے جائیں۔ تو معلوم ہو گا کہ یہ ترقی نہیں
بلکہ انحراف اور رجحیت ہے۔ یہ نام نہاد ترقی انسان کی میزان میں بھی انحراف اور زمانہ
کی مقیاس میں بھی انحراف ہے۔

| یہ حیوانیت کی جانب رجوع ہے۔

اسلام کا موقف ہر رجحیت کے بارے میں یکساں ہے یعنی اس رجحیت کو درست
اور صحیح کیا جائے اور ترقی کی ہدایت یا نہ قوت کو اختیار کیا جائے جو لوگوں کو صحیح راستہ
کی جانب لے چلے۔

فی الواقع ہم — مسلمانوں — کا مغرب کے مقابلے میں یہی موقف ہونا چاہیے۔
مگر ہم کہاں ہیں؟

ہم اور مغرب

اگر سارے مقدمات صحیح ہوں تو ان کے نتائج کو بھی صحیح ہونا چاہیئے۔
اگر اسلام صحیح راستہ پر لے جانے والی ترقی کی ہدایت یافتہ قوت ہے۔ اور مغربی
تہذیب میں اس قدر انحرافات اور حیوانیت موجود ہے۔ تو ہم مسلمانوں کو آج قوت
تمکن، ترقی، تہذیب اور حکومت پر ہونا چاہیئے تھا۔ ہمارے اخلاق اور عمل میں پوری
پوری پاکیزگی ہوتی۔ ہماری معاشرتی زندگی مربوط ہوتی۔ اور مغرب کمزوری، ذلت
اور مسکنت کا شکار ہوتا۔ مگر صورت حال اس کے برعکس ہے۔

مغرب مروت طاقتور اور ترقی یافتہ ہی نہیں۔ بلکہ اپنے انفرادی معاملات میں
بھی بڑا پاکیزہ اور بڑا مستقیم ہے۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکہ اور فریب نہیں دیتے
اپس میں چالبازیوں اور مکاریوں سے کام نہیں لکالتے۔ کوئی شخص اپنے دائرہ تعامل
میں جھوٹ نہیں بولتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اپنے عمل میں مخلص ہے۔ وہ اپنے
کام کو بہتر طریقہ پر اور پوری محنت سے کرتا ہے۔ اور —————
ہم مسلمان! دھوکہ دیتے ہیں۔ چالبازیوں اور مکاریوں سے کام لکالتے ہیں۔ جھوٹ
بولتے ہیں۔ منافقت برتتے ہیں۔ ہم اپنے کسی کام میں مخلص نہیں ہیں۔ کوئی بھی کام
بہتر طریقہ پر اور پوری محنت سے نہیں کرتے۔

مذہب بغیر پاکیزگی کے ————— اور پاکیزگی بغیر مذہب کے۔

اسلامی دنیا میں نئی نسلوں کے ذہنوں میں کچھ اسی قسم کی صورت بنتی ہے جو انہیں

اسلام سے برگشتہ کر دیتی ہے !

اور یہ صورت خود بخود پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ گذشتہ صدی میں اس کے لئے بڑی جدوجہد کی گئی، اور اس صدی میں بھی جاری ہے۔

مشرقیوں اور مشرقین نے بڑی کوششیں کی ہیں۔ پھر اسلامی دنیا میں ان کے مسلمان شاگردوں نے اس کام کو سنبھالا۔ اور مسلسل نئی نسل کے ذہنوں میں یہ باتیں چھوڑتے رہے تاکہ ان ظاہری حقائق میں ربط پیدا کر کے اپنا مطلب حاصل کریں۔

مشرقی کھلم کھلا کہتے رہے کہ اسلام رجعی اور متاخر ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والے رجعی اور پس ماندہ ہیں اور مسیحیت ترقی یافتہ اور مہذب ہے۔ کیونکہ مغربی دنیا مہذب اور ترقی یافتہ ہے۔

مشرقیین (یہ وہ مشرقی ہیں جنہوں نے اپنے مشرقی ہونے پر پردہ ڈالنے کیلئے علمی بحث کا بارادہ اڑھ لیا۔) نے کہا کہ رجعیت اور متاخر خود اسلام میں ہے اور اسی نے اپنے ماننے والوں کو تنزل اور پس ماندگی میں مبتلا کیا ہے۔ کیونکہ اسلام ترقی کا مخالف ہے نہ ترقی کرتا ہے اور نہ ترقی کرنے کی اجازت دیتا ہے ! (شائد وہ یہ بھی کہتے ہوں کہ اسلام جہالت اور ابواب قوت کے نہ اپنانے کا درس دیتا ہے)

پھر ان کے مسلمان شاگردوں کو مصمانت، ادب اور سیاست کے علمبردار بن کے آئے اور انہوں نے کہنا شروع کیا یہیں اس غیر ترقی پذیر رجعی اور متاخر مذہب کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ ہم ترقی کر سکیں ! تاکہ ہم علم، قوت، ترقی اور حکومت حاصل کر کے یورپ جیسے بن سکیں۔ اسلامی دنیا کی نئی نسلوں میں یہ زہر ملا پرچار کیا جاتا رہا۔ تاکہ ایک خاص مقصد حاصل کیا جاسکے۔ کہ ہم متاخر ہیں۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں اور یورپ تہذیب یافتہ ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

پھر جب زمانہ نے پٹنا کھایا۔ تو مشرکیوں کے اقوال اور جمل ہو گئے۔ اور خود مشرکی

پس پردہ چلے گئے۔ کیونکہ وہ اب اپنے مسلمان شاگردوں پر مطمئن ہو گئے تھے کہ وہ ان کی طرف سے اس کام کو انجام دیتے رہیں گے۔ وہ حکومت کی تعلیمی سیاست پر بھی مطمئن تھے جس تعلیمی سیاست کو سامراج نے جنم دیا تھا۔ کیونکہ حکومت اور سیاست اسی کے ہتھکنڈے تھی۔ سیاست یہ تھی کہ نئی نسل کو اسلام کی حقیقت کی ہوا بھی نہ لگنے پائے۔ بلکہ ان کے ذہنوں میں صرف یورپ کی ترقی اور تہذیب کے افسانے جاگزیں کئے جاتے۔ اور ان کی فکر میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام کے بارے میں شبہات چھوڑے جاتے۔

اسی طرح مشنری، مشنری اسکولوں کی کارکردگی پر بھی مطمئن تھے کہ وہ مسلمانوں کے عقائد تباہ کرنے میں بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور انھوں نے مسلمانوں کی گزشتہ تہذیب مغرب کی جانب موڑ دی ہیں۔

وہ اپنے شاگردوں کے اس کڑوت سے بھی مطمئن تھے کہ انھوں نے مستشرقین کے کارناموں کو اس قدر بڑا کر کے دکھایا کہ عملاً نگر و عمل کے رہتہ مادہ ہی بن گئے، اور ان کو یہ قدرت حاصل ہو گئی کہ وہ اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں!

انیسویں صدی کے آخر میں مستشرقین جو اسلام پر شدید ترین حملے کر رہے تھے۔ اب وہ بھی بند ہو گئے۔ کیونکہ انھیں تجربہ سے معلوم ہو گیا کہ اس طرح مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ مسلمانوں نے بیدار ہو کر اپنی عقل اور قلم سے اسلام کا دفاع شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ اس زمانہ میں اسلام کی مدافعت میں سینکڑوں کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اور ایسا ہونا مستشرقین کے مقاصد کے لئے عظیم خطرہ تھا۔ اس خطرے کا معاصر مستشرق ولفرڈ کینٹھل نے اپنی کتاب "Islam in Modern History" میں تذکرہ کیا ہے۔

”آزادی پسند مصنفین کی چلائی ہوئی تحریک آزادی جو مذہبی تنقید پر مشتمل تھی کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی۔ اگر اسلام کی مدافعت درمیان میں نہ آ جاتی۔“
اس لئے اب مستشرقین نے زیادہ بدتر و سید اختیار کیا کہ بجائے لوگوں کو بیدار کرنے کے

ان کے شعور کو سلا دیا جائے چنانچہ انھوں نے اسلام کی عظمت و برتری بیان کرنا شروع کر دی۔ اور جب مسلمان مطمئن ہو گئے کہ مستشرقین کا ارادہ پاکیزہ اور ان کا علمی ضمیر بے تعصب ہے تو انھوں نے اس شہد میں زہر کی آمیزش شروع کر دی۔ اور مدح و ثنا کے ضمن میں شک و شبہ پیدا کرنے لگے۔ اور اپنے اس کارنامے پر مطمئن ہو گئے۔ پھر یہ پرچار شروع کیا کہ کسی وقت اسلام بیشک عظیم نافع اور ترقی کا سبب تھا۔ اب تو اسلام ترقی کی راہ میں ایک سنگین رکاوٹ ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ مغرب کے تمام وسائل اپنالے جائیں۔

(پروفیسر گب کی *Modern Trends in Islam*) گردنیام

کی اسلام اور ولفرڈ اسمتھ کی *Islam in Modern History* دیکھئے

اب پہلے اور دوسرے حملے کے بعد کئی جگہ ایک نئی دعوت شروع ہوئی۔ جو آج تک

جاری ہے۔ اور اس تحریک کو مستشرقین کے مسلمان مخلص شاگرد چلا رہے ہیں کہ یورپ ترقی

یافتہ ہے کیونکہ وہ لائے مذہب ہے۔ یورپ نے مذہب سے کنارہ کش ہو کر تہذیب

ترقی حاصل کی۔ اور قوت و طاقت کا سرچشمہ بن گیا۔ مگر ہم مسلمان چونکہ مذہب پرست ہیں

اس لئے ہم پس ماندہ بھی ہیں۔

ہیں بھی یورپ کی طرح مذہب سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔ تاکہ ہم بھی ترقی

اور تہذیب حاصل کر سکیں۔ اور ہمیں بھی قوت و طاقت حاصل ہو جائے۔ یہ ضروری نہیں

کہ ہم ملحد و کافر بنیں۔ پس ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ معاشرے اور عمل

زندگی میں مذہب کا کوئی دخل نہ رہے۔

یہ ہے مشرکین، مستشرقین اور سامراج کی تمام کرشماتوں کا ماحصل۔!!

.....*

مگر ذرا اس دو صدی طویل قصہ سے نظر ثانی جائے۔ تو ایک واقعی حقیقت کے

اسباب کی وضاحت ضروری ہو جاتی ہے کہ مغرب اپنے شب و روز کے معاملات میں

حی اور معنوی لطافت اور قوت و تکیں کا حامل رہا۔ (مستفی مسائل سے قطع نظر کرتے ہوئے)
اور اسلامی مشرقی اور معنوی گندگی ضعف اور پس ماندگی کا شکار رہا۔ (اور مستفی اخلاق
بھی فساد سے دوچار رہے۔)

یہ واقعہ ہے اور اس کے اسباب کی نشاندہی ضروری ہے تاکہ حقیقت واضح اور جو
مقدمات ہم نے شروع میں بیان کئے ہیں۔ ان میں اور عملی زندگی میں ربط واضح ہو جاتے۔ !
یہ ایک انتہائی گمراہ کن بات ہے کہ مشرق میں مذہب ہے، پاکیزگی نہیں اور مغرب
میں پاکیزگی ہے مذہب نہیں۔ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے
آج کا یورپ مذہب پرست نہیں ہے۔ یعنی مذہب اس کی عملی زندگی پر
حکمران نہیں ہے۔ مذہب، معاشرہ، معیشت، سیاست اور لوگوں کی فکری رہنمائی
میں اپنا کوئی اثر نہیں رکھتا۔ مذہب صرف چند لمحات کے لئے کلیسا میں لوگوں کے
شعور پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یا جب وہ کسی پادری کی محفل میں ہوتے یا کوئی مذہبی قصہ
سننے ہوتے ہیں۔ اس وقت مذہب اثر انداز ہوتا ہے!!

مگر چند صدیوں پہلے صورت حال ایسی نہ تھی۔ بلکہ لوگوں کے دلوں میں عقیدہ راسخ
اور زندگی میں اس کے اثرات قوی تھے۔

پوری طرح تو مسیحی یورپ کبھی بھی نہیں رہا۔ کیونکہ یورپی ضمیر میں — مسیحیت کے
پردے میں چھپے ہوئے — یونانی فنکار اور تہذیب کے نہایت گہرے آثار تھے جو
شعوری یا غیر شعوری طور پر مغربی زندگی کی راہنمائی کر رہے تھے۔ مگر پھر بھی قرون وسطیٰ
میں مسیحیت ہی غالب تھی۔

پھر لوگ کئی اسباب کی بناء پر کلیسا سے بیزار ہو گئے۔

کلیسائی نظام ایک ظالمانہ اور جابرانہ طاقت تھی جس نے لوگوں پر تادان شکنجے
لگا لگا کر ان کی زندگی کھٹن بنا دی تھی۔

مذہب
پاکیزگی

✓ کلیانے لوگوں کا اہل مذہب کے سامنے ذلت آمیز طور پر جھکا فرض کر رکھا تھا!
 ✓ کلیانے بیکار علمی مفروضے آسمانی وحی بنا کر لوگوں پر مستط کر دیتے تھے۔ اور جب تجربی
 اور نظری سائنس نے ان مفروضات کو جھوٹا ثابت کر دیا، تو کلیانے سائنس دانوں کو آگ
 میں جلایا اور طرح طرح کی سزائیں دیں۔ چنانچہ کوپرنیکس، گیلیلیو اور برادلو کو اس لئے سزائیں
 دی گئیں کہ انہوں نے شکل ارض اور مرکز زمین کے بارے میں کلیسا کا نظریہ ماننے سے انکار
 کر دیا تھا۔

✓ پروانہ لئے مغفرت کے اجراء نے مذہب سے ساری تقدیس چھین کر اسے بالکل مذاق
 اور مضحکہ خیز شے بنا کر رکھ دیا۔

✓ اور اہل مذہب اپنے فاسد اخلاق کو رہبانیت کے پردے میں چھپاتے ہوئے تھے
 اور ان کی اخلاقی گراؤ کا یہ حال تھا کہ ایک مذہب سے دوسرا آدمی بھی اس قدر
 نہیں گرسکتا۔!

ان تمام باتوں سے مذہب اور زندگی ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے
 اور مذہب عملی زندگی سے نکل کر صرف ضمیر کے گوشے میں پڑا رہ گیا۔
 اس کے بعد مغربی زندگی میں ایسے واقعات رونما ہوتے۔ جن کے بڑے دور رس
 نتائج نکلے۔ یہ واقعات صلیبی جنگیں ہیں۔

ان تمام صلیبی جنگوں میں مسیحی شکستوں پر شکستیں کھاتے رہے۔ جس سے وہ یہ سوچنے
 پر مجبور ہو گئے کہ مزدوران کی زندگی میں کچھ ایسی غلطیاں اور اختلال ہیں۔ جو انہیں اس بُری
 شکست سے دوچار کر رہے ہیں، اور مسلمانوں کی زندگی میں سلامتی اور قوت کے ایسے
 اسباب پنہاں ہیں۔ جنہوں نے ان کو کامیابی عطا کی۔

یہی فکری بیداری یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا سبب بنی۔
 ✓ یہ نشاۃ ثانیہ علمی، اجتماعی سیاسی، فکری اور روحانی ہمہ پہلو تھی۔

۱ "جدید دنیا پر عربی تہذیب نے سب سے بڑا احسان کیا ہے۔ اگرچہ اس کے ثمرات
 ذرا دیر سے سامنے آئے۔ اسپین میں عربی ثقافت نے جس عمق پریت کو جنم دیا تھا۔ وہ اس
 تہذیب کے روپوش ہونے کے کافی عرصہ بعد جلوہ گر ہوئی۔ صرف علم ہی نے یورپ کو
 زندگی نہیں بخشی۔ بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے موثرات نے اپنی ابتدائی
 کمزیری مغربی زندگی پر ڈالی ہیں۔ یورپی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کا مرجع یقینی
 طور پر اسلامی ثقافت کے موثرات نہ ہوں۔ یہ موثرات نہایت وضاحت اور اہمیت
 کے ساتھ جدید دنیا کی قوت تشکیل کرتے ہیں۔ اور جدید دنیا کی قوت یعنی طبعی علوم اور بحث
 کے علمی انداز پر اثر انداز ہوتے ہیں "بریلوٹ۔ تعمیر انسانیت" *Making of Humanity*
 بریلوٹ جہاں علوم اور بحث کے علمی انداز کو اہمیت دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ یورپ
 کی نشاۃ ثانیہ میں اور کس قدر اثر انداز ہوتے ہیں۔ وہاں اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں
 کرتا کہ

"یورپی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے، کہ جس کا مرجع یقینی طور پر اسلامی ثقافت
 کے موثرات نہ ہوں"

یہاں تفصیل کا تو موقع نہیں ہے کیونکہ یہ تاریخ کا موضوع ہے مگر مختصر طور پر یہ
 وضاحت ضروری ہے۔ کہ صلیبی جنگوں کے بعد یورپ نے قومی نظام کی جانب توجہ
 دی ہے۔ جب کہ اس وقت تک یورپ میں جاگیرداریاں ہوا کرتی تھیں۔ اور جاگیردار
 ہی تمام قانونی، عدالتی اور نفاذی قوت ہوا کرتا تھا۔ اور اس کے رقبہ زمین میں بسنے والے
 اس کے غلام ہوتے تھے۔ جب عیسائیوں نے اسلامی دنیا میں ایک قومی نظام، ایک
 مرکزی حکومت اور سب پر یکساں طور پر منطبق ہونے والا قانون دیکھا تو انہوں نے
 اس سارے نظام کو اپنے یہاں زواج دیا، اور جاگیرداری نظام ختم کر کے اور غلاموں
 کو مسلمانوں کی طرح آزاد کر کے ایک ملک اور ایک حکومت کی تشکیل کی۔

میلیں جنگیں اور اسلامی فکر اور ثقافت ہی کیلئے کے خلاف مذہبی بغاوت کا سبب بنیں جس کے سرخیل مارٹن بوٹھر اور کال دن تھے۔

یہی امور آزادی کی تمام عظیم تحریکات کا سبب بنے۔ میگنا کارٹا اور انسانی حقوق کا اعلان بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یورپ کا اخلاق بھی متاثر ہوا۔ اور شکست خوردہ عیسائیوں نے فاتح مسلمانوں سے ان کے شخصی اخلاق سیکھے۔ جیسے صدق، امانت، اخلاص، اتحاد، ربط، محبت، مودت اور بری باتوں سے تحفظ۔

جب شام میں عیسائی مسلمانوں کے ساتھ رہتے تھے۔ تو ان کے سامنے یہ مناظر آتے تھے کہ جب نماز کا وقت آیا مسلمان تاجر اپنی دکان کھلی چھوڑ کر نماز کو چلا گیا اور واپس آیا تو سامان اسی طرح محفوظ پایا۔ اور کسی نے چھو یا تک نہیں! اسفوں نے یہ بھی دیکھا کہ مسلمانوں میں چھوٹا بڑے کا احترام کرتا ہے۔ سلام عام ہے۔ زبان سے بھی سلامتی بھیجتا ہے۔ اور معاشرے میں بھی سلامتی موجود ہے۔ اسفوں نے یہ بھی دیکھا کہ اہل صنعت و حرفت اپنی صنعتوں کو بہتر بنانے اور کام میں مخلص ہیں۔ اور مسلمان تاجر کا اصل سرمایہ اس کی ذمہ داری ہے۔ وہ وعدہ پورا کرتا اور وقت کا پابند ہے۔ اندلس اور مشرق کی درس گاہوں سے تجربی اسکول مغرب میں پہنچا۔ اور اس سے ایک عظیم علمی تحریک ابھری۔ یہ علمی تحریک اور مندرجہ بالا امور مغربی زندگی پر یکساں طور سے اثر انداز ہوئے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مغربی اخلاق دراصل مذہبی ہے اور اس کا سرچشمہ مسیحیت اور اسلام دونوں ہیں۔!

گذشتہ بیان کردہ اسباب کے ماتحت مغربی زندگی میں مذہب اور زندگی میں جو کش مکش رونما ہوئی۔ کئی صدیوں تک آہستہ آہستہ بڑھتی چلی گئی، اور انیسویں صدی کے

آخر ادریسویں صدی کے شروع میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔
 علم مذہب سے جدا ہوا۔ تو تحریکِ احیائے علوم نے لادینی — بلکہ مذہب
 دشمن — بنیادوں پر اپنی عمارت اٹھائی۔

معاشرہ مذہب سے جدا ہوا۔ توحید پر اجتماعی ارتقاء لادینی بنیادوں پر استوار ہوا۔
 اگرچہ اس کی بنیادیں مذہب دشمن نہ تھیں

اخلاق بھی مذہب سے علیحدہ ہو گیا۔ اور لوگ کہنے لگے کہ اخلاق تو بڑی
 اچھی چیز ہے مگر یہ کیا ضروری کہ ہم اخلاق کا سرچشمہ مذہبی تعلیمات کو بنائیں۔ ہم اخلاق میں ^{واقفیت}
 عقل اور اجتماعی ضمیر سے استفادہ کریں گے۔ یا یہ کہیں کہ مذہب کے سوا ہر شے کو اخلاق
 کا سرچشمہ بنائیں گے (اور اس اخلاق میں جنسی اخلاق شامل نہیں ہے۔ کیونکہ شیاطین
 کی ہدایات کے زیر اثر جنسی اخلاق کا تعلق ہی ختم کر دیا گیا)۔

۱۔ غرض یورپ کے پاس اخلاق تو رہا۔ مگر اس پر مذہب کا نام باقی نہ رہا۔
 اخلاق کی مذہب سے بیگانگی اس قدر شدید تھی کہ لوگ اس امر ہی سے متنفر
 ہو گئے کہ اخلاق کا کوئی تعلق مذہب سے بھی ہو۔ بلکہ انہوں نے اس امر سے صاف
 صاف انکار کر دیا کہ اخلاق کا مذہب سے بھی کوئی تعلق ہے۔ بلکہ وہ اس بات پر اسرار
 کرنے لگے کہ اگر اخلاق، مذہب کا لبادہ اوڑھ کر آیا تو ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔
 اخلاق تو ہو سکتا ہے۔ مگر اس کا مذہب سے تعلق گوارا نہیں ہے۔ اگر اخلاق مذہب
 کے ساتھ آیا تو ہم دونوں کو چھوڑ کر غیر اخلاقی بن جائیں گے۔ جیسے ہم پہلے غیر مذہبی بن چکے ہیں۔
 اس خطرے کے ماتحت کہ کہیں اخلاق کے ساتھ مذہب — آجلتے — وجودیت
 جیسے مذہب قائم کئے گئے۔ "وجودیت" میں اخلاقی بنیادوں پر تنقید کی گئی۔ اور کہا گیا کہ اخلاق کا
 سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔ جو کچھ میں اچھا خیال کرتا ہوں۔ وہ اچھا ہے۔ اور جو کچھ میں
 بُرا خیال کرتا ہوں وہ بُرا ہے۔

مگر یہ ارتقائی مرحلہ ہے! اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صورت حال ہمیشہ باقی رہے گی۔ جو تاریخ کے ایک تھوڑے سے وقفہ کو دیکھتے ہیں۔ جیسے کوئی گھڑی کی چھوٹی سوئی کو چند منٹ دیکھ کر کہے کہ یہ تو حرکت ہی نہیں کرتی۔

مغربی اخلاق جس کا سرچشمہ مذہب ہی تھا۔ کچھ وقت تک اپنے اصل سرچشمہ سے جدا ہو کر باقی رہا، اور بغیر مذہب کا نام لئے مذہب ہی کی قوت سے آگے بڑھتا رہا۔

یورپ کافی عرصہ تک پاکیزہ اخلاق کی بنیاد پر اپنے معاملات انجام دیتا رہا۔

ایک مغربی آدمی نہ آپ کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ روزانہ کے معاملات میں فریب

دیتا ہے۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو اس کے دلی مقصد کے خلاف ہو۔ وہ تمہیں

بیکار سامان نہیں دیتا۔ اور وعدہ کر کے وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ — سوائے سیاست کے!

اسلامی دنیا میں لوگ یہ کہتے ہوئے سناتی دیتے ہیں کہ سیاست کو بحث میں

نہ لاؤ۔ سیاست تو دھوکہ ہے ہی۔ البتہ یورپ کے شخصی عمل کو دیکھو تو وہ بعینہ وہی

اخلاق ہے۔ جو تم اسلام کی جانب منسوب کرتے ہو۔ وہاں جو کچھ ہے ملے ہے۔ ہر جگہ

اس کے مطابق تربیت پاتا ہے۔ اور معاشرہ بھی تربیت حاصل کرتا ہے۔ وہاں اس

قسم کے نظریات نہیں ہیں جو آپ اسلام کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ وہاں وعظ و

نصیحتیں نہیں ہیں۔ وہاں تو تربیتی حقائق کار فرما ہیں۔ بچہ کی تربیت کے لئے بڑی جدوجہد

کی جاتی ہے۔ گھر میں والدین، اسکول میں اساتذہ اور خارجی دنیا میں معاشرہ بچہ کی

تربیت کرتا ہے۔ — اس طرح اس تربیت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں!

وہاں والدین بذاتِ خود مثال ہوتے ہیں۔ ماں باپ بچہ کے سامنے جھوٹ نہیں

بولتے، اور بچہ جھوٹ کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ تو وہ خاندان میں موجود واقعی سچائی سے

متاثر ہوتا ہے۔ اور بچہ اسکول جاتا ہے۔ تو وہاں سچائی پاتا ہے۔ — چنانچہ بچہ بھی

سچ بولنے لگتا ہے۔ اور جھوٹ سے احتراز کرتا ہے۔

یہی حال ایمانداری کا ہے کہ نہ مال باپ خیانت کرتے ہیں۔ نہ اسکول اور معاشرے میں خیانت نظر آتی ہے۔ تو بچہ کے نفس میں امانت ایک واقعی حقیقت بن کر جاگزیں ہو جاتی ہے۔ — یہی حال غمّی آداب کا ہے۔

غرض مغرب کی خوبیاں اس طرح ابھرتی ہیں۔ جو اسلامی دنیا میں موجود نہیں ہیں | ان کے پاس حقیقت ہے اور ہمارے پاس کھوکھلے مذہبی وعظ!

• لادینی بنیادوں پر سب کچھ کرتے ہیں۔ اور کامیاب ہوتے ہیں۔ اہم مذہب کے نام پر کرتے ہیں۔ اور ناکام ہوتے ہیں۔!

بیشک ظاہری صورت تو کچھ ایسی ہی ہے۔! مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ارتقائی مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے اور اس کے حتمی نتائج سامنے آنے والے ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ مغرب میں اخلاق کے اپنے اصل سرچشمہ (مذہب) سے علیحدہ ہونے کے کیا نتائج رہے۔؟

— | پہلے تو سیاست کھلم کھلا غیر اخلاقی بنیادوں پر قائم ہوتی۔ داخلی سیاست میں طبقہ حاکم نے تمام طبقات کے مفاد قربان کر کے اپنے مصالح کے لئے قوانین بنائے۔ اور ماہرین سیاسیات اور معاشیات نے خیال کیا کہ یہ معاشی جبریت ہے۔ حالانکہ اس کے سوا کوئی جبریت نہ تھی کہ جب سیاست مذہب سے علیحدہ ہو گئی تو سیاست غیر اخلاقی ہو گئی۔ اور جب مسلمان صحیح مسلمان تھے تو ان کے یہاں طبقہ حاکم اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے قانون نہیں بناتا تھا، بلکہ حکام اجتماعی اہل مذہب ہی قوانین نافذ کیا کرتے تھے۔!

خارجی سیاست میں تو مغربی سیاست تمام تر دھوکہ، فریب، خیانت، لوٹ چوری، غصب اور لوگوں کا خون چوسنے والی ہے! ماہرین سیاسیات اور معاشیات یہ

خیال کرتے ہیں کہ یہ بھی معاشی جبریت ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ ہے۔ دین و سیاست کی علیحدگی کا۔ جب مسلمان صحیح مسلمان تھے۔ تو ان کی خارجی سیاست جنگ اور صلح دونوں حالتوں میں صدق اور امانت پر قائم تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی عہد و میثاق کی حفاظت تاریخ میں مزب الثل ہے۔ سر تھامس آرنلڈ اپنی کتاب ”دعوتِ اسلام“ میں لکھتے ہیں۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے حیرہ سے متصل شہروں کے لوگوں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط طے پائی تھی کہ اگر ہم تمہاری حفاظت کرتے رہے تو جزیرہ لیں گے۔ ورنہ نہیں لیں گے مگر جب ابو عبیدہؓ کو ہرقتل کے حملہ کی تیاری کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے ان شہروں کے باشندوں کو لکھ بھیجا کہ جو روپیہ ہم نے تم سے لیا تھا۔ اس کو واپس کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو خبر پہنچی ہے کہ ایک جری لشکر ہمارے مقابلے کے لئے کوچ پر ہے۔ ہم میں اور تم میں یہ وعدہ تھا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ چونکہ یہ بات اب ہماری قدرت میں نہیں ہے۔ اس لئے جو کچھ ہم نے تم سے لیا تھا۔ واپس کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم فتحیاب ہوتے تو ہم ان شرائط کے پابند ہوں گے۔ جو از روئے عہد ہمارے مابین ہیں۔“

یہ ہے اسلام!

اس کے بعد مغرب میں صنعتی تعلقات اخلاق سے علیحدہ ہوئے۔ اور لوگ یہ کہنے لگے کہ یہ ارتقاء ہے۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ ارتقاء نہیں۔ بلکہ اختلال ہے۔ جنسی تنزل اور حیوانی اباحت مغربی معاشرے پر کس طرح چھا چکی ہے۔ اس کے بیان کی ضرورت نہیں بس کے لئے بیسویں صدی کے اہل مغرب کی اپنی گواہی کافی ہے۔ جس میں وہ صنعتی احساق

۱۰۔ دعوتِ اسلام۔ سر تھامس آرنلڈ۔ اردو ترجمہ محمد غایت اللہ دہلوی ناشر مسعود پبلیک ایڈس کراچی ص ۷۳

کے نوال کا رونا دوتے ہیں۔ ہیں تو صرف اس ارتقار کو بیان کرنا ہے جو مغرب میں اخلاق کو اس کے اصل سرچشمہ — مذہب — سے جدا کرنے کے بعد رونما ہوا ہے۔ اور اس پھر چشمہ سے جدا ہونے کے بعد کس طرح اخلاق میں رفتہ رفتہ فساد پیدا ہوتا گیا! لوگوں کو جس بات سے دھوکہ ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ اخلاقی فساد —

جو اخلاقی مفاہیم کے مذہب سے علیحدہ ہونے کی بنا پر رونما ہوا ہے — یہ اخلاقی فساد صرف صنفی مسائل تک محدود ہے اور اخلاق کے دوسرے پہلوؤں پر ابھی تک انداز نہیں ہوا ہے — ہم اس فساد کا نام جبری ارتقار رکھ لیں گے! اگر ہمارا باقی اخلاق درست ہے۔ اور باہمی تعامل پاکیزہ ہے۔ اور اگر ہم اس صنفی اخلاق کے فساد کو دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو اس کو جائز کر دینے میں کیا نقصان ہے۔

مغرب میں مرد و زن صنفی مسائل میں اخلاقی اباحت سے دوچار ہیں۔ مگر پھر بھی وہ معاملات میں درست ہیں۔ وہ پھر بھی خیانت نہیں کرتے، جھوٹ نہیں بولتے دھوکہ نہیں دیتے۔ ان کا ضمیر مطمئن اور وہ اپنے اعمال میں مخلص ہیں۔ تو اگر ہم بھی ان کے طریقہ پر چلیں تو کیا نقصان ہے! اور مذہب کو اپنا کر ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ اس موقع پر بیویں صدی کی گواہی ملاحظہ فرمائیے۔

مغرب کی نئی نسل میں آج اخلاق کہاں ہے؟ وہاں لوٹ مار ہے۔ چوریاں اور جرائم ہیں۔ ایفون اور بھنگ پینے کے لئے انجنیں بنی ہوئی ہیں۔ کیا یہ ہی اخلاق ہے؟

طلاق دلوانے والی انجنیں ہیں۔ جو شہروں اور بیویوں کو زنا کے واقعہ میں ملوث کر کے پولیس سے پکڑوا دیتے ہیں۔ تاکہ طلاق حاصل کرنے میں سہولت ہو اور اس کا سبب بیان کیا جاسکے۔۔۔۔۔ ان انجنوں کو ڈاکٹروں اور وکیلوں کی خدمات حاصل ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ کیا یہ ہی اخلاق ہے؟

جیسی بے راہ روی کی خاطر ملک کے جنگی اسرار دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے جاتے ہیں۔ کیا یہی اخلاق ہیں؟

یہ ایسے انفرادی حالات نہیں ہیں۔ جو ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی، بلکہ یہ ایک اجتماعی مظہر ہے جس کی تحقیقات نئے نئے کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں جو جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار پر قبضہ کرتی ہیں!

مغرب کے وہ عام اخلاق جو ضرب المثل تھے۔ ٹرام اور بس میں ایمانداری اور ٹکٹ لینے سے بچنے کی کوشش نہ کرنا۔ یورپ کی نئی نسل اس اخلاق سے بھی ذرا حاصل کر رہی ہے اور ان امور سے بھی منکر ہے!

کہتے ہیں کہ یہ جنگ کا اثر ہے! — مگر —

مسلمانوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑیں۔ آدھی صدی تو مسلسل جنگوں میں گزری مگر اسی نصف صدی میں اخلاق نے اپنی بنیادیں بنائیں۔ اور جہاں جہاں شکر اسلام گیا۔ اخلاق بھی پھیلنا گیا۔!

اخلاقی اباحت کی وجہ جنگ نہیں مذہب بیزاری ہے۔ اور اخلاق جب اپنے اصل سرچشمہ سے علیحدہ ہو گیا۔ تو اس کا اور کوئی سرچشمہ باقی نہیں رہا!

مغرب کے لوگ ایک بہت بڑے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مذہب سے دور رہ کر کامیاب ہو سکتے اور اخلاق پر قائم رہ سکتے ہیں!

یہ تغیر کا ایک ایسا مرحلہ ہے۔ جس پر ٹھہرا نہیں جاسکتا۔ جس طرح کسی پھسلوان

چٹان پر کوئی شخص نہیں ٹھہر سکتا!؟

اخلاقی فساد سیاست سے شروع ہوا۔ پھر جنس میں آیا۔ اور پھر تمام اخلاق میں سرایت کر گیا۔ یہ ایک حتمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کی سنت ہے اور کائنات میں اللہ

کی سنت ہی "جبریت" ہے

قوت و طاقت، ترقی اور ارتقاء کے وہ سارے مظاہر — جن کو دیکھ کر مغرب اور مشرق سب جگہ لوگ فریب کھا رہے ہیں۔ اور سمجھ رہے ہیں کہ وہ اللہ کے قانون سے علیحدہ ہو کر کامیاب زندگی گزار سکتے ہیں — یہ مظاہر فریب سے زیادہ کچھ نہیں ہیں — کینیڈی اور خرو شچیف کے بیانات آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

یہ دونوں لیڈر امریکہ اور روس کے مستقبل سے خائف ہیں۔ ان کے اقوال تمسخر پر مبنی نہیں بلکہ ایک ایسی حقیقت ہیں جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جو حقیقت فریبی مصنفین، ترقی پسندوں اور ارتقاء پرستوں کی نظروں سے اوجھل ہے مغرب کی ساری عظیم قوت صرف اس وجہ سے کم ہے کہ اس کے پاس ابھی تک اخلاق کا وہ ستھوڑا سا حصہ باقی ہے جس کا سرچشمہ کبھی مذہب ہی تھا۔ مگر جب اخلاق مذہب سے جدا ہو گیا تو رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوتا گیا۔ اور یہ زوال خطرناک حدوں تک پہنچ گیا تو کینیڈی اور خرو شچیف کو بھی لب کشائی کرنا پڑی۔

یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اب مغرب چند دنوں اور سالوں میں ختم ہو جائیگا! قوموں کی عمروں کا حساب دنوں اور سالوں سے نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ نسلوں سے ہوتا کرتا ہے — مگر ان نسلوں سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ خطر زوال ترقی پذیر ہے۔ یا نزول پذیر!

بیویں صدی کی گواہی ہمیں اس سوال کا جواب دیتی ہے۔ یہ پوری وضاحت سے بتاتی ہے کہ موجودہ نسل نزول کی جانب رواں ہے! | بغیر مذہب کے اخلاقی پاکیزگی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ جو کچھ آپ مغرب میں دیکھ رہے ہیں۔ یہ تو نزول کا ایک مرحلہ ہے۔

اس کے بعد کا مرحلہ مکمل اخلاقی گندگی اور نجاست کا مرحلہ ہے — قوموں کا زوال بڑا سست رفتار ہوتا ہے۔ اور وہ کئی کئی نسلوں میں جا کر زوال پذیر ہوتی ہیں اور

مغرب تنزل کی راہ پر لگ چکا ہے اور خود اہل مغرب اس کی گواہی دے چکے ہیں!

* * *

وہ گئے ہم — تو ہم مسلمان نہیں ہیں!

ہم تو نام کے مسلمان ہیں۔ یا ہمیں مسلمان اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہم اس سرزمین میں رہتے ہیں جہاں کبھی مسلمان رہا کرتے تھے۔؟

ہمیں اسلام سے کیا واسطہ!؟ ہماری زندگی کے کون سے پہلو پر اسلام کی حکمرانی

ہے!؟

اسلام نہ ہماری واقعاتی زندگی پر حکمران ہے۔ اور نہ ہی ہماری انفرادی زندگی اسلام کے زیر اثر ہے۔ تو ہم مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں!؟

میں نے اپنی کتاب ”کیا ہم مسلمان ہیں؟“ میں اسلام سے دُور ہونے اور اس سے بغاوت کو بیان کیا ہے۔ یہاں پر اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ہر شخص اپنے دل سے پوچھے کہ اس کی زندگی کے کون سے پہلو پر اسلام کی حکمرانی ہے!؟

یہ جو عبادات — صوم و صلوٰۃ اور حج کی شکل میں اسلامی عقیدے کے باقیماندہ آثار ہیں۔ یہ ہرگز اسلام نہیں ہیں!

لَئِنْ اَلْبَسْنَا اَنْ تَوَلَّوْاْ وُجُوْهُكُمْ	نیک یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق کی جانب کرلو
قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَئِنْ اَلْبَسْنَا مِنْ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	یا مغرب کی جانب۔ مگر نیک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر یقین رکھے قیامت کے دن پر اور زلزلوں
الْاٰخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّنَ	پر اور زمیوں پر اور مال دینا جو اللہ کی محبت
وَ اٰتٰی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهِ ذَوِّ عِلْمٍ	میں رشتہ داروں کو عقیقوں اور محتاجوں کو اور
اَلْقُرْبٰنِیْ وَالْيَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ	مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گرنے
وَابْنِ السَّبِیْلِ وَالتَّالِبِیْنَ	چھڑانے میں اور نماز کی پابندی کرتا ہو۔ اور

وَفِي السَّرَّابِ رَاقِمَ الصَّلَاةِ وَالْقَابِ
الْمُكَاتِلَةِ وَالْمُؤْتُونَ بَعْضُهُمْ إِذَا عَاهَدُوا
وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالْفُسَاءِ
وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا
وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

ذکرۃ بھی ادا کرتا ہو۔ اور جو اپنے عہد
کو پورا کرتے ہیں جب وہ عہد کر لیں مستقل
رہنے والے ہوں۔ تنگ کتلی میں اور
بیماری میں اور قتال میں یہ لوگ ہیں جو سچے
ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

(البقرہ - ۱۷۷)

فَلَا ذَرْبَكَ لَا يُوَفِّيهِمْ هَنًى
يُخَفِّفُونَ فِيمَا شَجَعْنَا بَيْنَهُمْ ثُمَّ
لَا يَجِدُوا حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ
وَيُسَلِّمُوا اسْلِيمًا

پھر تم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ
ایماندار نہ ہوں گے۔ جب تک یہ بات نہ
ہو کہ آپس میں جو جھگڑا واقع ہو۔ اس
میں یہ لوگ آپ سے نصیحت کر دیں اور
پورا پورا تسلیم کر لیں۔

(النساء - ۶۵)

اسلام تو یہ ہے کہ ہم ہر لمحہ اور ہر عمل میں مسلمان ہوں۔ ہمارے معاشرے، اور زندگی
کے مسائل، انفرادی معاملات اور شخصی عمل سب اسلام کے زیر اثر ہوں۔ اور اس کی ہدایت
میں انجام دیتے جاتیں! اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہم مسلمان نہیں ہیں۔
اسلام تو یہ ہے کہ ہمارا اخلاق اور ہمارا عمل، ہمارا معاشرہ اور ہماری واقعی زندگی
ہماری معیشت اور ہماری سیاست سب اسلام سے ہدایت حاصل کریں!۔ اور اگر ایسا
نہیں ہے۔ تو ہم مسلمان نہیں ہیں!
ہم کمزور و لپماندہ ہیں۔ ہم چھوٹے اور منافق ہیں۔ ہم دھوکہ باز اور خائن ہیں
اس وجہ سے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ جب ہم مسلمان ہوتے تو ہمارے اخلاق اور واقعی
زندگی میں ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی نہ سکتی۔

سید علی نور
کا موزونہ
تدریس ۵

جب ہم مسلمان تھے تو ہمارا اخلاق صرف مذہبی وعظمت تھا۔ بلکہ اسلام کے زیر سایہ
ایک مکمل تربیتی نظام تھا۔ ایسا نظام جس میں بچہ پیدا ہوتے ہی والدین کو اپنے سامنے بطور
مثال پاتا۔ اور پھر اسے معاشرے میں اخلاق اپنی واقعی اور عملی صورت میں نظر آتا۔

مگر اب اسلام سے انحراف کو ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے!
میں یہاں نہ اسلام کی ممانعت کر رہا ہوں اور نہ مغرب کی! ایک یاد و جنگوں نے
مغربی معاشرے میں ہر طرف فساد برپا کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کا مایہ ناز انفرادی اخلاق بھی ختم
ہو گیا! مگر اسلامی دنیا پر تو صد ہا مصائب ٹوٹے ہیں۔

یہودی۔ تاتاری۔ صلیبی۔ سامراجی۔ مشنری۔ مستشرقین۔
مشنروں اور مستشرقین کے مسلمان شاگرد۔ ظالم حکمران اور۔ خارجی دشمن۔
اور ان تمام مصائب کے باوجود بھی اسلامی دنیا ایک ہزار برس تک اپنا شیرازہ منتشر مونے
سے بچاتی رہی۔ پھر بالآخر زوال پذیر ہو گئی!

جو کچھ آج ہمارے پاس موجود ہے۔ بغیر پاکیزگی کے مذہب نہیں ہے بلکہ صرف
لانڈھیت ہے! کیونکہ ہم مذہب کی ہر فکر سے منحرف اور اسلام کے ہر قوت دینے
والے عنصر سے بیگانہ ہو چکے ہیں!

ان سب باتوں کے باوجود ہمارے انحراف اور مغرب کے انحراف میں ایک
بنیادی فرق موجود ہے۔!

آپ کا انحراف اور ہمارا انحراف

مغرب بھی انحراف سے دوچار ہے۔ اور ہم بھی! اور ہمارے انحراف کو کئی
سلیس گزر چکی ہیں!

بیشک ہماری حالت مغرب سے بدتر ہے۔ کیونکہ وہ کچھ نہ کچھ خوبیاں رکھتے ہیں اگرچہ
دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ خوبیاں بھی زوال پذیر ہو چکی ہیں۔ مگر ابھی پوری پوری ختم نہیں
ہوئیں۔ ان کے انفرادی معاملات میں استقامت، صدق، دھوکہ دہی اور فریب سے
گریز جیسی خوبیاں موجود ہیں۔ خاص طور پر عامل اور ملازم پورے خلوص و محبت سے آٹھ
آٹھ گھنٹے کام کرتے ہیں۔ (اس معیاد میں تقریباً ایک گھنٹہ آرام کا ہوتا ہے) نہ وہ دورانِ
عمل باتیں کرتے ہیں۔ اور نہ کسی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے مغرب کو وہ مادی، علمی اور
انتظامی قوت و طاقت حاصل ہے۔ جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

مگر ہم؟ — ہمارے پاس سرے سے کوئی خوبی ہی نہیں ہے۔ ہمارے پاس
نہ کوئی اصل اسلامی خوبی ہے۔ اور نہ اس مغرب کی کوئی خوبی ہے۔ جس کی ہم بندوں
کی طرح نقل آمارتے، اور غلاموں کی طرح اس کو اپنانے کے لئے لپکتے ہیں۔
نہ ہم اپنے انفرادی معاملات میں سچائی، خلوص، وعدے اور تبت کی استقامت
سے کام لیتے ہیں۔ اور نہ ہماری قومی تنظیمات ایسی ہیں کہ بغیر حکومت کے جبر کے کام کرتی
رہیں۔ بلکہ جوں ہی ان پر گرفت ڈھیلی ہوتی ہے۔ ان کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ عمل اور پیداوار
میں بھی ہمارا حال، انفرادی معاملات اور تنظیمات جیسا ہے۔ کہ نہ صدق اور خلوص ہے

اور نہ پیداواری عمل پر صبر۔ اسی لئے ہم جدید دنیا کی دوڑ میں سب سے پیچھے ہیں.....
مگر اس کے باوجود ہمارے انحراف سے زیادہ مغرب کا انحراف خطرناک اور گمراہ
کن ہے!

* * *

ابتداً آپ اس حقیقت کو تسلیم نہیں کریں گے!

کیونکہ صلیبی سامراج نے گزشتہ صدی میں یہ بات اچھی طرح ہمارے ذہنوں میں
بٹھادی ہے کہ یورپ کی عظمت ناقابل شکست ہے۔ باطل کا اس کے آس پاس کہیں
گزر بھی نہیں۔ جو کچھ یورپ میں ہوتا ہے۔ وہ درست اور صحیح ہے۔ اور جو بات دہاں
سے آتی ہے۔ وہ خیر و خوبی کی حامل ہے۔ اسی ذہن کی وجہ سے ہم اندھی تقلید کرتے
چلے گئے۔ جس طرح بند رنقل اتارتے ہیں۔ اور غلام اپنے آقاؤں کی باتیں اپنانے کے
لئے لپکتے ہیں۔ چنانچہ ہم اخلاقی انحلال، بکواس، بدعتوں، فیشن اور افسوس اور افکار میں
قوان کی تقلید کی۔ مگر ہم نے عمل اور تنظیم میں مبر کرنے میں ان کی تقلید نہیں کی۔ کیونکہ غلام
اپنے آقاؤں کی ان امور میں تقلید نہیں کیا کرتے۔ جن میں کچھ ہمت اور محنت کرنی پڑے!
وہ تو بس ایسی ظاہری باتوں کی طرف لپکتے ہیں۔ جو ان کے مناسب حال ہوں!

جب نئی نسل آتی۔ تو ہم نے اسے یہ بتانا شروع کیا کہ ہم سامراج سے آزاد ہو گئے
اور اب ہم خود اپنے حکمران ہو گئے۔ فی الواقع اس نسل کو قوت و اقتدار کی کچھ ظاہری
باتیں میسر بھی آگئیں۔ مگر اس نسل نے یہ بھی دیکھا کہ ہم بلا تیز مغربی وسائل زندگی اپنا
رہے ہیں۔ اور بغیر شرق اپنے قومی عناصر سے دست بردار ہو رہے ہیں۔ ہم اپنے
مقدسات اس لئے چھوڑ رہے ہیں تاکہ ہم ترقی پسند کہلاتے۔ گویا ہم حصول اقتدار کے
لئے مغرب سے لڑ بھی رہے تھے اور مغرب کے ذہنی غلام بھی بننے جا رہے تھے۔ ہم
مغرب سے آزادی بھی حاصل کرنا چاہ رہے تھے اور اس کے حلقہ اثر میں بھی جا رہے

تھے۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کو ہر مقصود حاصل نہ کر سکے۔ کہ ہم مادی، علمی اور تنظیمی قوت میں مغرب جیسے ہو جائیں۔ کیونکہ ہم تو مذہب اخلاق اور روایات کو ختم کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ہمارے نوجوان، سینما، ٹیلیوژن اور جنسی افسانوں میں اپنی قوتیں ضائع کر رہے تھے اس لئے موجودہ نسل اور اس سے پہلی نسل اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ ہمارے کمزور اور مغرب کے طاقتور ہونے کے باوجود مغرب کا انحرافت سے زیادہ خطرناک ہے!

* * *

ہماری زندگی بھی اور مغرب کی زندگی بھی منحرف بنیادوں پر قائم ہے! مگر فرق ہمارے انحرافت اور مغرب کے انحرافت میں یہ ہے کہ ان کے پاس اس انحرافت کو درست کرنے کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے اور ہمارے پاس یہ بنیاد موجود ہے!

ہم قوت، ترقی، حقیقی انسانی تہذیب، رفعت اور بلندی کی سلیم اساس رکھتے ہیں..... مگر ہمارا عیب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی اور اپنی تہذیب کو اس سلیم اساس پر قائم نہیں کرتے۔ یہی ہماری پسماندگی کمزور اور انحرافت کا راز ہے۔

اس کے برخلاف مغرب کے پاس سرے سے کوئی ایسی بنیاد ہی موجود نہیں جس کے مطابق وہ اپنا انحرافت درست کر سکے۔ مغربی تہذیب ہی کھوٹا دار ہے۔ اسے منحرف تہذیب میں جس قدر آگے جایا جاتے گا۔ انحرافت میں اضافہ ہی ہوگا۔ بلکہ ان منحرف خطوط پر چل کر جس قدر بھی قوت و طاقت حاصل ہوگی۔ وہ تنزل میں اضافہ کرے گی۔

”ہم بھی بڑے بد نصیب ہیں۔ کیونکہ ہم اخلاقی اور عقلی طور پر زوال پذیر ہیں۔ جماعتیں اور قومیں جو صنعتی تہذیب میں بے پناہ ترقی کر چکی ہیں۔ وہ ہی قومیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ اور دوسری قوموں کی بہ نسبت زیادہ جلدی بربریت اختیار کر لیں گی مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے ہیں۔ لکسیس کاربل“

مغربی تہذیب ہی منحرف ہے۔ وہاں پر لوگوں میں فساد اس لئے نہیں ہے کہ وہ
مغربی تہذیب کے اصل خطوط سے ہٹ گئے ہیں۔ بلکہ سارا فساد اس وجہ سے ہے کہ
وہ پوری طرح اپنے تہذیبی خطوط پر چل رہے ہیں۔ اور بڑے خلوص اور صدقِ دل سے
ان خطوط کی اتباع کر رہے ہیں!

ہم مسلمانوں میں تو فساد کمزوری اور پسماندگی اسلام سے انحراف کی بناء پر رونما
ہوتی۔ مگر مغرب نے اپنی تہذیبی وحی سے انحراف نہیں کیا۔ بلکہ پوری سچائی سے اس پر
چلے۔ اور یہی روش ان کے انحراف اور بربریت اور تباہی کا سبب بن گئی! (جیسا کہ
الکس کاریل کہتا ہے)

اہل مغرب کا سب سے بڑا انحراف یہ ہے کہ انہیں اپنی تہذیب میں موجود انحراف
کا علم نہیں ہے!

* * *

مغربی تہذیب قدیم یونانی اور رومی تہذیب کی بنیاد پر قائم ہے اور اس کے
بعینہ وہی مقاصد اور وہی اسپرٹ ہے جو یونان و روما کی تہذیب کی تھی۔
مغربی تہذیب نے یونانی تہذیب سے بالخصوص تجربی افکار اور رومی افکار
سے تنظیم، عملی فوائد اور آسائشات کی تلاش کے طریقے حاصل کئے۔

اور مغربی تہذیب نے اسلامی دنیا سے علم میں تجربی اسکول اخذ کیا۔ جس پر تمام
جدید علمی تحریک قائم ہوئی۔ اسی طرح مغرب نے مسلمانوں سے اور بھی بہت سے افکار
لئے۔ مگر ان سب پر یونانی اور رومی دشمنیت غالب آگئی۔ کیونکہ مغربی تہذیب بنیادی
طور پر کلیسا دشمن اور مذہب بیزار تھی!

یہیں سے انحراف رونما ہوا۔ اور انحراف بڑھتا ہی چلا گیا!
اس تہذیب نے ارض و سما کے ہر تعلق کو منقطع اور انسانی وجود کے دونوں پہلوؤں

کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک پہلو کو پوری طرح کچل دیا۔ اور ایک کو ہر طرح ترقی اور
نمادی!

یہ اس تہذیب کی اولین لغزش ہے جس کے بعد پے در پے لغزشیں ہوتی
چلی گئیں۔

نفس انسانی ایک وحدت، اور آسمان و زمین ایک وحدت ہیں۔ انسانی
احساسات میں آسمان کو زمین سے جدا کر دینا اور روحانی پہلو کو مادی پہلو سے علیحدہ
کرنا۔ اپنے حتمی نتائج کا حامل ہے۔

انسانوں کے دونوں پہلو اگر علیحدہ کر دیئے جائیں۔ پھر ایک پہلو کو کچلا جائے اور
ایک کو زیادہ نما دیا جائے۔ تو دونوں ہی پہلو مضحل ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مفہوم ہے
جس کو الکیس کاریل ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی کتابوں میں اس حقیقت کے لئے
مختلف علمی دلائل پیش کئے ہیں۔

مغربی تہذیب نے اللہ اور انسان کا رشتہ منقطع کر دیا۔ پھر علمی ترقی ہوتی اور
زندگی کی بہترین اور ترقی یافتہ تنظیمات تشکیل کی گئیں جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا
کہ یہ ساری ترقی مذہب اور زندگی کی علیحدگی کا نتیجہ ہے۔ یہ وہم حالات کا پیدا
کردہ تھا۔ درحقیقت علمی ترقی اور زندگی کی تنظیم مذہب دشمن نہیں ہیں۔
ہو سکتا ہے علم اور زندگی مذہب کے کلیسانی مفہوم اور اہل مذہب اور کلیسا
کے دشمن ہوں۔ مگر حقیقی مذہب اور اللہ کے دین کے ہرگز دشمن نہیں ہیں۔ اللہ کا دین
انسانیت کی ترقی کا راستہ نہیں روکتا۔ بلکہ اللہ کا دین تو آیا ہی انسانیت کی صلاح
اور نفع کے لئے۔

۱۔ اسلام کا مستقبل میں باب "غلط تفریق" دیکھئے

اس دعوے کی دلیل اسلام ہے۔

تاریخ کی عظیم علمی تحریک جس سے تجربی اسکول اور یورپ کی جدید سائنس ابھری ہے۔ اسلام ہی کے زیر سایہ پروان چڑھی تھی۔ اور اسلام کی زیر ہدایت آگے بڑھی تھی!

اسلام سے پہلے عرب اہل علم نہ تھے اور مسلمانوں نے جو علوم یونانیوں سے اخذ کئے تھے۔ ان کا بھی مزاج تجرباتی نہیں تھا جیسا کہ بریلٹ اور ڈریر کہتے ہیں (اور وہ نشا کا مواد بننے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ اسلام ہی نے یونانی علوم کو نظری سے عملی علوم میں تبدیل کیا۔ اور اس زمانہ کے لحاظ سے ان کی عملی تحریک نے حد درجہ ترقی کی۔

مسلمانوں نے جو تنظیمات گذشتہ تہذیبی سرمایہ سے اخذ کیں۔ ان کو اسلام کے غیر متغیر اصولوں کے تحت پروان چڑھایا، اور ان میں روح اسلام کو ملا کر انہیں ترقی دی۔ چنانچہ مذہب اور تنظیم میں کوئی کشیدگی رونما نہیں ہوئی۔ بلکہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنی بھرپور اسلامی روح کے ساتھ جبراً مرتب کر لئے۔

اس لئے مغرب کا یہ خیال خام کہ علمی ترقی اور تہذیبی تنظیم، مذہب اور زندگی کی علیحدگی کا نتیجہ ہیں۔ اس غلط خیال نے ان کے اپنے حالات کی بناء پر جنم لیا ہے اور یہ کوئی انسانی حقیقت نہیں ہے۔!

مگر اس سے زیادہ مغربی تہذیب نے جو انسانیت پر ظلم کیا ہے۔ وہ خود انسان کی شکل مسخ کر دیتا ہے!

اس مسخ میں انسان کے فکری اور مادی پہلوؤں کو پورا پورا نشوونما دیا گیا۔ مگر روحانی پہلو کو قطعاً مضمحل چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ انسانی وجود انتہائی بد نما، قابل نفرت اور پرہول بن گیا۔ اور اس کا وجود ہی ہلاکت و تباہی کا باعث بن گیا!

اس مسخ شدہ انسان میں معرفت کے ذہنی اور حسی راستے تو کھلے رہے۔ مگر روحانی راستہ کو کلی طور پر بند کر دیا گیا۔

اگر انسان کو ہم تھوڑی دیر کے لئے ایک بڑی اور پیچیدہ مشین سے تشبیہیں۔
 تو انسان کے تمام راستوں سے روشنی آنی چاہیئے۔ تاکہ انسان خاص انسانی طریقہ پر تمثیل لوری
 کر سکے! اگر اس کے کسی پرزے میں خلل اور اس کی روشنی میں نقص رونما ہوگا تو اس کے نتائج
 بھی ناقص ہوں گے۔ اور اس سے خطرناک ذہریلے اور انسانی نیت کے لئے تباہ کن مرکبات
 پیدا ہوں گے!

یہ مسخ شدہ انسان جو صرف مشاہدہ اور ذہنی درکات پر ایمان رکھتا ہے اسے
 زندگی کا صرف ایک رخ نظر آتا ہے۔ اور زندگی کا دوسرا رخ اس کی نظر میں تاریک ہو
 جاتا ہے۔ اس صورتحال سے اس کے ادراک اور عمل پر اہم اثرات مرتب ہوتے ہیں
 وہ اشیاء کا ناقص ادراک کرتا ہے اور اس کے احساسات میں ایک بدنام صورت جنم لے
 لیتی ہے۔ جس کی زیر ہدایت وہ اپنی زندگی گزارتا — اور قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتا،
 یہیں یہاں بیویں صدی کی گواہی نقلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر مرض
 کی تشخیص چاہتے ہیں اور علاج کی جستجو ہے۔

جب انسانی روح کائنات اور زندگی کی حقیقت سے غافل ہو جاتی ہے
 اور اسے صرف ظاہری اور حسی پہلو نظر آتا ہے تو انسانی وجود کا داخلی توازن مختل ہو جاتا
 ہے جس طرح نظام شمسی سے اگر کوئی کشش رکھنے والے عنصر علیحدہ ہو جائے تو پورا
 نظام مختل ہو جائے۔ اس دور میں انسان کا توازن فی الواقع مختل ہو چکا ہے۔ ارضی
 کشش نے اسے پوری طرح اپنی جانب کھینچ لیا۔ اور آسمانی کشش منقطع ہو گئی۔

اپنے خالق سے وابستگی، اور اس سے حصول نور کے لئے روحانی نشاط اور اس
 روح کا روح کائنات کے ساتھ محبت اور تعاون کا رشتہ اور انسانیت سے اخوت
 کا تعلق اللہ تعالیٰ نے یوں ہی بے مقصد نہیں پیدا کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات غیب
 اور بے مقصد امور سے پاک ہے۔

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا عَجَبًا -
اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اس کو اس
طور پر نہیں بنایا کہ ہم قفل جٹ کرنے والے ہوں

(الدخان - ۳۸)

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ
عَجَبًا
اں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا ہم نے
تم کو یوں ہی مہل پیدا کر دیا ہے۔

(المونون - ۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے انسان میں روحانی پہلو اس لئے پیدا فرمایا، تاکہ انسان کی ارضی کشش
میں توازن پیدا ہو جائے۔ اور اس کی شدت کم تر ہو کر معتدل ہو جائے۔
جب مغرب میں انسان اور اللہ کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ اور مذہب و زندگی جدا جدا
ہو گئے۔ تو انسان بلا ہدایت دنیا کی لذتوں، آسائش اور حصولِ قوت میں منہمک
ہو گیا۔

آج مغربی زندگی جن شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ وہ انسان اور اللہ کا تعلق
منقطع ہونے اور مذہب و زندگی کی علیحدگی کا نتیجہ ہے۔

یہ مغربی تہذیب کے اصولوں سے انحراف نہیں ہے۔ بلکہ مغربی تہذیب تو اپنے
انتہائی عروج پر ہے۔ اور جب بنیاد ہی ایسی ہو تو کیوں کر بچا جاسکتا ہے۔
کچھ خوش عقیدہ لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ مغربی تہذیب کو مغربی اصولوں کے
مطابق اپنا کر اس کے انحرافات اور نقصانات سے اپنے آپ کو بچالیں گے۔ یہ لوگ
بہت ہی خوش فہم اور گمراہ ہیں۔ جو ایک ناممکن اور فطرتِ اشیا کے برخلاف بات
سوچ رہے ہیں۔

مغربی

مغربی زندگی جن شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ وہ ہر شے میں انتہا پسندی سے
ظاہر ہے۔ مادیت اور اُلیت میں انتہا، پسندی، وحشیانہ کشش میں انتہا پسندی

اللہ تعالیٰ

جنسی لذتوں میں انتہا پسندی اور طاقت کے حصول میں انتہا پسندی — یہ اختلاف مغربی زندگی میں اس لئے رونما نہیں ہوا کہ لوگوں نے مغربی تہذیب کے اصولوں کی خلاف ورزی کی۔ بلکہ یہ اختلاف تو اس تہذیب کا مزاج اور اس کو اپنانے کا حتمی نتیجہ ہے یہ تو انسان کے روحانی پہلو کو کچل دینے کا لازمی نتیجہ ہے۔

مغرب نے حقیقت روح کا خوب خوب مذاق اڑایا ہے۔ تاریخ کی مادی تعبیر نے روح کو مضحکہ خیز بتایا۔ روادیت صرف اشتراکی فلسفہ نہیں ہے۔ بلکہ سرمایہ دار مغرب بھی اسی کے زیر اثر ہے، جنسی تعبیر اور اجتماعی تعبیر نے روح کا مذاق اڑایا۔ مصنفین ماہرین، صحافی اور فنکاروں نے روح کا تمسخر کیا۔ یا یہ کہہ دیتے کہ وہ حقیقت روح سے غافل رہے۔

اور اس کا نتیجہ یہ مجنونانہ انحراف ہے۔

جب انسان اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا یا پکا اور سچا ایمان نہیں ہوتا جو اس کے عمل، مشاعر اور عملی زندگی پر حکمراں ہو۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف ارضی دنیا پر نظر رکھتا ہے اور دنیاوی قوتوں کی عبادت کرنے لگتا ہے۔ حکومت کی عبادت، معاشرے کی عبادت، مادہ کی عبادت، اپنی ذات کی عبادت اور شیطان کی عبادت۔

اللہ اور آخرت
پر ایمان نہ رکھنے
کا نتیجہ

پھر انسان دنیاوی لذات پر ٹوٹ پڑتا ہے اور حصول لذت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

یہ مجنونانہ مسابقت جو انسانیت کو تباہ کر رہی ہے۔ یہ مغربی تہذیب میں کوئی عارضی امر نہیں ہے۔ جس کی اصلاح کی جائے۔ یہ تو اس تہذیب کا مزاج اور اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

مجنونانہ مسابقت

مغرب کا سرمایہ دار فرد دولت کے جمع کرنے اور اس کے ذریعہ اقتدار حاصل

کرنے میں مسابقت کر رہا ہے۔ اور سرمایہ کاری کے نتیجہ میں جو استحصال لوگوں کا خون
 چوسنا، سامراج اور سرکشی پیدا ہو رہی ہے۔ یہ مغربی تہذیب کا معاشی خلی نہیں ہے بلکہ
 بلکہ یہ تو نتیجہ ہے پوری طرح دنیا میں مہمک ہونے اور اللہ کی ہدایت سے دور ہونے کا
 اشتراکی حکومتیں جو دولت جمع کرنے اور اس کے ذریعہ طاقت کا ارتکا حاصل
 کرنے میں مسابقت کر رہی ہیں۔ اور پھر اس مسابقت سے جو لوگ حکومت کے غلام بن جا
 اور اس کے سامنے ذلیل ہو جاتے ہیں۔ اور حکومت ان کی آدمیت چھین کر ان کو مشین
 بنادیتی ہے۔ یہ صرف سرمایہ داری کے مقابل ایک اختلال نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی سرمایہ
 داری کی طرح کائنات، زندگی اور انسان کے تصور میں اختلال ہے۔ یہ اختلال پوری
 طرح دنیا میں مہمک ہو جانے اور اللہ کی ہدایت سے غافل ہونے کا نتیجہ ہے۔
 طاقت کے میدان میں مشرق و مغرب کی یہ ہلاکت خیز مسابقت صرف عارضی اور
 سیاسی اختلال نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ان بنیادی اقدار کا اختلال ہے جو انسانی زندگی
 کو منضبط کرتی ہیں۔

جنسی مسابقت — تو بہر حال بیان سے باہر ہے۔

یہ تمام اختلال ہیں! اور ان کے رونما ہونے میں یورپ کے اپنے داخلی حالات
 کا اثر ہے۔ مگر ابتداء یہ مذہب و زندگی کے علیحدہ ہونے کی وجہ سے ابھرے ہیں۔
 مذہب و زندگی کی علیحدگی ہی نے یہودیوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ میدان میں
 اگر مسیحیت کو تباہ کریں اور تمام غیر یہودیوں کی ہلاکت کا انتظام کریں!
 اسی علیحدگی کی بناء پر صنعتی انقلاب خالص مادیت لئے ہوئے آیا۔ اور اس
 نے اخلاق و انسانیت کے ہر اصول کو نظر انداز کر دیا۔

۱۔ ”اسلام اور تہذیب جدید کی مشکلات میں باب مذہب و زندگی کی علیحدگی“ دیکھئے

اسی علیحدگی نے عورت کو اپنے فطری عمل سے بیزار کر کے بازاروں اور کارخانوں میں لاکھڑا کیا۔ تاکہ وہ اپنے قریب اور گراہی سے زندگی کی باقی ماندہ رفعت بھی ختم کر دے اور انسانیت کو جنس کی گندگیوں میں دھکا دیدے۔

اسی علیحدگی نے علم کو برائی کے راستے پر لگا دیا۔ انسانیت کی ان خدمات کے علاوہ جو علم نے انجام دی ہیں۔ اور علم نے قوموں اور افراد میں فساد پیدا کر دیا۔ اور۔۔۔۔۔

اسی علیحدگی نے انسان کی شکل مسخ کر دی ہے۔ اب سارا نظام تربیت نظام سیاست، نظام معیشت، نظام معاشرت اور فنون۔ اس مسخ شدہ صورت کو غذا دے رہے ہیں!

| غرض مذہب و زندگی کی علیحدگی نے مغربی زندگی میں تمام فسادات برپا کئے ہیں!

* * *

یہ ایک خطرناک فساد ہے۔ کیونکہ اس کی اصلاح اور علاج کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

مغربی تہذیب میں اشیاء کی صحت کا کوئی معیار ہی نہیں ہے۔

اگر مغربی تہذیب میں صالح انسان معیار ہوئے، پھر لوگ ان سے منحرف ہو جاتے تو یہ ممکن تھا کہ لوگ دوبارہ ان صحیح معیاروں کو اختیار کر لیں اور اپنے فساد کی اصلاح کر لیں مگر اس تہذیب کے صحیح معیار کس کیا ہیں۔

مغربی تہذیب نے انسانی حقوق آزادی، اخوت، مساوات، انسانی شرافت انسانی رفعت اور انسانی عظمت کے بارے میں بڑے بلند بانگ دعوے کئے۔ اور ان دعوؤں کو بروئے کار لانے کے لئے پورے خلوص کے ساتھ اپنے تہذیبی خطوط پر گامزن ہو گئی! ————— چنانچہ —————

| مغربی تہذیب نے انسان کو حیوان بنا دیا۔ اس کا اللہ سے رشتہ منقطع کر دیا

مغربی تہذیب
کی کارگزاری

مذہب و زندگی کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ مادہ کو روح سے جدا کر دیا۔ اور دنیا کو آخرت سے منقطع کر دیا!

اور نتیجہ وہ ہی ہوا۔ جو ہونا چاہیئے تھا۔

سارے انسانی حقوق، حریت، اخوت، مساوات، انسانی شرافت، رنعت اور عظمت — ایک ایسی بھیانک صورت میں بدل گئے۔ جس کا ایک پہلو ہم نے بیسویں صدی کی گواہی میں دیکھا — ایک پہلو ہیروشیما اور ناگاساکی میں نظر آیا۔ امریکہ اور افریقہ کا نسلی امتیاز دیکھا — غرض کوئی نہ کوئی پہلو اس کا ہر جگہ موجود ہے!

لوگ مغربی تہذیب کے اصولوں سے محروم نہیں ہوئے — بلکہ بڑے خلوص سے اس تہذیب پر چلے اور اس نے انہیں تباہ کر دیا۔

خوش فہم حضرات جو مغرب تہذیب کا روشن رخ اور مغرب کی باقی ماند خوبیاں دیکھ رہے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ اس تہذیب کے کالک بھرے چہرے کو بھی دیکھ لیں — اور اس کے بدالکسیس کاریل کے اس قول پر بھی غور کر لیں۔

”ہم بھی بڑے بد نصیب ہیں۔ کیونکہ ہم اخلاقی اور عقلی طور پر زوال پذیر ہیں۔ وہ قومیں جو صنعتی تہذیب میں بے پناہ ترقی حاصل کر چکی ہیں۔ وہ ہی کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔ اور وہ ہی سب سے پہلے بربریت اختیار کریں گی“

یہ خطِ انحراف کی انتہا ہے!

مگر یہ انحراف مغربی تہذیب کا اپنا انحراف ہے۔ کہیں باہر سے نہیں آیا۔ یہ انحراف اس وجہ سے پیدا نہیں ہوا کہ لوگوں نے اس تہذیب کا مفہوم سمجھنے کی غلطی کی یا اس پر پوری طرح عمل پیرا نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ انحراف تو اسی روز سے اس تہذیب کی بنیاد بن گیا تھا۔ جب اس تہذیب نے مذہب و دشمنی اور خدا بیزاری کی بنیاد پر جنم لیا تھا۔

(ہم مسلمان اپنی موجودہ صورت حال میں مغرب سے بھی بدتر ہیں۔)

مسلمانوں کی
موجودہ حالت

ہم مغرب سے قوت، علم اور تنظیم میں بھی کمتر ہیں۔ اور ہمارے اخلاق بھی تباہ ہیں ہمارے اخلاق، خیانت، منافقت، جھوٹ اور فریب ہیں۔ اور یہ سب احساس ذمہ داری سے فرار، تنظیم میں عدم استقلال اور عدم محنت کے نتائج ہیں۔

جنسی معاملات میں بھی ہمارے اخلاق کسی صورت مغرب سے بہتر نہیں ہیں۔ رہی ہی کسر صحافت، ریڈیو، سینما، ٹیلیوژن اور تخلیقی صلاحیتیں رکھنے والے فنکار پوری کر دیں گے۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی ہمارے پاس اصلاح کا طریقہ موجود ہے اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ہم اس طریقہ کو اپنا رہے ہیں یا نہیں! ہمارے پاس اسلام ہے

ہمارے پاس دنیا کی عظیم ترین اصلاحی قوت موجود ہے۔

ہمارے سارے انحرافات اسلام سے انحراف ہیں۔

ہماری قوت، ترقی، مضبوطی تہذیب اور انسانیت کا راستہ اسلام کا راستہ ہے

۱۔ بلکہ اسلام تمام انسانیت کے لئے راہِ نجات ہے۔

جب کہ مغرب کے سامنے اپنے موجودہ خطوط پر چلتے ہوئے سوائے ہلاکت اور تباہی کے کوئی راستہ نہیں ہے۔

اب کون سا راستہ انسانیت کا مستقبل بننے والا ہے؟

انسانیت کا مستقبل

۱۹۵۰ء میں برطانیہ کے فلسفی برٹریڈ رسل نے کہا تھا۔

”سفید فام آدمی کی سیادت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ ظاہر ہے اس سیادت کا ہمیشہ رہنا کوئی طبعی و قانون نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب سفید فام ایسے خوشگوار دن نہیں گزار سکے گا جیسا کہ وہ چار صدیوں سے گزارتا آ رہا ہے۔“

برٹریڈ رسل کا اس پیشنگوئی سے انسانی تہذیب میں سفید فام آدمی کا سیاسی کردار مراد نہیں ہے۔ کیونکہ سیاست تو دراصل قوتوں کی فکری، روحانی، نفسیاتی، اجتماعی علمی اور مادی حالتوں کا ایک خارجی منظر ہوتا ہے۔ رسل دراصل یہ بتانا چاہتا ہے کہ سفید آدمی کا بیسویں صدی کی گواہی میں کیا حصہ ہے!

سفید فام انسان کی قیادت ختم ہو چکی۔ کیونکہ اس کی تہذیب منحرف خطوط پر چلتے ہوئے اپنے انجام کو پہنچ چکی۔ اور اب زوال پذیر ہے۔ ہر پہلو سے بیسویں صدی اسی بات کی گواہی دے رہی ہے اور رسل بھی یہی بتا رہا ہے۔

سفید فام انسان کی موجودہ تہذیب میں ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے جس سے وہ اپنے آپ کو اور انسانیت کو تباہی اور ہلاکت سے بچا سکے جس انسانیت کی وہ قیادت کر رہا ہے۔ وہ اسے تباہی کی جانب لے جا رہا ہے۔

اس تہذیب کا تمام راستہ تباہ کن گڑھوں اور رکھائیوں سے پر ہے۔ اور انسان اس شیطانی راستے پر پوری قوت سے دوڑتا ہوا چلا جا رہا ہے۔

* * *

مگر ہم پھر کبھی انسانیت کے مستقبل سے ناامید نہیں ہیں۔

انسانیت کے بارے میں ہماری خوش فہمی کی بنیاد — بچکانہ طریقہ پر — علمی ترقی نہیں ہے جس سے مستقبل میں زندگی آسان ہو جائے گی۔ اور معجزے رونما ہونے لگیں گے۔ نہ اس کی بنیاد انسان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ماحول پر بالادستی حاصل کر لے گا۔ حالات اس کی قدرت میں آجائیں گے۔ اور وہ عجز اور قیود سے آزاد ہو جائے گا۔ یہ سارے دعادی مغربی مصنفین اور ان کے مشرقی شاگرد پیش کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ یہ باتیں بنا کر اپنے آپ کو مستقبل کے پیش و ثابت کر سکیں۔ اور ہم الکسیس کاریل کا یہ قول پیش کر چکے ہیں کہ علمی ترقی اپنے موجودہ خطوط پر لوگوں کو بربریت کی جانب لے جا رہی ہے اور انسان کی موجودہ تصورات کے مطابق ماحول پر بالادستی ایک ایسی تہذیب کو جنم دے رہی ہے۔ جو قطعاً انسان کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ اسے تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔!

ہماری خوش فہمی کی بنیاد وہ بدترین زندگی ہے جس میں آج مغربی تہذیب کے زیر سایہ انسانیت سالن لے رہی ہے۔ اور جس کی خرابیاں دوز بردز بڑھتی جا رہی ہیں۔!

یہ ہی بدترین زندگی کبھی انسانیت کو اصلاح کی طرف لے جائے گی

* * *

اب مغربی تہذیب کے پاس ایسا کوئی ایسا سرمایہ باقی نہیں رہا جسے وہ انسانیت کو دے سکے۔

علمی ترقی ہی ایک ایسا سرمایہ ہے جو مغربی تہذیب انسانیت کو دے سکتی ہے۔ اور
 علمی ترقی حقیقت میں تمام انسانیت کا مشترک سرمایہ ہے۔ مصر لوہ، یونانیوں اور ہندو
 سے اس کی ابتدا ہوئی۔ پھر مسلمانوں کے پاس آیا تو مسلمانوں نے اضافے کئے۔ اور یورپ
 کو دے دیا۔ یورپ نے اس کے ذریعہ بڑی فتوحات حاصل کیں۔ اور اب یورپ
 اس سرمایہ کو اس قوم کے سپرد کر دے گا۔ جو مستقبل کی علمبردار ہوگی۔ یہ چکر اسی طرح
 نسل در نسل چلتا رہا ہے

مغرب کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی خاص سرمایہ نہیں ہے۔ !

ابھی تک مغرب چند نفسیاتی، اجتماعی اور تنظیمی فضائل کا حامل ہے۔ اور اسی وجہ
 سے اس وقت تک تباہیوں کے اس سیلاب کے بالمقابل وہ اپنے وجود کو برقرار
 رکھے ہوئے ہے۔ وہ سیلاب جو جنسی بے راہ روی، اخلاقی اتیری، الحاد، معاشرتی
 اور خاندانی بد نظمی اور اقدار اور معنویات سے بے قیدی کی شکل میں آیا ہے۔

مگر یہ خوبیاں اور فضائل بھی رفتہ رفتہ ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر جنگ اور ہر
 مصیبت ان خوبیوں کو متزلزل کر دیتی ہے۔ کیونکہ اب ان کا سرچشمہ باقی نہیں رہا، جو
 ان کا تحفظ کر کے۔ مذہب اور اللہ سے صحیح تعلق کا سرچشمہ !

بیسویں صدی کی گواہی، تباہی کا پیش خیمہ نوجوان نسل، کینیڈی اور خرد شریف
 کے بیانات اور برٹریڈ رسل کی پیش گوئی۔ یہ سب امور یہی بتا رہے ہیں کہ یہ خوبیاں
 اب قریب الختم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں بھی اپنا ہی
 دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں اور
 آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف
 سے رد و بدل نہیں پائیں گے۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا
 مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُهُمْ
 اللَّهُ تَبْدِيلًا

(احزاب - ۶۲)

اب راہِ نجات نہ مغربی تہذیب ہے اور نہ اس کے مماثل کوئی اور تہذیب انسانیت کی نجات کا سبب بن سکتی ہے۔

اب تو انسانیت کے لئے ضروری ہے کہ ہر پہلو میں بنیادی تبدیلیاں کر کے از سر نو تعمیرِ حیات کرے۔

زندگی کے کچھ خطوط کو بدلنا ضروری ہے۔ جب کہ بعض خطوط ایسے ہیں جن میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہیں۔

علم ہمیشہ آگے بڑھتا رہا ہے اور بڑھتا رہے گا۔ اگر انسانیت کا نظام تبدیل ہو تو علم کو کوئی خطرہ نہیں ہے کہ اس کی رفتار ترقی رک جائے گی۔ یا یہ سرمایہ ضائع ہو جائے گا۔ تاریخِ انسانیت بتاتی ہے کہ کاروانِ علم کبھی کسی مقام پر رکا نہیں ہے۔ ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے، اور ہر ایک قوم کچھ نہ کچھ اضافے کرتی رہی۔ جدید تاریخ میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ انقلابِ روس کے وقت روسی قوم تقریباً امی تھی مگر جس مغرب کی اس نے شاگردی کی تھی۔ اسی سے ایٹم اور خلائی دوڑیں مسابقت شروع کر دی چینی نے نقطہ صفر سے علمی ترقی شروع کی۔ اس نے ساز و سامان فنکار اور سرمایہ سب روس سے حاصل کیا۔ مگر اب چین ایک خطرناک طاقت بن چکا ہے اور خود روس زندہ خطرے کے مقابلہ کے لئے مغرب سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ علمی ترقی اور مغربی تہذیب ایک دوسرے سے مربوط نہیں ہیں اگر سفید نام کی انسانیت زوال پذیر ہو جائے تو نہ کاروانِ علم رگے گا۔ اور نہ اسے زوال آئے گا!

زندگی کی علمی تنظیم بھی نہیں رک سکتی۔ البتہ اس میں انسان پر مسلط کردہ مشینی انداز ختم کر کے اسے معتدل اور متوازن بنانا ہو گا۔ ورنہ وہ اپنی موجودہ شکل میں روحِ انسان اور اس کے انفرادیت کو یوں ہی پامال

کرتی رہے گی۔ ع

ان دو امور کے علاوہ انسانیت میں بنیادی تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ جن سے اس کی ساری راہیں بدل کر رہ جائیں۔

*

*

اس تبدیلی کی شکل کیا ہو؟

اس کے لئے ہمیں انسانیت کے موجودہ انحرافات پر غور کرنا چاہیئے۔ تاکہ ہمیں انحراف کا علاج کرنے والی تبدیلی کا علم ہو سکے!

آج کی انسانیت بنیادی طور پر دو خطرناک انحرافات سے دوچار ہے
یا دراصل انحراف ایک ہی ہے۔ جس سے دوسرا انحراف بھی رونما ہوا ہے جو خود بھی کم خطرناک ہے۔

۱۔ اصل انحراف ہے — اللہ سے دور ہونا — اللہ کے دین سے نفرت اور لپڑی زندگی کا لادینی (SECULAR) بنیادوں پر قیام۔

۲۔ اس اولین انحراف سے دوسرا یہ انحراف رونما ہوا۔ کہ انسان کا انسانی تصور مٹ ہو گیا۔ اور انسان کی بنیاد حیوانی اور مادی تصور اور انسان کی جزمیت بن گئی۔ اس انحراف کا علاج یہ ہے کہ انسان کھلم کھلا اللہ کی طرف لوٹ آئے۔ اور انسان

ع اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہر انسان اپنی جگہ پر منفرد ہے اور دوسرے انسان سے قطعاً مماثلت نہیں رکھتا۔ اگرچہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ مگر آج کے مغربی علم کے مشینی انداز نے انفرادیت کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ امد انسان بھی خام مال کی طرح ماسینوں میں ڈھل ڈھل کر نکلنے لگے ہیں۔

د کاریل — انسان نامعلوم

کے تصور کو انسانیت۔ اور انسان کے مکمل تصور پر قائم کرے۔

اللہ کی طرف واپسی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موجودہ مغربی زندگی میں ایک روحانی قدرت شامل کر لی جائے۔ کیونکہ اس متضاد مرکب سے انسانیت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور سولے پراگندگی اضطراب اور زندگی کے مقابل حیرت کے اور کوئی نتیجہ ہاتھ نہیں آ سکتا!

* * *

بلکہ مطلب یہ ہے کہ خود انسان کی توجہ میں بنیادی تبدیلی ہو۔ اور انسان کی تمام تر توجہ صرف اللہ کی جانب ہو جائے۔

۱ اللہ کی جانب توجہ اور اسی سے رہنمائی حاصل کرنا ایک ٹھوس حقیقت ہے صرف دل کا بہہ دانا نہیں ہے۔

اللہ کی طرف توجہ کا مطلب ہے الوہیت میں اللہ کو ایک سمجھنا۔ صرف اللہ ہی کو حاکم ماننا اور لوگوں میں صرف اللہ ہی کے فیصلہ کو نافذ سمجھنا اور یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ انسان کے لئے قانون بنائے۔ ان کی زندگی کا منہج متعین کرے۔ ان کے معاشرے اور ان کی دولت کے سیاسی خطوط متعین کرے۔ اور ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فرد اور معاشرے کے تعلقات، حکومت اور عوام کے تعلقات، مرد اور عورت کے تعلقات، اقوام و مل کے تعلقات اور انسان کے انسانوں سے تعلقات کی تجدید کرے اور انھیں متعین کرے۔

الوہیت

یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ صرف دل کا بہلا دانا نہیں ہے!

اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ صرف عبادت گاہوں میں نمازیں پڑھ لی جائیں اللہ کی پاکیزگی بیان کر دی جائے اور فرصت کے اوقات میں اس کی مدح و ثنا کر لی جائے۔
۱ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی صحیح عبودیت کی بنیاد پر پوری زندگی استوار کی جائے

اور اللہ کی اس طرز پر عبادت کرنے سے جان نہ چرائی جائے۔

اگر موجودہ زندگی ہی میں کوئی مذہبی قدر شامل کر لی جائے۔ تو یہ وہ ہی خطرناک نقطہ ہے جس سے موجودہ دین و دنیا کی کشمکش، حیرت، پراگندگی اور اضطراب ابھر رہی ہے! زندگی اس وقت تک درست نہیں ہو سکتی۔ جب تک دو خداؤں کی عبادت کی جاتی رہے گی۔ یا ایک آسمانی خدا اور متعدد ارضی خداؤں کی عبادت ہوتی رہے گی ان مختلف خداؤں کی بندگی کا لازمی نتیجہ وہ ہی انتشار اور فساد ہے جس سے یورپ دوچار ہے!

زندگی اس وقت تک بھی درست نہیں ہو سکتی۔ جب تک غیر اللہ کی بندگی ہوتی رہے گی۔ کیونکہ اللہ کے سوا ہر الہ باطل ہے۔ اور وہ کبھی نہ کبھی خود بھی تباہ ہو گا۔ اور اس کے بندے بھی اس کے ساتھ تباہ ہوں گے۔ ان باطل خداؤں میں آخری خدا خود انسان بھی ہے۔ جب انسان نے اپنی ہی بندگی کی۔ تو خود بھی تباہ ہوا، اور اپنی بندگی کرنے والے نفس کو بھی تباہ کیا۔ اور ہلاکت سے دوچار ہوا۔

یَا اِلٰهَ مَعَ اللّٰهِ سَاحَہُ کُوْنِ اَوْ مَعْبُوْدٌ ہِیَ بَکَیۡہِ	اَلَا اِنَّ مَعَ اللّٰهِ بَلٰکَ ہُمْ قَوْمٌ
ایسے لوگ ہیں جو خدا کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ کیا	یٰۤاِیُّہَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مَعَ اللّٰهِ بَلٰکَ اَکْثَرُہُمْ
اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے بلکہ ان میں زیادہ	لَا یَعْلَمُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ مَعَ اللّٰہِ قَلِیْلًا
تو سمجھتے ہی نہیں۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور	مَا تَذَکَّرُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ مَعَ اللّٰہِ تَعَالٰی
معبود ہے۔ مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے	اللّٰہُ ہُمَا یُشْرِکُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ مَعَ اللّٰہِ
ہو۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے آپ	قُلْ هَآؤُنِیْۤا نُّشْرِکُہُمْ اِنْ کُنْتُمْ
کہنے لگے تم اپنی دلیل پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔	صَادِقِیْنَ۔

(النمل - ۶۰ - ۶۴)

✓ ایک اللہ کی عبادت کے معنی ہیں کہ موجودہ سیاست، اجتماع اور معیشت کی تمام بنیادیں گرا کر ساری زندگی کو بدل دیا جائے۔

✓ ایک اللہ کی عبادت کے معنی ہیں کہ حکومت، سرمایہ، معاشرہ اور انسانی فرد کی عبادت ترک کر دی جائے۔ اور ان تمام عبادتوں سے جو انحرافات پیدا ہوتے ہیں انہیں دور کیا جائے۔

اجتماعی نظام جو حکومت — یالڈر — کو معبود بنا دیتا ہے — انفرادی نظام جو سرمایہ کو معبود بناتا ہے — وہ نظام جو معاشرے کو مقدس سمجھتا اور معاشرے کو امر و نہی کے سارے اختیار دے کر اور فرد کے وجود کو کچل کر اسے حیوانی گلے کا ایک جانور بنا دیتا ہے۔ اور وہ نظام کو جو فرد کو مقدس گردانتا اور اسے معاشرے پر ترجیح دیتا اور معاشرے کو پرانگندہ کرتا ہے۔ — یہ سارے نظام باطل ہیں۔ ان سب کے باطل ہونے کی وجہ ان کی غیر اللہ کی منحرف عبادت کرنا ہے!

ان تمام نظام ہاتے حیات میں اس وقت تک تو اذن نہیں پیدا ہو سکتا۔ اور ان کے — انحرافات اس وقت تک دور نہیں ہو سکتے۔ جب تک تمام منحرف عبادتیں چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت نہ کی جائے! — یعنی زندگی کا سارا نظام اور حیات انسانی کا تمام منہج اللہ کی ہدایت سے اخذ کیا جائے — نہ یہ کہ فرصت کے اوقات میں اللہ کا نام جپ کر ضمیر کو مطمئن کر لیا۔!

وہ تمام اجتماعی اور اخلاقی انحرافات جن کا ایک پہلو ہم بیویں مدی کی گواہی میں دیکھ چکے ہیں۔ اور جن کی پوری شرح و تفصیل مغربی کتب میں ملتی ہے۔ یہ تمام انحرافات اسی وقت دور ہو سکتے ہیں۔ جب تمام منحرف عبادتوں کو ترک کر دیا جائے۔ خواہ وہ معاشرے کی عبادت ہو۔ یا انسان کی اپنی اور اپنی خواہشات کی بندگی ہو۔ اور صرف اللہ کی عبادت اور اس کے مقرر کردہ زندگی کے ضوابط اور قوانین کو اختیار کیا جائے۔

انسان کے انسانی تصور میں انحراف بھی یورپ کی مذہب بیزاری کی بنا پر رونما ہوا۔ کیونکہ مذہب سے دور ہو کر اجتماعی اور اخلاقی بے قیدی کی طرح انسان کے بارے میں تصور بھی بے قید ہو گیا۔

اس انحراف نے دو بنیادی راستے اختیار کئے۔

۱۔ ساری زندگی انسان کی حیوانیت اور مادیت کی بنیاد پر استوار ہوئی — اور انسان کے جزئی تصورات انسانی زندگی کی اساس بن گئے !
ان دونوں انحرافات نے انسانی زندگی میں خطرناک فساد برپا کر دیا۔

انسان کی حیوانیت اور مادیت کے تصور کی بنا پر اس مغربی معاشرے نے جنم لیا جو انسانی مفہوم کے مطابق آگے بڑھا — نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کے احساسات میں عقیدہ مصمم ہو گیا۔ صنفی معاملات میں اخلاقی بندھن ٹوٹ گئے۔ اور صنفی تعلق ایک جسمانی اور حیاتیاتی تعلق ہو کر رہ گیا جس کا سارا مقصد حصول لذت اور اتمام شہوت کے سوا کچھ نہ رہا۔ !

اس حیوانی نظریے نے انسانیت کو تباہی سے ہمکنار کر دیا۔ جیسا کہ بیوی صدی کی گواہی میں گذر چکا ہے، اور انسان کو ایک پیداواری مشین بنا کر رکھ دیا — کہ وہ پیداوار بڑھاتا چلا جائے۔ اور صرف حیوانی معیار پر اپنے احساسات کام میں لائے۔ لے۔ جزیت پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کے بعض پہلو بہت نمایاں ہو گئے اور بعض نغزوں سے اوجھل ہو گئے۔ اور مجموعی طور پر انسان کا کل وجود تاریکی میں چلا گیا۔ اور اس کی جگہ غلاتِ فطرت اور غلاتِ انسان فاسد بنیا دوں پر ایک نئے انسان کو تشکیل دینے کی کوشش کی گئی۔

۲۔ کارل کی انسان نامعلوم اور مل ڈیورانت کی ہیرنگی فلسفہ دیکھئے۔

تاریخ کی مادی تعبیر، عمل کی جنسی تعبیر، زندگی کی اجتماعی تعبیر، عورت کی مردانہ تعبیر اور عمل کی مشینی تعبیر، ان سے اس کے اعمال کا صدور مشینی انداز کا ہے۔ یہ تمام تعبیرات انسان کے ایک جز کو لے کر اسے پورا انسان قرار دے دیتی ہیں۔ اور تمام حیات انسانی کو اس زعم ناسد کے گرد گھما دیتی ہیں!

اس انحراف کے اثرات انسانی زندگی پر بڑے واضح ہیں۔ چنانچہ زندگی کے مادی پہلو کو روحانی پہلو کے بالمقابل عظیم تر کر دیا گیا ہے۔ جنسی پہلو کو اخلاقی پہلو کے بالمقابل عظیم بنا دیا گیا ہے۔ اجتماعی پہلو کو انفرادی پہلو پر ترجیح دے دی گئی ہے۔ یا انفرادی پہلو کو اجتماعی پہلو پر ترجیح دے دی گئی۔ اور اس امر کی کوشش کی گئی کہ ایک نیا انسان تراشا جائے جو انسانی معیار پر سوچنے اور سمجھنے کے بجائے مشینی انداز پر اور حیوانی معیار پر سوچے اور سمجھے۔ اور ایسی عورت پیدا کی جائے جو عورت سے نہ ہو۔۔۔۔۔ یہ سب خواہشات نفس ہیں جو انسان کے انسانی تصور میں انحراف سے رونما ہوتی ہیں۔ اور ان کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انسان کا مکمل تصور اختیار کیا جائے!

مکمل انسانی تصور جو انسان کی پوری اور مکمل حقیقت کو شامل ہو۔ انسان جو غبارِ خاکی اور نغمہ روحانی کے باہمی امتزاج اور ربط سے ایک مکمل اور واحد وجود بنا جس میں جسم اور روح ایک ہی حقیقت ہے

مادی پہلو اور روحانی پہلو ایک حقیقت ہیں

مناسی، اجتماعی، اخلاقی اور معنوی پہلو ایک حقیقت ہیں۔

انسانی زندگی کے تمام پہلو حقیقت ہیں۔ مگر یہ تمام حقیقت باہم پیوستہ اور مربوط ہیں

انسان کا جنسی عمل اخلاق سے جدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جنس و اخلاق انسانی وجود

میں دو ایسے اجزاء ہیں جن کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔

تلاشِ رزق، مادی پیداوار، ذرائع پیداوار کو خوب تربیتانا، اور علمی ترقی انسان

جنسیت کی تعبیر

مکمل انسانی تصور

کے روحانی عمل اور اخلاقی و انسانی اقدار سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ سب ایسے متعدد پہلو ہیں جو انسان کے ایک مکمل واحد وجود میں باہم مربوط ہیں۔

اس لئے انسانی زندگی میں عقیدہ واقعی زندگی سے، اخلاق عمل سے، جنسی عمل روحانی نشاط سے اور مادی عمل معنوی عمل سے علیحدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ نفس انسانی میں ان کے لئے علیحدہ علیحدہ خانے بنے ہوئے ہوں کہ عقیدہ کا خانہ علیحدہ ہے، عمل زندگی کا علیحدہ، جنس کا خانہ علیحدہ ہے اخلاق کا علیحدہ، مادی عمل کا علیحدہ ہے اور روحانی عمل کا علیحدہ۔ بلکہ انسان اپنے پورے اور مکمل وجودت زندگی میں قدم رکھتا ہے۔ اگرچہ لمبا اوقات اس کے کچھ پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں اور کچھ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ مگر ان میں کسی صورت علیحدگی اور انفصال نہیں ہوتا۔

انسانی حقیقت پر مبنی اس تصور سے ہی انسانی زندگی متوازن ہو سکتی ہے اور انحراف سے بچ سکتی ہے۔

* * *

یسویں صدی کی زندگی میں یہی دو بنیادی انحراف ہیں۔ ایک اللہ سے دور ہونا اور دوسرا انسان کے بارے میں غلط تصور۔

انہی دو بنیادی انحرافات سے تمام دوسرے انحرافات رونما ہوئے ہیں۔ اب انحراف کی برائی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ انسانیت کی تباہی بالکل قریب ہے اور یہی نقطہ تبدیلی کا باعث بن جاتے گا۔ کیونکہ انسانیت جب اپنے وجود کو خطرے میں محسوس کرے گی۔ اور اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے پر کھڑا محسوس کرے گی تو انسانیت بیدار ہو جائے گی۔ اور تبدیلی کے لئے کوشش کرے گی۔

اور انسانیت اپنی مجنوناہ ہوس سے نکل ضرور تبدیلی کی کوشش کرے گی۔
انسانیت ضرور ایسے نظام کی جانب لوٹے گی جس کے ذریعہ ان انحرافات سے
بچاؤ کر کے جن میں پھنس چکی ہے۔

انسانیت اللہ کی طرف رجوع کرے گی اور انسان کا صحیح تصور اختیار کرے گی۔
انسانیت ضرور اسلام کی طرف آئے گی! کیونکہ سوائے اسلام کے تمام انسانی افکار
میں کوئی شکر ایسی نہیں جو ان انحرافات کو دور کر سکے!

اسلام ہی انسان کا اللہ سے مضبوط تعلق قائم کرتا ہے اور اللہ ہی سے زندگی
کا منہاج حاصل کرتا ہے۔ اور اسلام انسان کا مکمل اور متوازن تصور دیتا ہے۔
انسانیت کیلئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ یا تو وہ اپنے منحرف راستے پر
چل کر تباہی سے ہمکنار ہو جائے — یا اسلام کی طرف رجوع کرے۔

ہم انسانیت کی موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے یقین کرتے ہیں کہ انسانیت
ضرور اپنی غفلت سے بیدار ہو کر اسلام کی طرف آئے گی — اگر اللہ تعالیٰ نے اس
نسل میں یا آئندہ نسل میں انسانیت کی تباہی مقرر نہ فرمادی ہو۔
مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی گمراہیوں کے بدلے
تباہ کرنے سے پہلے اسے ایک موقع ضرور دے گا کہ وہ اللہ کی طرف واپس آجائے!

* * *

مگر یہ مسئلہ کوئی آسان نہیں ہے۔
گر اس قسم کی علامتیں رونما ہو چکی ہیں، جو اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ مغرب
کا انسان مذہب کی طرف آرہا ہے

آج کے پیغمبر انسانیت — سائنسدان اپنی خالص علمی عقلوں سے اس معجزانہ
بازی کی کا مطالعہ کرتے ہوئے جس کے مطابق کائنات چل رہی ہے — اللہ کے وجود

کے قائل ہوتے جا رہے ہیں
اہر فلکیات چیمس چنیر۔ جس نے اپنی زندگی کی ابتداء الحاد سے کی کہتا ہے
سائنس کی عظیم مشکلات کا حل مورت اللہ کا وجود تسلیم کر لینا ہے۔
نیو یارک کی سائنس اکادمی کا صدر کریسی مورلین اپنی کتاب (Man does not

stand alone) میں کہتا ہے۔

”لا تعداد منطیات۔ جن کے بغیر کائنات کا وجود محال ہے۔ خالق کے
وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ زمین پر انسان کا وجود، اور اس کی ذکاوت کے مظاہر خالق
کائنات کے نافذ کردہ نظام کا ایک جز ہیں۔“
انسان وحدت علم میں حسابی تقدم سے بہت زیادہ فوائد حاصل کرتا ہے۔ ڈیٹن
ایٹم۔ جو کائنات کی تعمیر میں انتہائی چھوٹا وجود ہے کو توڑ کر ایک ستاروں کے مجموعہ
میں تبدیل کرنا۔ جو دم دار جرم اور اڑنے والے الکترون سے بنے ہوں۔ اس نے کائنات
میں ہماری فکر کے لئے نئی راہیں کھول دی ہیں۔ اب جامد ذرات کا تعلق ہمارے تصور
کو مادی اشیاء سے مربوط نہیں کرتا۔ سائنس کے جدید ترین انکشافات مظاہر طبیعت کے
پس پردہ ایک عظیم مدبر کے وجود کو تسلیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔“

۱۔ مصنف نور الدینی کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود بھی مادی تہذیب میں جکڑا ہوا ہے۔ اس
کے یہ الفاظ خالق کائنات کے نافذ کردہ نظام کا ایک جز ہیں۔ ایک ایسی تعبیر ہے
جس میں مادی تہذیب کے اثرات ۱۰ اس کے عملی اور ارادی اسالیب
نمایاں ہیں

Man does not stand alone

(ترجمہ عربی۔ محمود صالح علی۔ ص ۲۲-۲۵)

روسی خلا نور دگا گارین کے دل میں نفا سے نکلتے ہی اللہ کی تلاش کا خیال آیا۔ اگرچہ اشتراکی حکومت کو اس کے زمین پر واپس آنے کے بعد اس امر کا خوف ہوا۔ کہ کہیں وہ خدا کے وجود کا اعلان نہ کر دے اور اس کی الحاد پھیلاتے کی ساری کوششیں رائیگاں ہو جائیں۔ تو اشتراکی حکومت نے تیسرے خلا نور ڈیٹوٹ سے کہا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ اس نے آسمانوں میں اللہ کو تلاش کیا۔ مگر اسے خدا نہیں ملا۔ !

غرض سائنسدان اب اپنے معاملات اور اپنی خالص علمی بحثوں میں اللہ کی پناہ میں آنے لگے ہیں۔ اور یہ اولین طریقہ ہے !

پھر ہر جگہ خطرے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اور انسانیت کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ اگر وہ انحراف پر چلتی رہی۔ تو اس کا برا انجام ہوگا۔ — ہر طرف سے یہی صدا آرہی ہے کہ اللہ کی طرف رجوع، اور انسان کا مکمل تصور ہی علاج ہے !

مگر معاملہ اس قدر آسان نہیں کہ چند ہدایتیں کافی ہو جائیں۔ بہت سے خطرناک اور اہم اسباب مغرب کے لوگوں کو اللہ اور زندگی کے صحیح منہاج سے دور کر رہے ہیں۔

یورپ کے کلیسا کی حقائقیں وقتی نہ تھیں۔ بلکہ تاریخی حقائقیں تھیں۔ ! عوام پر کلیسا کا ظالمانہ اقتدار، قرون وسطیٰ کے اہل مذہب کی جہالت، عبادتِ تقدس کے مقامات پر بدترین اخلاقی مناسک کا ارتکاب، مغفرت نامے، پھر کائنات و زندگی کے حقائق دریافت کرنے کے جرم میں سائنسدانوں کی قتل و تعذیب ان سب حقائقوں نے مغربی فکر و شعور پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ جو آسانی سے مائل نہ ہو سکیں گے !

یہ صحیح ہے کہ ان حقائقوں سے یورپ نے جو نتائج اخذ کئے وہ غیر منطقی ہیں

کیونکہ ضروری نہیں تھا کہ کلیسا دشمنی کے ساتھ مذہب دشمنی اور خدا بیزاری بھی اختیار کی جاتی بلکہ یہ ممکن تھا کہ مذہب کو بالکل ختم کرنے کے بجائے اس کے صحیح مفہوم کو اپنالیتے۔ مگر کچھ ہوا اس کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔

دین کی جانب واپسی کے امکانات خواہ کتنے ہی روشن کیوں نہ ہوں۔ مگر ہماری محدود انسانی منطق کے مطابق۔۔۔ یہ رجوع نہایت آہستہ آہستہ ہوگا اور کئی نسلیں گزر جائیں گی! اگر اللہ تعالیٰ کا اس کے سوا کچھ اور ارادہ ہوا۔ تو اللہ کا ارادہ بڑا آسان ہے اگر وہ ارادہ فرمائے تو انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر خدا دشمنی چھوڑ کر شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرے۔ جب کہ انسانیت میں اس کی مثالیں بھی بار بار سامنے آتی رہتی ہیں۔ بالخصوص مصائب کے وقت!)

یہی ایک سبب نہیں۔ بلکہ دیگر حالات اور اسباب بھی ساتھ ہیں
آج کے مغرب کی غلطی منطق یا مادی منطق اللہ اور اللہ کے دین کی طرف رجوع میں
سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔!

”قوانین طبعیت“ پر ایمان نے مغربی فکر اور اس کی اللہ کی طرف توجہ میں فساد برپا کر دیا ہے۔ مغربی سائنس کی بنیاد ہی ان قوانین کے ثبوت اور ان کے ناقابلِ تغیر ہونے پر ہے۔ اس کا ایک پہلو تو درست ہے کہ کائناتی قوانین جن پر سائنسی مشاہدات اور تجربات کی بنیاد ہے۔ اگر متغیر ہوتے تو سائنس ترقی ہی نہ کر پاتی۔ مگر مغرب ان قوانین سے اللہ کی قدرت کو مقید کرنا چاہتا ہے۔

گویا اگر اللہ کے وجود کو مان بھی لیا جائے۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ نے قوانین کائنات مقرر فرما کر ایسے چھوڑ دیا ہے۔ اور اب کائنات خود بخود تمام تخلیقی اور کائناتی اعمال انجام دے رہی ہے۔ اور اب اللہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

میری جرمنی کے ایک مسلم نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ جو اسلامی عقیدہ کی سادگی اور

دین کے

استقامت دیکھ کر ایمان لے آیا تھا۔ مگر معجزات کے بارے میں سخت الجھن میں مبتلا تھا۔ کیونکہ معجزات ان کے خیال میں قوانین فطرت کے خلاف ہیں۔

وہ کسی طرح معجزہ کا تصور نہیں کر سکتا۔ اور نہ قوانین فطرت مقرر کر دینے کے بعد اللہ کی کائنات اور زندگی کے معاملات میں مداخلت اس کے لئے قابل تصوری میں نے اس سے کہا کہ آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ کی مداخلت قوانین فطرت کے خلاف ہوتی ہے۔ حالانکہ خود ان قوانین کے ثبوت کے لئے ہر لمحہ اللہ کی مداخلت ضروری ہے۔ اگر اللہ کی مداخلت نہ ہو تو یہ قوانین قائم ہی نہیں رہ سکتے۔ میرے

اس جواب سے اس کی فکر کا رخ بدل گیا

إِنَّ اللَّهَ يُنَسِّكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
أَنْ تَزُولَا وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا
مِنْ أَحَدٍ مِّن بَعْدِ هـ۔

یعنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو تھلے ہوتے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو نہ چھوڑ دیں۔ اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو خدا کے سوا کوئی

(فاطر - ۴۱) اور ان کو تھام نہیں سکتا۔

جب مسلمانوں کا یہ حال ہے تو آپ خود اندازہ کیجئے کہ ان تصورات نے مغرب کے لوگوں کو کس قدر خراب کیا ہوگا؟

اسلامی عقیدہ، اور اللہ کی سنت (جسے جہالت اور دشمنی کی بناء پر مغرب قوانین فطرت کہتا ہے) کے زیر سایہ اسلامی دنیا میں تجربی اسکول نے نشوونما پایا۔ اور مسلمانوں کے احساسات میں اس حقیقت کے ماننے میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت مطلقہ جو چاہے سو کر سکتی ہے۔ چنانچہ وہ بغیر کسی تعارض اور شکی انتشار کے علم اور معجزہ دونوں پر ایمان رکھتے تھے۔ حقیقت الہیہ اور حقیقت کرینیہ کو سمجھنے کا یہی صحیح منہاج ہے۔ مگر آج کی مغربی سائنس اپنی کوتاہ فہمی کی بناء پر لوگوں کو صحیح راستے پر چلنے سے روک رہی ہے۔

حد سے گزری ہوئی لذت پرستی بھی مغربی زندگی کی ایک شکل ہے۔
 ہو سکتا ہے جلد یا بدیر سائنس ایمان بالغیب کو مان لے۔ بالخصوص ایٹم کی داخلی
 صورت حال کی تحقیق کے بعد۔ کیونکہ اس تحقیق سے مادی کائنات کے بارے میں
 نظریہ بدل دیا ہے۔ اور مغربی انکار میں مادیت اور لامادیت کو قریب لے آئی ہے مگر

حد سے گزری ہوئی لذت پرستی ایک عظیم مشکل ہے
 اس لذت پرستی میں مذہب کی آواز پر کون کان دھرے گا؟!
 نوجوان مرد و زن اپنے اوقات بھر کتے ہوئے جسم کی لپیٹ میں گزار رہے ہیں
 انہیں کیونکر افاقہ ہو گا؟ اس لذت پرستی میں ان کے اعصاب کیوں کر تسلیم
 کریں گے کہ وہ تباہ ہو رہے ہیں؟!
 عقلاً تو اس تباہی کو دیکھ رہے ہیں۔ مگر جو اس آگ میں جل رہے ہیں۔ کیا انہیں
 بھی اپنے جلنے کا احساس ہے؟!

سُرَّتِ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ
 مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ
 الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ
 وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْخَرْثِ
 ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
 (آل عمران - ۱۴)

خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں
 کی مثلاً عورتیں۔ بیٹے۔ ڈھیر لگے ہوئے سونے اور
 چاندی کے نشان لگے ہوئے گھوڑے، مویشی، اور
 کیتھیں سب استعمالی چیزیں دنیوی زندگی کی

اس حد سے بڑھی ہوئی لذت کے بھی کتنے ہی فنون ہیں!
 صرف جنسی ملاپ ہی کی سماعتیں نہیں۔ بلکہ مغرب کی پوری ہی زندگی لذت
 پرستی کی زندگی ہے۔

انسان کا مشینی انداز اعصاب کو تھکا دینے والا، اور زندگی کو کچلنے والا ہے۔

پھر اپنے اوپر سے اس دباؤ کو دور کرنے کے لئے لوگ آزاد روی اختیار کرتے ہیں۔
مگر حیوانی طریقے پر۔!

انسان کی حیوانیت، اور اس کا مشینی انداز بیویں صدی کا تصور ہے! تنہا
دینے والا مشینی انداز انسان کے حیوانی پہلو ہیں۔

یہ انسانی زندگی کی جبری ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ اس منحرف اور مجنونانہ تصور کا
لازم ہے۔

پھر عالمی یہودیت ہلاکت کے اس موقع سے فائدہ اٹھاتی ہے — اور
ہر صورت میں لوگوں کو فریب میں مبتلا کرتی ہے۔

عورت سڑکوں پر، سینما میں، ڈراموں میں، ساحل سمندر پر — غرض ہر جگہ
پر فریب اور نیم عریاں ہے۔! اور سینما، اور اسٹیج، محفلیں اور کلب سرک اور اسکول
— سب جگہ اس فریب کو آزمایا جا رہے!

فن — موسیقی، ادب، رقص، اور گانے — زندگی کی آسائش اور
تعیشات — آخر ان لذتوں کو چھوڑ کر کون مذہب اور اخلاق کے بارے میں
سوچے گا!؟



مغرب کی لادینی بنیادوں پر قائم کردہ تنظیمات کو — جن کو مغرب مذہب سے
جدا کر کے بڑا خوش ہے — کس طرح دوبارہ اللہ کے عقیدہ کی بنیاد پر استوار کیا
جاسکے گا!؟

معاشی، سیاسی اور اجتماعی تنظیمات کو کون اللہ کے عقیدہ پر قائم کرنے کی کوشش
کرے گا۔ جب کہ اللہ کا عقیدہ ان تمام میدانوں میں لوگوں کی مطامع اور ان کی خواہشات
پر بندشیں لگاتا ہے؟

اد عورت جو ہر قید سے آزاد ہو چکی ہے۔ وہ اب اپنے فطری کردار کی طرف
 کیوں کھینچے گی۔ اور اپنی زندگی کو کس طرح محدود کرے گی۔ جب کہ اب وہ معاشرے کا خانہ
 دکانوں، دفاتر اور سرکاری محکموں پر موجود ہے۔ اور مرد کے شعور پر بری طرح چھائی ہوئی ہے
 تو یہ عورت کیوں قبول کرے گی کہ وہ ایک گھر اور ایک مرد میں محصور ہو کر رہ جائے
 حالانکہ اس وقت اس کی دنیا بڑی وسیع ہے۔ ہر شخص اس کے فتنہ میں مبتلا ہے۔ اور ہر
 شخص جو اسے راستہ پر چلتا دیکھتا ہے اسے پسند کرتا ہے۔ یہی لمحات اس کی زندگی
 بناتے ہیں!

منہ بکے لوگ آسانی سے مذہب کی جانب نہیں آسکتے۔ اور جہاں جہاں انسانیت
 پر مغربی فکر و عمل کی حکمرانی ہے۔ وہاں بھی لوگ آسانی سے مذہب کی طرف نہیں آسکتے۔
 جب تک کوئی ہولناک مصیبت نہ آجائے۔

— مگر یہ ہولناک مصیبت تو دروازے پر کھڑی ہے!
 اب لوگوں کو کوئی اختیار باقی نہیں رہا ہے!
 انہیں اب صرف یہ اختیار رہ گیا کہ یا تو وہ ہولناک تباہی کو قبول کر لیں — یا
 وہ اللہ کی پناہ میں آجائیں۔ اور اللہ کی بتائی ہوئی صراطِ مستقیم کو اپنائیں — خواہ اس
 میں ان کے منحنی تصورات کے مطابق کتنی ہی پابندیاں کیوں نہ ہوں!

تباہی نہ کھولے کھڑی ہے — سفید فام ان کے اقتدار کا خاتمہ روس اور امریکہ
 کا خطرناک مستقبل اور ایٹمی جنگ ہے!
 جب بھی دنیا جنگ کا خطرہ ٹل جانے پر سکون کا سانس لیتی ہے کوئی نیا خطرہ اور
 نئی مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔

ہولناک تباہی دروازے پر کھڑی ہے اور لوگوں کے سامنے دو ہی راستے ہیں —

یا تو وہ اللہ کی جانب رجوع کر لیں۔ یا ہولناک تباہی سے دوچار ہو جائیں۔
 کبھی نہ کبھی انسانیت کو یہ احساس ہو ہی جائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس پر کرم کرنے
 والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ تو انسانیت اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گی۔

مگر یہ صورت حال آج یا کل پیش نہیں آجائے گی۔ !
 مگر جب کئی نسلیں گزرنے کے بعد فساد انتہائی شدید ہو جائے گا۔ تو انسانیت اللہ کی
 طرف رجوع کرے گی یا تباہی سے دوچار ہو جائے گی !
 جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسانیت اللہ کی جانب رجوع کرنے والی ہے تو اس کا مطلب
 یہ نہیں ہوتا کہ رجوع ہماری اور موجودہ نسل کی عمر میں ہی ہو جائے گا !
 کیونکہ انسانیت کی عمر کا حساب ہماری عمر یا ایک نسل کی عمر سے نہیں ہوتا۔ بلکہ
 اس کا حساب کئی کئی نسلوں سے ہوتا ہے۔

مگر ہمارے سامنے انسانیت کا مستقبل آئندہ کل کی طرح واضح ہے !
 ہم انسانیت کا مستقبل پوری وضاحت سے دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ کی سنت
 انسانیت عنقریب اللہ کی جانب رجوع کرنے والی ہے۔
 مگر اس رجوع الی اللہ میں مسلمانوں کا کردار کیا ہوگا ؟

مسلمانوں کا کردار

مسلمانوں کا کردار یہ ہے کہ وہ ہمیشہ آگے آگے رہیں۔ اور انہیں کے ہاتھوں میں زمام انسانیت ہو۔

اس نے تم کو اور امتوں میں ممتاز فرمایا۔ اور تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم ہو۔ اس نے (اللہ) تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے (نزول قرآن) سے پہلے ہی اور اس (قرآن) میں بھی۔ تاکہ تمہارے رسول تم پر گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ۔

هَذَا جَمَاعَتُكُمْ وَمَا جَعَلْنَا عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

(حج - ۷۸)

اللہ ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنادیا ہے۔ جو ہر طرح اعتدال پر ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول گواہ ہوں۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

(البقرہ - ۱۴۳)

تم ایک بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کے لئے ظاہر گواہ ہو۔ تم نیکیوں کا حکم کرتے ہو۔ برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

(آل عمران - ۱۱۰)

مسلمانوں کا کردار یہ ہے کہ وہ بہترین امت ہیں۔ انہیں لوگوں کا نگران اور انسانیت کا قائد ہونا چاہیئے۔

مگر آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں زمام کار ہونے کے بجائے وہ خود قافلہ میں سے پیچھے چل رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں سے یہ سچا وعدہ فرمایا ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَتَخَلَّفُهُمْ
فِي الْأَرْضِ مِمَّا اسْتَلْخَفَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيُكِنَّنَّ لَهُمْ دِينُهُمُ
الَّذِي اسْرَتْخَفُوا وَلِيُبَدِّلُوا لَهُمْ
مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي
وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ
بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْفَاسِقُونَ

تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک کام کریں۔ ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ وہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی۔ اور جس دن کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو بدلہ اس میں کر دے گا۔ بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں اور میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص اس وعدے کے بعد ناشکر کا کرے گا تو یہ لوگ فاسق ہیں

(النور - ۵۵)

مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان مسلمان ہوں۔ اگر وہ ماضی اور حال کی طرح اسلام سے دوبارہ منحرف ہو گئے تو پھر اللہ کا یہ فرمان ہے۔

قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ
تَكْرُپٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ قُلْ هُوَ
الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا

اُپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر غم سے تم پر بھی شرک کرنے لگتے ہو۔ اُپ کہیے کہ اس پر بھی وہ ہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب بھیجے

مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتَ آثَرِ جُنُكُمُ اوپر سے بھیج دے۔ یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ
 أَوْ يُلَبِّسُكُمْ شَيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضُكُمُ تم کو گردہ گردہ کے سبک بھڑکا دے اور تمہیں
 بَأْسًا بَعْضُ الْأُنْظُرِ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لہذا ان کا مزہ چکھا دے۔ آپ دیکھتے تو رہیں ہم کس
 نَعْلَمُ مَا يَفْعَلُونَ طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں نشاندہ

(الأنعام: ۶۴، ۶۵) وہ سمجھ جاویں۔

اگر مسلمان مسلمان ہوں تو اس میں اس منحرف اور گمراہ انسانیت کے لئے بڑا اہم کڑا
 ادا کرنا ہے۔ جو اپنے انحراف اور گمراہی کی وجہ سے شقاوت و بد بختی میں پڑ گئی ہے۔

✓ مسلمان ہی وہ منہاج رکھتے ہیں جس سے انسانیت کے مصائب دور ہو سکتے ہیں
 اور اس کے تباہ کن انحرافات کا علاج ہو سکتا ہے۔

✓ یہی منہاج ہے جو اس الفضال کا علاج کر سکتا ہے۔ جو یورپ نے انسان اور
 اللہ، مذہب و زندگی، دنیا و آخرت، جسم اور روح اور واقع اور مثال میں پیدا کر دیے
 یہی وہ منہاج ہے۔ جو انسان کی توحید اور عبادت میں توحید پیدا کر کے اس کے
نفس کی پراگندگی دور کرتا ہے۔ کہ انسان اپنے روحانی اور مادی، اور معاشی، اجتماعی
اور سیاسی عمل اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں ایک ہی خدا کی عبادت کرے، اور اسی کی
جانب متوجہ رہے۔

یہی وہ راہِ عمل ہے جس سے انسانی نفس کا اضطراب و قلق ختم ہو جاتا ہے جس
 قلق سے نفس انسانی پراگندہ ہے۔ اس کے عمل کو کھار دیا ہے۔ نوجوانوں میں فساد پیدا
 کر کے معاشرے کو تباہ کر دیا ہے۔ اور چھوٹے بڑے تمام ممالک میں تمام ذمہ دار لوگوں
 کو پریشان کیا ہوا ہے۔

یہ وہ منہاج ہے۔ جو نفس انسانی کو اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ اپنے تمام

طبعی اعمال بلا تصادم و قلق کے انجام دے جس طرح کواکب اپنے صحیح مدار میں توازن اور اعتدال کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔

اس منہاج پر چل کر نفس انسانی علمی دنیا میں بغیر عقیدہ سے نفرت اور مذہب دشمنی کے آگے بڑھتا ہے۔ واقعاتی دنیا میں دھسپی لیتا ہے۔ مگر اس طرح کہ نہ وہ اخفاء *Suppression* سے لرھل ہوتا ہے۔ اور نہ ضبط کی قوتوں سے آزاد۔ اپنی زندگی اور جنس کے وظائف پاکیزگی اور لطافت سے انجام دیتا ہے۔ جس سے اس کی رغبتوں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اور اعصاب میں فساد نہیں پیدا ہوتا۔ غرض زندگی کے تمام پہلو عقل اور توازن کے ساتھ منظم ہو جاتے ہیں۔

یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کے مسلمان مالک ہیں اور یہ وہ ہی راستہ جس کی انسانیت محتاج ہے۔ تاکہ یہ اسے انحرافات اور تباہی سے بچا سکے۔

حقیقی اسلام کی ہدایت کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اسے پڑھ کر سمجھ لیا جا بلکہ اسے علمی اور واقعی صورت میں زندگی میں نافذ کرنا ہے۔ اور یہی مسلمانوں کا کردار ہے۔

* * *

مگر آج کی مذہب دشمن انسانیت — اور خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ مسلمان اسلامی نظام نافذ کریں۔ یا اسے بلند حقیقت کے اثبات کے لئے انہیں کوئی موقع فراہم ہو جائے! اس امر کو روکنے کے لئے انسانیت جنگ کرے گی — اور جنگ اسلامی دنیا میں آج بھی جاری ہے۔

گذشتہ صدی میں جدید صلیبی جنگ شروع ہوئی۔ اور صیہونیت نے اس جنگ میں بڑی یہ جنگ تمام جنگی وسائل سے لڑی گی — ہتھیاروں اور لشکروں کے ساتھ معاشرتی

سامراج — فکری اور روحانی سامراج — اخلاق کو تباہ کر کے۔ نوجوانوں کے ہر سنجیدہ عزم کو ختم کر کے۔ اور انھیں سینما، ٹیلیوژن، جنسی افسانوں، مقابلہ حسن اور فیشن ماؤس کا شیفہ بنا کر غرض شیطان کے ایجاد کردہ تمام ذرائع جن میں نوجوان کی قوت عمل ضائع ہو سکے۔

اے مسلمانوں اگر تم اپنے مذہب کو چھوڑ دو۔ تو ہم تمہیں برہمن کی امداد دیں گے ہم تمہیں آگے بڑھائیں گے۔ اور تمہیں مذہب بنائیں گے۔ تمہیں قرض دیں گے۔ مشین اور ہتھیار و اوزار دیں گے۔ اور تمہارے امکانات کو وسعت دیں گے۔ مگر اگر تم نے مذہب نہ چھوڑا تو ہم تم سے زندگی کا حق بھی چھین لیں گے! یہ جنگ ہے جس کا اسلام کو مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے۔ اس جنگ میں کوئی رعایت اور وقفہ نہیں ہے۔ یہ جنگ تمام اسلامی تحریکات سے لڑی جا رہی ہے۔ البتہ کچھ لوگ اس کا مبرا اظہار کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرانس کے وزیر جنگ پید و نے الجزائر کی جنگ آزادی کے بارے میں کہا تھا کہ یہ ہلال اور صلیب کی جنگ ہے۔ ہمیں اسے انجام تک پہنچانا ہے۔ اور دوسرے لوگ اس امر پر پردہ پوشی کرتے ہیں۔

*

*

مسلمانوں کو ایک طویل عرصہ تک سخت محنت اور جہاد کرنا پڑے گا تاکہ وہ اپنے آپ کو اس قابل بناسکیں کہ وہ انسانیت کے لئے اپنا کردار پورا کریں۔

۱۔ انھیں پہلے اسلام کو سمجھنا ہوگا۔ کیونکہ تاحال مسلمان اسلام کو نہیں سمجھتے۔ مسلمانوں کے دوتعطل سے لے کر آج تک کی جہالت۔ اسلام کی شکل بگاڑنے کے لئے مشنریوں، مستشرقین، سامراجیوں، صلیبیوں اور ان کے مسلمان شاگردوں کی کوششیں مذہب دشمن مغربی افکار، مغرب کے اپنے کلیسائی مذہب کے بارے میں اقوال۔ اور مسلمانوں کا یہ خیال کہ یہ باتیں ہر مذہب پر منطبق ہوتی ہیں۔ اور مغرب کے بالمقابل مسلمانوں کے سیاسی

جنگی اور معاشی صنف نے مسلمانوں کے دلوں میں ان کی ہر قدر کے بارے میں شک پیدا کر دیا ہے۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ میں ہر برائی کو تسلیم کر لیتے ہیں، اور ہر خوبی مغرب کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔

ان تمام اسباب نے مل کر مسلمانوں کے دل و دماغ پر کثیف پردے ڈال دیے ہیں۔ اور مسلمان اس قابل نہیں رہے کہ حقیقت اسلام سمجھ سکیں۔ اس لئے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اسلام کو سمجھیں۔ اور

دوسرا کام یہ ہے کہ وہ اسلام کو عملی زندگی میں برپا کریں۔ کیونکہ صرف نظری معرفت سے کوئی فائدہ نہیں۔ انسان کسی فکر کو اسی وقت بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ جب اسے زندگی میں برپا کرے، اور واقعاتی زندگی میں اسے برتے۔

اسلام آج مسلمانوں کے قلب و ضمیر میں اجنبی ہے۔ اور اپنی ابتداء سے زیادہ اجنبی ہے۔

اسلام ابتداء میں اجنبی تھا۔ مگر اس وقت اس کے سامنے لوگ فاسد فطرت کے نہیں تھے۔ اگر فساد تھا بھی۔ تو زیادہ عمیق نہ تھا۔ جوں ہی نفوس سے یہ فاسد فطرت دور ہوا لوگ نور حق کے سامنے جھک گئے۔

مگر آج اسلام کے سامنے جو لوگ ہیں۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ ان کے نفس کی گہرائیوں تک فسادِ سرایت کر چکا ہے۔ یہ فسادِ محمود، پس ماندگی اور آگے بڑھنے کا نتیجہ ہے۔ یہ فساد مغرب سے آیا ہوا ہے۔ اور اخلاقی انحلال، اور حد سے زیادہ لذت پرستی۔ جس کو مغرب مذہب بیزاری پیدا کرنے کے لئے فروغ دیتا ہے۔ نے اس فساد میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

آج اسلام کے سامنے وہ مسلمان ہیں۔ جو صلیبی سامراج کی زیر نگرانی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کی زندگیاں روح اسلام اور اسلامی قوانین سے دور ہیں۔ ان کے

اخلاق، عمل، فکر اور نفاذ غرض پوری زندگی پر غیر اسلامی فکر حکمراں ہے۔

اس لئے آج اسلام زیادہ اچھنی ہے۔

مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اسلام کو سمجھیں اور پھر اس کو عملی زندگی

میں نافذ کریں۔

- ۳۔ اسلام کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کے بعد اسلامی فقہ کی تدوین نو کر کے اسے بیسویں صدی کی زندگی کے بالمقابل لائیں۔ اور اس قابل بنائیں کہ وہ دورِ جدید کی جزئیات کے احکام بتا سکے۔

یہ ایک اہم کام ہے۔ مگر یہ زیادہ مشکل ہے اور نہ زیادہ اہم! اصل مشکل اور اہم کام یہ ہے کہ مسلمان اسلام کو سمجھیں اور اسے عملی زندگی میں برپا کریں۔ اس کے بعد خود بخود تدبیر کی طور پر مجتہد و فقہاء کی کوششوں اور اسلامی زندگی اور اسلامی فکر کے زیر سایہ نقی ارتقاء شروع ہو جائے گا۔

- ۴۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو مغربی علوم حاصل کر کے ان کی مادی قوت کے ساتھ تلاش کرنا ہوں گے۔ امدان کی تنظیموں، تحقیقات اور تجربات کا پتہ چلانا ہو گا۔ تاکہ مسلمان کا وہ علمی ذوق بیدار ہو سکے۔ جس کو وہ گزشتہ چند صدیوں میں کھو چکے ہیں۔ اور وہ اس قابل ہو سکیں کہ اسلام کے پاکیزہ طریقہ پر ان تنظیموں، تحقیقات اور تجربات میں جاندار اور فعال شرکت کریں۔



انسانیت کے لئے اپنا کردار ادا کرنے کے لئے مسلمانوں کو سب کام کرنا ہوں گے۔

یہ فی الحقیقت بڑی جدوجہد کے کام ہیں۔ مگر یہ انتہائی ضروری ہیں۔ خود مسلمانوں

کے لئے ضروری ہیں۔ تاکہ وہ اسلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے انسانی معیار پر زندگی گزار سکیں۔ — ایسا انسان، جو روشن فکر، مہذب، متوازن، پاکباز اور آگے

بڑھنے والا ہو۔

یہ سب کام انسانیت کے لئے بھی ضروری ہیں۔ تاکہ انسانیت کے سامنے سلیم اور پاکیزہ فکر کا عملی نمونہ آجائے۔ اور انسانیت اسے اپنا کرتا ریکیوں سے روشنی کی جانب آجائے اور ہلاکت و تباہی سے اپنے آپ کو بچالے۔

مگر گرد و پیش میں پھیلی ہوئی اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کو اس کام کو انجام نہیں دینے دیں گی۔

چاروں طرف بھر کی ہوئی — اسلام کے خلاف — آگ سرد نہ ہوگی۔ اسلام دشمن — مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اپنا مذہب سمجھیں اور اسے عملی زندگی میں برپا کریں۔

وہ چاہتے ہیں کہ اسلام صرف — نمازوں — مشائخ اور مساجد کی شکل میں موجود رہے — اور — اگر اسلامی مفہوم بدل کر اور مغربی فکر شامل کر کے اسلام کو ترقی دے دی جلتے تو بھی کوئی نقصان نہیں ہے!

مگر کسی ایسے شعوری، ترقی پذیر، ثقافت آشنا، فکری اور مسلمان معاشرے کا قیام — جو اسلام کو سمجھتے ہوئے اسے عملی زندگی میں برپا کرے تو یہی وہ شے ہے جس سے اسلام دشمن ڈرتے ہیں۔ اور جسے روکنے کے لئے وہ پوری پوری کوشش کریں گے جی ہاں! اسلام دشمن۔ اسلام کو کبھی نشوونما نہیں پانے دیں گے۔

اور وہ عملاً اس نسل میں کسی اسلامی جماعت کے قیام کے امکانات کو مٹانے کے لئے اپنی سرگرمیاں شروع کر چکے ہیں۔

* * *

مگر انسان اللہ کے دین پر حکمران نہیں ہیں۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلَىٰ اَمْرِهِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ تَعَالٰی اپنے حکم پر غالب ہے مگر اکثر

اَکْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۱۔ لوگ نہیں جانتے: ۱ یوسف - ۲۱

تاریخ میں ایک دن وہ بھی آیا تھا۔ جب صلیبی بحرا حمر کو کھنگالتے پھر رہے تھے
اسفوں نے حاجیوں سے بھرا ایک جہاز الٹ دیا۔ اور تمام حجاج کو قتل کر کے
جہ میں اترے اور ناپاک قدموں سے مقدس سرزمین کی طرف روانہ ہو گئے۔
اگر اس وقت کوئی انسان غیب سے منقطع ہو کر تاریخ کو دیکھتا تو یہی کہتا کہ
اسلام ختم ہوا۔ اور آج کے بعد نہ اسلام کبھی قائم ہوگا، اور نہ اس کے آثار باقی رہیں گے
مگر ہمیں معلوم ہے کہ یہی حادثہ صلاح الدین ایوبی کے قیام کا سبب بن گیا۔ جس
نے صلیبیوں کو کھل ڈالا۔

آج بھی صیہونی اور صلیبی روتے زمین پر ہر جگہ اسلام کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔
مگر افریقہ میں اسلام اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ مشنری اور مشنری بھینے
والے ممالک پریشان ہو گئے ہیں۔ اور اسلام امریکہ کے مظلوم سیاہ نام لوگوں میں پھیل
رہا ہے۔ — ان قید خانوں میں جہاں ان پر ظلم و ستم کئے جا رہے ہیں!
یہ مستقبل کی جانب اشارہ ہے!

یہ اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ مسلمانوں کا دور آنے والا ہے۔
وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَذٰلَکَیْنِ
اَکْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ
اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے مگر اکثر
لوگ نہیں جانتے۔

(یوسف - ۲۱)

ادارہ معارف اسلام کے کتب

۳۵/-	سید ابوالاعلیٰ مودودی	اسلامی ریاست
۱۰/-	" " "	معاشیات اسلام
۱۴/-	" " "	ادبیات مودودی
۱۱/۵۰	علامہ راغب الطباخ	تاریخ افکار و علوم اسلامی (اول)
۲۱/-	" " "	" " " (دوم)
۲/۵۰	سید قطب فہید	اسلام کا روشن مستقبل
۱۲/۵۰	" " "	اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل
۴/۷۵	محمد قطب	کیا ہم مسلمان ہیں؟
۱۲/۵۰	ممتاز احمد	مسئلہ کشمیر
	محمد قطب	مطالعہ نفسیات
	" " "	جاہلیت جدیدہ
	" " "	نظریہ ارتقاء اور ڈارون
	ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی	اسلامی تہذیب کے چند درختان پہلو
۵۵/۱۰	ترجمہ معدود شاہ شیرازی	اسلام کا انسان مطلوب
زیر طبع	مرتبہ طاہر رسول قادری	تفسیر سیرت اور عبادات
"	" " "	تفسیر سیرت اور دعا
"	" " "	کیا کئے سعادت
"	امام غزالیؒ	انافات شیخ عبدالقادر جیلانی
"	مرتبہ	حضرت محمد ماحضانی کی
"	ابصار عالم	تحریک احیاء اسلام
"	پروفیسر عبدالحمید صدیقی	اسلام اور معاشی تحفظ
"	" " "	الایمان والحیات

MPN
171

انسانی زندگی میں جمود و ارتقا

ترجمہ

DATA ENTERED

التطور والثبات

في حيات البشرية



مصنف

محمد قطب

مترجم

ساجد الرحمن صدیقی



البدیع پبلی کیشنز ۲۳۰ راجت مارکیٹ اردو بازار لاہور ۲